Islamic Gold Dinar

End of Riba & Return of the Islamic Gold Dinar

سود و ربا کا خاتمہ

اسلامی طلائی دینار

قومی اقتصادی استحکام اور انفرادی خوشحالی کا ضامن

محمد آصف شیراز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے

سود وربا کا خاتمہ اور اسلامی طلائی دینار

قومی اقتصادی استحکام اور انفرادی خوشحالی کا ضامن

Dinar Wakala

نام کتاب	:	اسلامی طلائی دینار
مصنف	:	محمد آصف شیراز
ناشر	:	دینار وکالہ
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد آصف شیراز
ترتیبی معاونت	:	مریم مظفر، عمر فاروق
تاریخ اشاعت	:	ستمبر ۲۰۱۴ء
قیمت	:	دو اسلامی درہم

حق نقل: © جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ کتاب میں موجود تصاویر کے حقوق ان کے مالکان نے مختلف بنیادوں پر جاری کیے ہیں جن کے لیے ان سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

دینار وکالہ

www.dinarwakala.com
ای میل: info@dinarwakala.com

انتساب

ملک محمد درویش، جنت بیگم اور مقصودہ بیگم کے نام

سدا نہ باغیں بلبل بولن سدا نہ باغ بہاراں
سدا نہ حسن جوانی قائم سدا نہ صحبت یاراں

فہرست مضامین

۱-	پیش لفظ	13
۲-	حمد وثنا اور تعارف	15
۳-	معاشیات اور کرنسی کا تصور	21
۴-	اسلام میں سود وربا کا تصور	51
۵-	جدید کرنسی نظام	87
۶-	کاغذی کرنسی پر تنقید	105
۷-	اسلامی بینکاری پر تنقید	139
۸-	اسلامی معاشیاتی نظام	179
۹-	دینار ودرہم کی تاریخ	179
۱۰-	اسلامی دینار تحریک	211
۱۱-	عمومی سوالات وشبہات	240
۱۲-	مستقبل کے لیے لائحہ عمل	283
۱۳-	اختتامیہ	13

Foreword

پیش لفظ

Pakistan has failed to eradicate Riba from its banking and financial systems even after 65 years of independence. This failure was the natural consequence of the modus operandi employed for the process: an initial wholesale adoption of a fundamentally foreign system, with efforts to Islamize its outward forms only as a following afterthought. This resulted in an Islamic financial institution that resembled its western counterparts in the most vital aspect: reliance on cash loans for its income. This idea must go for a true transition to the Islamic economic model. In other words, the concept of credit has to be altered radically and the creation of fake money by the banks has to come to an end. Till this is done, it will be difficult to call these banks "Islamic." The obvious question that will be raised is: Will such banking be banking? Quite possibly not, and in our view this is not important as long as a system that is truly Islamic is put into place. This is why the new direction of this discussion is not simply how to reform the bank, but more like how to replace it. It is a whole new alternative discipline of Islamic finance being developed, being called "Islamic Muamalat", focusing on a return to sound money and covering all aspects of Islamic economics, including open markets, open trade, eradication of un-Islamic taxation, reform of company law, and reintroduction of the guilds, and reform of enterprise structures and company laws.

Unfortunately, most of the literature available on the subject today is intended to promote existing Islamic banking, so much so that at times the scholars appear to be performing the public relations function for such banks. The same can be said about

many institutes and academies imparting instruction in this field.

It was with the aim of addressing this obvious gap in people's understanding of Islamic economic system that I founded the Advanced Legal Studies Institute, and produced many treatises and papers on the subject, available at my website www.nyazee.org. In one of my papers I had indicated back in 2009 that the revival of the Dinar and Dirham is one such positive development that can potentially change the Islamic financial services landscape in the country, by ushering in a set of working models that do not merely assume a façade of fancy Arabic names, but truly convey the spirit of Islamic principles.

This Muamalat based model covers a range of subjects including some non-banking related reform in legal and socio-economic structures, but its foundational element remains to be monetary reform, towards which this present book by Asif Shiraz can serve as an excellent introductory text. Although a number of English language books on the Dinar had long been available, penetration into the Urdu speaking community has been very limited, with no original works and just a few translations available. This book will hopefully fill in this gap very well, especially because of the breadth and comprehensiveness of the discussion provided, covering not only theoretical components but also some historical context and practical recommendations. The colloquial style of the book makes it very accessible to the common man, still offering sufficient depth to the practitioners and academia to rethink their positions from a fresh perspective.

As with all works of research and scholarship, there are always some ideas that are unique to the author and may not be uniformly shared by everyone, including myself. However I wholeheartedly endorse the main thrust of this book and highly recommend it not only to students of Islamic Banking and Finance, but also to every Pakistani who wants to contribute in eradicating Riba from our society.

Imran Ahsan Khan Nyazee
Islamabad
Dec 2013

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، و العاقبۃ للمتقین و الصلوہ و السلام علی سید المرسلین

امابعد

یہ کتاب امت مسلمہ کے ان فِئَۃٌ آمَنُو ا کے لیے لکھی گئی ہے جو سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ کے تحت اپنی اس ذمہ داری سے واقف ہیں کہ انہیں دین حق کو اپنے معاملات اور معاشی زندگیوں میں عملاًداخل کرنا ہے، اور سود ور باکے مروجہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ دینا ہے۔ انشاءاللہ اس ضمن میں یہ کتاب مستحکم شرعی اور اقتصادی بنیادوں پر یہ نظریہ پیش کرے گی کہ سنت نبوی کے مصداق اسلامی دینار اور درہم پر مشتمل کرنسی کو دوبارہ رائج کرنا ہی ایسا واحد لائحہ عمل ہے جو کہ ہمیں سود سے پاک معاشرے کی منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔

یہ کتاب ان محب وطن افراد کے لیے بھی مفید ہے جو قومی اقتصادی استحکام کے حصول اور عوام کو مہنگائی سے چھٹکارا دلانے کے لیے ٹھوس اور موثر منصوبے کے متلاشی ہیں۔ ہمارے قارئین میں وہ سادہ لوح افراد بھی شامل ہیں جو اپنے اہل وعیال کی خیر خواہی کی خاطر حلال طریقے سے اپنے مالی اثاثوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور مہنگائی کے اس دور میں جہاں حکومت وعدوں کے سوا کچھ نہیں کرتی، اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کا بہتر انتظام چاہتے ہیں۔

عوام الناس کے علاوہ ہم یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ اس مقالہ کو علمائے دین بھی زیر غور لائیں گے اور آسان الفاظ میں پیش کردہ جدید دور کی ان اقتصادی پیچیدگیوں کو سمجھیں گے جن میں الجھا کر شاطر سرمایہ داروں نے ان سے اسلامی بینکاری کے حق میں فتاوی حاصل کر لیے ہیں، اور ربا اور سود کے نظام کو اسلامی چھاپ کے ساتھ زور و شور سے چلا رکھا ہے۔ علمائے کرام دین حق کے پاسدار ہیں اور عوام رہنمائی کے لیے ہمیشہ ان ہی کی طرف دیکھتے ہیں، لہذا اس کتاب کا ثمرہ اسی وقت ظاہر ہوگا جب یہ نظریات علمائے کرام کی زبانوں سے عوام تک پہنچیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ علمائے حق اس معاملے میں قدم بڑھائیں گے اور میدانِ عمل میں اسلامی دینار سے متعلق تمام کاوشوں کی معاونت کریں گے۔

اس کتاب میں ہم نے تمام متنازعہ معاملات سے مکمل اجتناب کیا ہے، جو بالعموم اس نوعیت کی کتابوں میں زیر بحث آ جاتے ہیں۔ لہذا ہم نے مروجہ بینکاری نظام کو نہ ہی بین الاقوامی صیہونیت اور فری میسنری (Freemasonry) یا الومیناٹی (Illuminati) جیسی تنظیموں کی ایک سازش قرار دیا ہے اور نہ ہی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ امریکا کا Federal Reserve بینک رات کی تاریکی میں، عوام کی نظروں سے دور، جیکل آئی لینڈ (Jakyll Island) جزیرے میں ایک خفیہ انداز سے معرض وجود میں آیا۔ ہمیں اس بات سے بھی غرض نہیں ہے کہ امریکی بینک JP

Morgan اورHSBC چاندی کی قیمتوں کو مصنوعی طور پر گرانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور نہ ہی امریکہ کے ایسے لوگوں کی شہادتوں سے ہمیں غرض ہے جو کہ منظم طریقے سے تیسری دنیا کو سودی قرضوں میں جکڑنے کی سازشوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بسا اوقات ہم بحیثیت قوم اپنی کوتاہیوں اور خامیوں سے پردہ پوشی کرنے کے لیے ان باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں اپنی جگہ کچھ حقیقت موجود ہے جس کی تصدیق مصدقہ ذرائع سے کی جاسکتی ہے۔ مگر اس تحریر میں ان کا ذکر کرنا اس مقالہ کے مقاصد سے مطابقت نہیں رکھتا۔

ہمارا مقصد علمی سطح پر قرآن و سنت اور معروف معاشی اصولوں کے تحت یہ مقدمہ پیش کرنا ہے کہ اسلامی دینار کو اپنانا ہی ہمارے لیے شریعت سے ہم آہنگ، انصاف پسند اور اقتصادی ترقی کا معاون لائحہ عمل ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو ہمیں اس سے بڑھ کر کسی اور جواز کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

بہت سے لوگ اس مسئلہ کو سمجھ تو جاتے ہیں، مگر عملیطور پر اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ معاملہ اہم تو ہے مگر اس سے زیادہ اہم مسائل اور بھی ہیں۔ مثلاً ملک سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار ہے، عالمی جیو پولیٹیکل سطح پر نازک دور چل رہا ہے اور ہم تعلیم، بجلی اور بدعنوانی جیسے اہم مسائل حل نہیں کر پا رہے، تو ایسے میں سونے کے دینار کو کون رائج کرے؟ اس اندازِ فکر میں کچھ حد تک تو صحت ہے کیونکہ ربا کے اصول بھی پیغمبر کے عہد کے آخری ایام میں مکمل ہوئے اور سودی قرضہ جات کی مکمل ممانعت خطبہ حجۃ الوداع میں کی گئی۔ علمائے کرام اس امر کی تصدیق کریں گے کہ دین مکملھو جانے کے بعد اب یہ گنجائش باقی نہیں کہ دین کا کون سا اصول کس وقت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور کس وقت اسے دیگر ملکی مسائل کی وجہ سے ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں سود کی حرمت دلیلِ قطعی یعنی کتاب اللہ سے ثابت ہے جس کو نافذ کرنا فرض عین ہے۔

یہ حرمت اٹل اور دائم ہے۔ چاہے آپ حالتِ جنگ میں ہوں یا امن میں، امریکہ سے برسرِپیکار ہوں یا بھارت سے، حکومت جمہوری ہو یا آمرانہ، ملک میں بجلی ختم ہو رہی ہو یا پانی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز اللہ رب العزت نے حرام ٹھہرا دی ہے اور اب کوئی ایسا عذر نہیں ہے جو اِس کی حرمت کو ہمارے اوپر لاگو ہونے سے روک دے۔ یہ ہمارا اجتماعی فرض ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی اہم ہے کہ حکمِ الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی دینار کے نظام کو اپنانا دنیاوی قلیل المدت حکمتِ عملی سے بھی بہت مفید ہے۔ افغان جنگ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ افغانی کرنسی اس حد تک گر گئی کہ لوگ تول کر استعمال کرتے، اور وہاں کُھلے عام پاکستانی روپیہ اور ڈالر چلنے لگے۔ پھر یہ کہ جب ملک کے حالات نازک اور پیچیدہ ہوں تو یہ اس امر کو اور بھی ضروری بنا دیتا ہے کہ عوام اپنے اثاثے محفوظ کریں اور مشکل وقت آنے سے پہلے اس کی تیاری کر لیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ سونا اور چاندی ہی دو ایسی چیزیں ہیں جو عالمگیر سطح پر وقت اور جغرافیہ کی قید سے آزاد اپنی قیمت برقرار رکھتی ہیں اور آڑے وقت میں انفرادی اور قومی اثاثوں کے محافظ بنتے ہیں۔ شاید یہی

وجہ ہے کہ چین اقتصادی بلکہ سیاسی سطح پر مستقبلمیں اپنے کردار کو دیکھتے ہوئے سونے کے ذخائر کو تیزی سے بڑھا رہاہے۔

بہر طور، سونے کے دینار میں ایک خوبصورتی یہ ہے کہ اس نے تین مختلف زاویہ ہائے نظر کو یکجا کر دیا ہے اور اب کوئی شخص تینوں میں سے جس ایک سے بھی متاثر ہو، عملیطور پر اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ دینار تحریک کے احیا میں معاونت کرے گا۔ پہلا اور سب سے مستحکم نقطہ نظر اس کا سودی نظام کی ضد ہونا اور دین میں مالی نصابِ زکوۃ کو پرکھنے کا معیاری پیمانہ ہونا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سنتِ نبوی بھی ہے۔ دوسرا نقطہ نظر اس کا قومی اقتصادی سطح پر انتہائی مفید ہونا ہے جس کی تصدیق معاشیاتی میدان میں آسٹریا کے سکول آف اکنامکس کے مایہ ناز ماہرین نے کر دی ہے کہ مہنگائی اور افراطِ زر کا واحد حل یہی ہے۔ تیسرا نقطہ نظر انفرادی ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمتیں سال میں اوسطاً بڑھتی رہتی ہیں، جس کی وجہ سے کوئی شخص دینار تحریک سے جذباتی لگاؤ نہ بھی رکھتا ہو تو اپنے مال کی حفاظت کے لیے دینار کو اپنانا اس کی ترجیح بن ہی جائے گی۔

آخر میں ہم چند اہم شخصیات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا۔ سب سے پہلے دینار تحریک اور اس سے منسلک تمام لوگ، جن کی فکر ہمارے لیے مشعل راہ بنی۔ بالخصوص امریکہ سے جناب اسماعیل برائنٹ، انڈونیشیا سے جناب احمد ادجی، ملائیشیا سے جناب عمر وڈلو اور محترمہ الاویا وڈلو، اومان سے جناب محمد فاروق، جنوبی افریقہ سے جناب موگامت ابراہمز، پشاور سے ڈاکٹر اکبر خان اور کراچی سے سید شارق ابدالی نے ہماری گراں قدر معاونت کی۔

ملتان کے معروف نوجوان دانشور اور کتاب 'دلیل سحر' کے مصنف، میاں آصف رشید مرحوم نے بھی اس کام میں ہماری بہت حوصلہ افزائی کی۔ کینسر کے مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود انہوں نے مسودہ کا شوق سے مطالعہ کیا، اور ان کی مشاورت سے کتاب میں چند اہم ابواب کا اضافہ کیا گیا۔

کتاب کو قاری کے ہاتھوں تک پہنچانے کے لیے ایڈیٹر اور پبلشر کا کام بھی نہایت اہم ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں کتاب ہاؤس کے بانی جناب عمر فاروق کی شکل میں ایک ایسے پبلشر مل گئے جو علم دین اور تاریخ پر گہرا عبور رکھتے ہیں۔ ان کی معاونت سے کتاب کی ادبی اصلاح کے ساتھ ساتھ مضمون میں بھی خاطر خواہ وسعت پیدا ہوئی۔

یہاں پر میں اپنی اہلیہ، مریم مضطر کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی ہر قدم پر حوصلہ افزائی اور مدد کے بغیر اس کتاب کی تکمیل میرے لیے ممکن نہ ہوتی۔

محمد آصف شیراز
asifshiraz@yahoo.com
مارچ ۲۰۱۴ء

باب اول

معاشیات اور کرنسی کا تصور

گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دِکھا کر مداری گیا

اسلامی دینار و درہم عہدِ رسالت اور اس کے بعد کئی صدیوں تک امتِ مسلمہ میں رائج رہے۔اس دور میں روم اور ایران جیسی تمام بڑی قوتیں سونے اور چاندی کے سکے ہی استعمال کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی کے آغاز تک سونا ایک عالمگیر کرنسی کی حیثیت رکھتا تھا، مگر جدید بینکاری نظام نے اسے ہٹا کر کاغذی کرنسی کا رواج شروع کر دیا۔

اس نظام میں دو بڑی خامیاں ہیں، یہ شرعی اور معاشی دونوں نقطہ ہائے نظر سے نقصان دہ ہے۔ سو اس کتاب میں ہم اس نظام کے محرکات کو بے نقاب کریں گے اور اس کی معاشی خامیوں پر روشنی ڈالیں گے۔

اس کے لیے ہم پہلے کرنسی کے بنیادی تصور کو ایک تمثیل کے ذریعے سمجھیں گے اور پھر جدید کاغذی کرنسی نظام کا ایک اجمالی تذکرہ پیش کریں گے، تاکہ اس کے باطل محرکات عیاں ہو سکیں۔ پھر آگے چل کر ہم ان ہی پہلوؤں کو دین کی روشنی میں بھی دیکھیں گے۔

جی ڈی پی (GDP)

فرض کریں کہ ایک دریا کے کنارے دو خاندان آباد ہو کر ایک گاؤں کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ ایک خاندان گوالوں کا ہے جو یومیہ دس کلو دودھ پیدا کرتا ہے اور دوسرا خاندان کسانوں کا جو یومیہ دس کلو گندم اگاتے ہیں۔ یہ دونوں آدھا دودھ آدھی گندم کے بدلے تجارت کر لیتے ہیں اور یوں دونوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

جدید اصطلاح میں گاؤں کے اس معاشرے کو ایک 'اکانومی' یا معیشت کہا جائے گا، جس کا جی ڈی پی دس کلو گندم اور دس کلو دودھ روزانہ ٹھہرے گا۔ دودھ اور گندم کی یہ تجارت ادلے بدلے کی تجارت (Barter Trading) کہلائے گی۔

معیارِ زندگی

کچھ دنوں بعد گاؤں میں ایک ماہی گیروں کا خاندان بھی آباد ہو گیا جو ہر روز دس مچھلیاں پکڑتا اور صرف مچھلی کھانے پر ہی اکتفا کرتا۔ کیونکہ ان لوگوں کے پاس کھانے کو صرف ایک ہی چیز تھی یعنی مچھلی، لہٰذا اس اعتبار سے ان کا معیارِ زندگی اتنا اچھا نہیں تھا۔ معیارِ زندگی (Standard of Living) کا اندازہ اس طرح لگایا جاتا ہے کہ انسان

کے پاس دنیاوی وسائل اور آسائشوں میں سے کیا کچھ موجود ہے۔ جس کے پاس صرف روٹی اور پانی ہے اس کا معیارِ زندگی کمتر ہے بہ نسبت جس کے پاس اس کے علاوہ مچھلی، کباب، اور لسی بھی موجود ہے، جبکہ دیکھنے کو ٹی وی بھی ہے۔ معیارِ زندگی آپ کے پاس استعمال کرنے کے سامان اور آسائشوں کے مجموعے سے پرکھا جاتا ہے۔

ماہی گیروں کو اپنا معیار زندگی بہتر بنانے کے لیے، مثلاً مچھلی کے علاوہ گندم بھی کھانے کے لیے، مزید محنت کر کے گندم اگانی پڑے گی۔ جنت میں تو تمام انواع واقسام کے میوے انسان کو بغیر مشقت کے میسر آجائیں گے مگر دنیا میں کوئی بھی استعمال کی شے یا خدمت حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے اور وقت لگانا پڑتا ہے۔ اسی لیے پیغمبر نے محنت کش کو اللہ کا دوست فرمایا ہے، کیونکہ وہ زمین سے اللہ کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر کے اپنا اور دوسروں کا معیار زندگی بہتر کر رہا ہوتا ہے۔

تجارت اور مہارت

انسان زیادہ محنت کر کے بھی ایک حد تک ہی ترقی کر سکتا ہے۔ ماہی گیر مچھلی پکڑنے کے علاوہ اگر دودھ کے لیے بھینس بھی پال لیں اور گندم کے لیے کھیتی باڑی بھی شروع کر دیں تو ان کے لیے بہت مشکل ہو جائے۔ یہاں پیغمبر کی ایک اہم سنت ہماری رہنمائی کرتی ہے، جہاں آپ نے تجارت کو اپنا پیشہ بنا کر ہمیں اس کے فوائد سے آگاہ کیا۔ تجارت انسان کو اپنے فن میں مہارت حاصل کر کے پیداوار بڑھانے کے مواقع دیتی ہے، جسے اقتصادیات کی اصطلاح میں اسپیشلائزیشن کہتے ہیں، اور تجارت کے ساتھ مل کر یہ جدید انسانی ترقی کا ایک بنیادی ستون ہے۔ زمانۂ قدیم میں انسان اپنا ہر کام خود کرتا تھا۔ لکڑی کاٹ کر خود ہی چارپائی بنالیتا، ہل چلا کر خود ہی گندم اگالیتا، اور اس کی بیوی اس کا کرتہ بھی خود ہی سی دیتی۔ ہر کام جب لوگ خود کرتے تو ان کی کارکردگی اتنی اچھی نہ ہوتی اور کمتر معیار کی تھوڑی چیزیں بن پاتیں۔ جدید دور میں انسان نے پیشہ ورانہ مہارت حاصل کر کے اپنے ہنر میں اتنی ترقی کر لی ہے اور اس سے وابستہ اتنا علم اکٹھا کر لیا ہے کہ کسی ایک شخص کے لیے وہ سب جاننا ناممکن ہے۔ لہذا ہر کوئی اپنا اپنا کام کرتا ہے اور معاشرہ تجارت کے ذریعے ہر ایک کی محنت کا ثمر سب کو پہنچا دیتا ہے۔

کیپیٹل (Capital)

پیشہ ورانہ مہارت کے تحت اب ماہی گیر صرف مچھلی پکڑتا اور کسان صرف گندم اگاتا۔ جب گاؤں کی آبادی بڑھی تو دونوں کو اپنی پیداوار میں اضافہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ زیادہ محنت کی جائے، یعنی ماہی گیر چار ملاح اجرت پر رکھ لے، تاکہ ایک آدمی کی بجائے پانچ آدمی مچھلی پکڑیں۔ دوسرا یہ کہ وہ جدید طرز کی موٹر والی کشتی خرید لے تاکہ اس طرح پیداوار بڑھائی جا سکے۔

ان دونوں طریقوں کو بروئے کارلانے کے لیے سرمایہ چاہیے۔اگر وہ مزید اہلکار رکھے گا تو انھیں تنخواہ دینی ہو گی۔ کچھ کاروبار ایسے ہوتے ہیں جن میں فوراً نفع حاصل نہیں ہوتااور یوں کافی عرصے تک ملازمین کو تنخواہ دینی پڑتی ہے قبل اس کے کہ ان ملازمین کے کام سے کاروبار کی آمدنی میں اضافہ ہو۔اسی طرح اگر اس نے موٹر والی کشتی یا مچھلی پکڑنے کا جال خریدنا ہے تو اس کے لیے بھی پیسہ چاہیے ہو گا۔اپنے کاروبار کو پھیلانے کے لیے اسے سرمائے کی ضرورت ہے اور اقتصادیات کی اصطلاح میں اسے کیپیٹل (Capital) کہتے ہیں۔

اقتصادی ترقی کے لیے سرمایہ کاری ایک اہم ستون ہے اور آگے چل کر ہم یہ دکھائیں گے کہ کیپیٹل کی فراہمی کے لیے سود کی قطعاً ضرورت نہیں۔

سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ہماری تمثیل میں فی الحال ماہی گیر اپنے کاروبار کو پھیلا تو نہیں سکتا، مگر انفرادی طور پر زیادہ محنت کر سکتا ہے تاکہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ اضافی پیداوار تجارت میں استعمال کر سکے۔

کرنسی

ماہی گیر جب اضافی مچھلیاں پکڑنے لگا تو گوالوں کے پاس تجارت کی غرض سے گیا۔انہوں نے کہا ہمیں مچھلی کھانا کبھی کبھی تو اچھا لگتا ہے، ہر روز نہیں۔ لہٰذا ہم صرف اسی دن یہ تبادلہ کریں گے جس دن ہمیں مچھلی چاہیے ہو گی۔ بارٹر ٹریڈنگ میں یہ سب سے بڑی خامی ہے کہ وہ صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے، جب دونوں فریقین کو ان ہی چیزوں کی اسی مقدار میں اسی وقت ضرورت ہو جب کہ وہ اس کی تجارت کر رہے ہوں۔

کچھ عرصے بعد گاؤں میں ایک حجام آیا، جو حجامت بنانے کے بدلے دودھ، گندم اور مچھلی حاصل کرتا۔

ماہی گیر اور حجام دونوں نے جب یہ دیکھا کہ لوگ ان کی مصنوعات/خدمات کبھی کبھی خریدتے ہیں، تو انہوں نے زیادہ استعمال ہونے والی چیز، گندم کو کچھ مقدار میں اپنے پاس بچا کر رکھنا شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہر کسی کو ہر روز ہوتی اور یوں تجارت آسان ہو جاتی۔

گندم نے یوں اس معاشرے میں کرنسی کا درجہ حاصل کر لیا۔ جس کی بنیادی نشانی یہ ہے کہ لوگ اسے کھانے یا استعمال کرنے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور شے یا خدمت کو حاصل کرنے کے لیے رکھنے لگیں۔

یہ کرنسی گندم کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے اور اس کا ثمنِ خلقی یعنی سونا اور چاندی ہونا ضروری نہیں۔ کپڑا، چمڑا، کاغذ یا دھات، کوئی بھی چیز جو عوام کو لین دین میں معاونت دے رہی ہے وہ ثمنِ عرفی کی حیثیت سے کرنسی کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔اسلامی بینکاری کی حامی بہت سی معتبر شخصیات نے اس اصول کے تحت کاغذی کرنسی کو بھی جائز قرار دیا ہے۔اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ جائز لگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہم اعتراف کر رہے ہیں کہ کرنسی کسی بھی شے سے بن سکتی ہے، تو پھر کاغذ سے کیوں نہیں؟ مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ کاغذی کرنسی پر اعتراضات محض اس

کے کاغذ ہونے کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ دیگر وجوہ کی بنیاد پر ہیں جن کی وضاحت آگے کی جائے گی۔

رزق حلال

ہماری مثال میں جو دودھ، مچھلی اور گندم کی پیداوار اور باہمی تجارت سے ایک چھوٹی سی معیشت کا خاکہ تیار ہوا ہے،اس کا ایک نمایاں عنصر،توازن، کسبِ حلال اور قوتِ بازو پر انحصار ہے۔

گوالا مچھلی کھائے گا تو اپنے ہاتھ کی کمائی، یعنی دودھ کے بدلے اور ماہی گیر دودھ پیئے گا تو اپنے ہاتھ کی کمائی یعنی مچھلی کے بدلے۔ ہر شخص جو اس معاشرے سے فائدہ لے رہا ہے تو اس کے بدلے معاشرے کو کچھ دے بھی رہا ہے۔

پیغمبر نے فرمایا کہ ''اپنے ہاتھ سے کمانے والا اللہ کا ولی ہے''۔

رزقِ حلال کا انصاف اور توازن سے گہرا رشتہ ہے،اور ان دونوں کا تجارت سے، جس کو پیغمبرِ اسلام نے اپنی سنت بتایا ہے۔

اگر اس گاؤں میں ایک ڈاکو داخل ہو جائے اور زبردستی ایک کلو دودھ چھین لے تو ہم سب اسے ظلم و زیادتی کہیں گے۔ اس لیے کہ ڈاکو نے دودھ والے کو اس کی قیمت ادا نہیں کی۔ ماہی گیر اور کسان بھی دودھ لیتے ہیں، مگر مچھلی یا گندم کی صورت میں قیمت ادا کر کے۔ دوسرے لفظوں میں قیمت ادا کر کے معاشرے سے کوئی بھی متبادل چیز لی جا سکتی ہے۔

دراصل ہر رزقِ حرام کا بنیادی عنصر یہی ہے کہ محصول کی قیمت ادا نہ کی گئی ہو اور اسے کمایا نہ گیا ہو۔ رشوت کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اہلکار جو خدمت دے رہا ہے،اس کی قیمت اسے اجرت کے طور پر ملتی ہے اور اگر رشوت کے ذریعے زائد اجرت لے رہا ہے تو یہ بے انصافی ہے۔ فراڈ اور دھوکے کا مقصد بھی بخوشی ادا کیے جانے والے جائز متبادل سے زائد مال حاصل کرنا ہے۔ الغرض وہ تمام چیزیں جو رزقِ حلال سے خارج ہیں، وہ عموماً عدل و انصاف کے تقاضوں کے بھی منافی ہوتی ہیں۔

اب ایک اور غیر منصفانہ عمل، یعنی جعلی کرنسی چھاپنے کو لیجیے۔ رزقِ حرام اور بے انصافی سے ہمیشہ کسی کا نقصان ہو رہا ہوتا ہے، تو یہاں کس کا ہو رہا ہو گا؟ بظاہر جعلی نوٹ لینے والے کا لیکن اگر وہ انہی نوٹوں کو آگے چلا سکتا ہے تو پھر اس کا کیا نقصان ہوا؟ نقصان صرف اس صورت میں ہے جب یہ نوٹ پکڑے جائیں، تو جس کی ملکیت میں ہوں گے اس کا اتنا مال ضائع ہو جائے گا۔ مگر اس بارے میں کیا خیال ہے کہ وہ رات کو چوری چھپے سٹیٹ بینک کی مشینوں سے اصلی نوٹ ہی چھاپ لے؟ ان نوٹوں کا جعلی ہونا تو خود سٹیٹ بینک والے بھی نہیں بتا سکیں گے اور ان نوٹوں کے استعمال سے کسی کا نقصان نہیں ہو گا، کیونکہ ان کے پکڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود یہ نہ صرف قانوناً بلکہ اخلاقاً بھی جرم ہے۔ اخلاقی لحاظ سے اس لیے کہ یہ شخص ان نوٹوں کے

عوض معاشرے سے وہ کچھ لے لے گا، جس کے لیے اس نے محنت نہیں کی اور جس کے لیے اس نے معاشرے کو واپس کچھ نہیں دیا، سوائے کاغذ کے رنگین ٹکڑوں کے۔ آگے چل کر ہم یہ بات واضح کریں گے کہ اگر جعلساز کے لیے یہ عمل ممنوع ہے تو پھر حکومت کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ بھی نوٹ چھاپ کر عوام سے وہ کچھ لے لے جس پر حق اس نے کسب سے حاصل نہیں کیا۔ جدید دور کے نظامِ زر میں ایسی ہی بے انصافی کو اجاگر کرنا اس کتاب کا ایک مقصد ہے جس کی مزید تفصیلات ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔

تجارت

ہم نے کہا کہ تجارت میں انصاف ہے اور یہ سنتِ محمدی بھی ہے۔ یہاں تجارت اپنے وسیع تر مطلب میں آئے گی جس کی روح سے ہم سب لوگ تاجر ہیں۔ ایک ملازمت پیشہ شخص بھی دراصل ایک تاجر ہے جو اپنے وقت اور ہنر کے بدلے حلال اجرت حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں اللہ سبحانہ وتعالی نے ایمان کو بھی ایک تجارت کہا ہے، کیونکہ مومن بھی اپنی جان اور مال کو اللہ کے سپرد کرکے جنت کے باغ کی تجارت کرتا ہے۔

کچھ معاملات میں معاشرے سے اپنا جائز حق لینے کا تعین بآسانی نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً اگر کوئی مکان کرائے پر چڑھا کر خود فارغ بیٹھ جائے تو بھی اس کا کرایہ لینا رزق حلال ہے، کیونکہ اس نے جو مکان معاشرے کو دیا ہے وہ اس کا جی ڈی پی میں حصہ ہے، جس کا بدلہ معاشرہ اسے کرائے کی صورت میں دے رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے یہ مکان بنوا کر ایک ہی بار معاشرے کو اتنا کچھ دے دیا کہ اب اس عمل کی متواتر اجرت اسے کرائے کی صورت میں مل رہی ہے۔

بچت

ہماری تمثیل میں اب ایک امیر آدمی گندم کا بہت بڑا ذخیرہ لے کر اس گاؤں میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ ذخیرہ اس نے بہت عرصہ محنت کر کے حاصل ہونے والی اجرت میں سے کچھ حصہ بچا کر جمع کیا ہے، یہ اس کی بچت کہلائے گی۔ بچت کے بارے میں ایک اہم نکتہ ذہن نشین کر لیجیے کہ بچت اس بات کی علمبردار ہے کہ معاشرے کی مصنوعات اور خدمات کے اوپر ایک فرد کا کتنا حق ہے، جو وہ اس رقم کو خرچ کر کے طلب کر سکتا ہے۔

سرمایہ کاری

فرد کی مرضی ہے کہ وہ اپنی بچت کو بچا کر رکھ لے، یا پھر اسے کسی کام میں لا کر اس میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ جب وہ اپنی بچت کسی تجارتی منصوبے میں لگاتا ہے تو اسے سرمایہ کاری کہتے ہیں۔ اس عمل کا بنیادی مقصد (Value Proposition) یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے معاشرے کے لیے ایسی منفعت تخلیق کرے (Value Creation) جس کے بدلے معاشرہ اس کے سرمائے کی قدر سے زیادہ واپس کرے۔

وہ ماہی گیر کو موٹر والی کشتی خرید کر دے سکتا ہے، جس سے زیادہ مچھلی پکڑی جا سکے، یہاں تک کہ موٹر والی کشتی کی قیمت نکل آئے اور ماہی گیر مضاربہ کی بنیاد پر یہ اضافی منافع سرمایہ کار کے ساتھ تقسیم کر سکتا ہے۔ پس یہ سرمایہ موٹر والی کشتی کی شکل اختیار کر کے معاشرے کے جی ڈی پی میں اضافہ کرے گا اور معاشرہ اس اضافے کے بدلے بخوشی منافع دے گا۔

غور کیجیے تو اس مثال میں جی ڈی پی کا یہ اضافہ موٹر والی کشتی کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور کشتی خریدنے کی رقم بچت کے علاوہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس معاشرے کی دنیاوی ترقی اور جی ڈی پی کو بڑھانے کے لیے بچت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

سودی بینکاری نظام نے مغربی معاشروں کو ایک کنزیومر سوسائٹی (Consumer Society) بنا رکھا ہے، جہاں زائد از ضرورت خریداری کو ایک مذہب کی طرح اختیار کر لیا گیا ہے۔ وہاں لوگوں کے پاس اتنی بچت نہیں کہ وہ معاشرے میں مثبت طور پر سرمایہ کاری کر سکیں۔ اس کے عارضی ازالہ کے لیے ان کے بینکوں نے کاغذی کرنسی کی تخلیق سے مصنوعی سرمایہ کاری کا نظام چلا رکھا ہے۔ نتیجتاً جی ڈی پی میں وقتی تیزی تو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک غیر فطری اور غیر منصفانہ طرزِ عمل ہے جو نہ صرف دینی اور اخلاقی لحاظ سے ممنوع ہے بلکہ اقتصادی لحاظ سے بھی نہایت نقصان دہ ہے۔ یہ کاروباری چکر (Business Cycle) اور اکنامک ڈیپریشن (Economic depression) کا باعث بنتا ہے، جس کی تفصیل ہم اس باب میں کرنسی کی بحث کے بعد پیش کریں گے۔

موٹر والی کشتی کی فراہمی جو کہ سرمایہ کاری کی علمبردار ہے، اس کے ساتھ ماہی گیر بھی بہت اہم ہے جو اس مضاربہ کے معاہدے کا دوسرا فریق ہے۔ چونکہ اسلامی مضاربہ سودی سرمایہ کاری کی ضد ہے اس لیے اب کچھ بات اس پورے عمل میں سود و ربا کی عدم ضرورت پر بھی ہو جائے۔ فرض کریں کہ یہ دونوں موٹر والی کشتی خریدتے ہیں، مگر کشتی حادثے میں ڈوب جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی سرمایہ بھی ڈوب جاتا ہے۔ یوں معاشرے کو جو اضافی مچھلی مہیا ہونی تھی، وہ نہیں ہو پاتی۔ تو کیا معاشرہ ذمہ دار ہے کہ وہ اس سرمایہ کار کو اتنا ہی منافع دے جو اس کی توقع

تھی؟ہر گز نہیں، کیونکہ یہ انصاف نہیں۔اسلامی سرمایہ کاری کا یہی بنیادی اصول اسے سودی سرمایہ کاری سے الگ کرتا ہے۔

سود اور ربا

سودی نظام میں سرمایہ کار ہمیشہ منافع حاصل کرے گا، چاہے کاروبار چلے یا نہ چلے۔اس کا جواز یہ دیا جاتا ہے کہ سرمایہ کار اپنے مال کو خطرے میں ڈال رہا ہے اور اس کے بدلے اسے جو سود ملے گا وہ تجارتی منافع کی طرح ہی ہے۔

اس سرسری مشابہت سے اکثر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔قرآن کریم نے درج ذیل آیت میں اسی اعتراض کا ذکر کر کے اسے رد کیا۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَنُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَوا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ (۲:۲۷۵)

ترجمہ:''جو لوگ سود کھاتے ہیں،ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں،'تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے'، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔لہذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے، تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

قرآن پاک نے اپنی وسیع تر حکمت کی بنیاد پر پہلے اس بات کی تصدیق کی کہ وحی سے لاعلم لوگوں کو سود تجارت کی مانند نظر آتا ہے اور پھر فیصلہ کن انداز میں واضح کر دیا کہ سود تجارت سے مختلف ہے اور صرف تجارت حلال کی گئی ہے، سود نہیں۔

اس تفریق کی حکمت کو مختلف زاویوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

تجارت ہمیشہ دو مختلف مرحلوں پر مشتمل ہوتی ہے[1]۔اس میں دو مختلف لین دین کے معاملات ہوتے ہیں جو

---

1 Shaykh Umar Vadillo, Discourse on Sales Contracts. http://www.myspace.com/muamalat

آپس میں جڑے ہوئے نہیں ہوتے اور ان دونوں کی وساطت سے تاجر منافع کماتا ہے۔ مثلاً دکاندار جب کوئی شے بیچ کر نفع کماتا ہے تو ایک سودا اس نے تھوک کی خرید میں کیا اور دوسرا پرچون کی فروخت میں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، اور ان دونوں کو ملا کر اسے نفع ہوا۔ اس کے برعکس سود تجارت سے مختلف اس طرح ہے کہ اس میں ایک ہی سودا کیا جاتا ہے اور وہی منافع دے جاتا ہے۔ آپ نے مال قرض دیا اور اس ایک معاملے میں آپ کو منافع ہو گیا۔

چونکہ سود سے منافع کمانے میں مال کو کسی نقصان کا خطرہ نہیں اس لیے سرسری انداز میں لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں خطرہ شامل نہ ہو، وہ معاملہ سود کا ہے۔ یہ محض سود کی نشاندہی کا ایک طریقہ ہے اور کوئی شرط نہیں، کیونکہ بہت سے معاملات میں سود شامل نہیں اور خطرے کا بھی خاطر خواہ امکان نہیں۔

سود اور تجارت میں تفریق کی دوسری حکمت اس طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ تجارت میں معاشرے کو فائدہ پہنچ رہا ہوتا ہے، اس کے جی ڈی پی میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ مشارکت اور مضاربت سے آپ کو ملنے والا منافع اس فائدے کے بدلے ہے جو آپ نے معاشرے کو دیا۔ اس کے برعکس سود سے معاشرے کو کچھ نہیں ملا، محض پیسہ ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل کیا گیا جس سے سود خور منافع چاہتا ہے۔ جدید دور میں جہاں پیسے کی منتقلیکمپیوٹر کے ذریعے ہو جاتی ہے، وہاں یہ سودی تبادلے محض کمپیوٹر کی اسکرین پر روشن نمبروں کے کھیل کے مترادف ہیں اور ان نمبروں کی تبدیلی سے سود خور نفع چاہتا ہے۔

سود کے حامی کہیں گے کہ سودی سرمایہ کاری بھی مضاربت کی طرح معاشرے میں عملی طور پر اشیا اور خدمات کی تخلیق کا باعث بنتی ہے اور سود محض اس تبادلے کی جزا نہیں بلکہ اس تبادلے سے عمل میں آنے والے منصوبے کی منفعت ہے۔

یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سودی سرمایہ کاری میں دو مرحلے ہوتے ہیں، ایک سود کی فراہمی اور دوسرا سود پر ملنے والی رقم کا استعمال۔ اس رقم کے استعمال سے بے شک معاشرے کو منفعت حاصل ہو رہی ہوتی ہے جس کی جزا بھی حق بجانب ہے، مگر جزا اس منفعت کے ساتھ مشروط ہونی چاہیے اور یہی اسلامی سرمایہ کاری کا اصول ہے۔ سود میں سرمایہ کار اپنا حق معاشرے کو رقم سے ملنے والی منفعت کے ساتھ مشروط نہیں کرنا چاہتا اور یہی اس کی خامی ہے۔

اس کی عملی مثالیں بہت بھیانک اور بے رحم بھی ہیں، جیسے کاروبار کو دیوالیہ کروا دینا یا غریب لوگوں کو بے گھر کر دینا اور کچھ مثالیں بظاہر بے ضرر بلکہ کسی حد تک خوشگوار بھی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی عوام دوست منصوبے کا سودی سرمایہ کاری سے مکمل ہونا اور منافع سے سود کو چکا دینا۔ مگر سود کی ایسی تمام مثالیں جو بظاہر معاشرے کے لیے خوشگوار نظر آتی ہیں، وہ اس لیے کامیاب ہوتی ہیں کہ ان کے تجارتی عنصر کی منفعت سودی عنصر پر غالب آ جاتی ہے۔ ایسے منصوبے اگر اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں تو اور بھی زیادہ احسن طریقے سے سرانجام پائیں۔

یہ تاثر بھی غلط ہے کہ اگر سرمایہ کاروں کو سرمائے کی حفاظت کی گارنٹی نہ ملی تو وہ سرمایہ کاری نہیں کریں

گے۔ دراصل سرمایہ کار کو معاشرے میں سرمایہ کاری کرنے کے مواقعوں کی اس سے زیادہ ضرورت ہے جتنی تاجر یا صنعت کار کو سرمائے کی۔ سرمایہ کار کے پاس اگر بے خطر سودی منافع اور پر خطر مشارکہ کے درمیان انتخاب کرنا ہو تو شاید وہ سود کو چنے۔ لیکن اگر معاشرے میں سودی سرمایہ کاری کے مواقع ہی نہ ہوں تو وہ اپنا سرمایہ صندوق میں بند نہیں رکھے گا، کیونکہ ترقی کی خواہش انسان کی جبلت میں ہے۔ جب سود نہیں ہوگا تو یقیناً وہ مشارکہ اور مضاربہ پر سرمایہ کاری کرے گا۔ سود کی حرمت کبھی بھی سرمایہ کاری کو کم یا ختم نہیں ہونے دے گی بلکہ سودی منافع خوری کے بند ہونے سے منڈی میں زیادہ سرمایہ گردش کرنے لگے گا۔

نرخ اور فری مارکیٹ

ہم اپنی تمثیل کو اور آگے بڑھاتے ہیں۔ ماہی گیر ابھی موٹر والی کشتی کے لیے سرمایہ کار تلاش کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں گاؤں میں ایک سنار بھی آ گیا۔ اس نے سونے اور چاندی کے کنگن اور ہار بیچنے شروع کر دیے۔ گاؤں کی خواتین نے انھیں خوب پسند کیا اور ان کے شوہر اپنی دن بھر کی کمائی میں سے کچھ آمدن مختص کر کے یہ جیولری خریدنے لگے۔ اس مانگ کو دیکھ کر سنار نے ان کی قیمت بڑھا دی۔ اس کی دیکھا دیکھی باقی اشیا کی قیمتیں بھی بڑھ گئیں۔

اس پر لوگ بہت برہم ہوئے اور پنچایت بٹھا کر ضروری اشیا کی قیمتیں مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ مگر مولوی صاحب نے ایسا کرنے سے منع کر دیا کیونکہ ایسی ہی خواہش صحابہ کرام نے بھی کی تھی جس پر آنحضرت فرمایا تھا کہ قیمتیں مقرر کرنے کا حق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہے[2]۔

منڈی میں تاجروں کا اپنی مصنوعات اور خدمات کی من پسند قیمت لگانا ان کا فطری حق ہے جسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہاں اسلامی قوانین ایک حد تک فری مارکیٹ یا آزاد منڈی سے ملتے جلتے ہیں۔ معاشیات کا ایک اور اصول یہ کہتا ہے کہ منڈی اپنی سپلائی اور ڈیمانڈ کی تکرار کی وجہ سے خود ہی اشیا کی قیمتوں کو صحیح سطح پر لے آتی ہے اور اس میں کسی تیسرے کو قطعاً مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ دین نے حکومت کو یہ حق ضرور دیا ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی کو قانوناً جرم بنا کر اسے روک سکتی ہے اور جب ذخیرہ اندوزی کا عنصر نکل جائے تو پھر منڈی بہترین انداز سے اپنی مصنوعات کی قیمتیں متعین کر لیتی ہے۔

جب ماہی گیر کے بیٹے نے دیکھا کہ سنار کو زیادہ آمدن ہو رہی ہے تو اس نے باپ کا پیشہ چھوڑ کر زرگری کا کام سیکھ لیا۔ اور کاروبار چلانے کے لیے شروع میں اس نے قیمتیں سنار سے کم کر دیں۔ یوں سنار کا کاروبار بھی متاثر ہوا اور مقابلے میں اس نے بھی قیمتیں واپس گھٹا دیں۔ یوں آزاد منڈی نے اپنا کرشمہ دکھا کر اشیا کو ان کی فطری قیمتوں

Sahih Al-Bukhari Book 23, Number 3443 2

پر واپس پہنچادیا۔

ثمن خلقی

اسی اثنا میں لوگوں پر ایک اور حقیقت کا انکشاف ہوا کہ گندم کے مقابلے میں سونے کے کنگن منتقل کرنا زیادہ آسان ہیں اور ان کی مانگ گندم کی طرح عالمگیر ہے۔ اول اول کسی ایک تاجر نے کوئی سودا گندم کے بجائے سونے میں کرنے کی خواہش ظاہر کی جو گاہک نے قبول کر لی اور پھر یہ رجحان پھیلتا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر سنار نے گول کنگن کے بجائے مخصوص وزن کے سکے بنانے شروع کر دیے، اور آہستہ آہستہ سونے اور چاندی کے سکوں نے کرنسی کی حیثیت سے گندم کی جگہ لے لی۔

آزاد منڈی فطری طور پر زیادہ موزوں شے کو کرنسی کے درجے پر لے آتی ہے۔ یہ عمل کسی ایک دن بادشاہ حکم سے نہیں ہوتا بلکہ منڈی کے عمل سے عوام اسے اختیار کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ سکے ایک مخصوص نام اور وزن سے منسوب ہو گئے اور دینار کہلانے لگے۔ عوام کی سہولت کی خاطر معاشرے کے سربراہان نے دینار کا ایک وزن مختص کر دیا تاکہ ہر بار تجارت میں لوگوں کو انہیں تولنا نہ پڑے بلکہ گن کر تبادلہ کیا جا سکے۔ یوں سنار پر لازم ہو گیا کہ وہ جب دینار بنائے تو بحکم فوجداری ان کا وزن اتنا ہی رکھے جتنا معاشرے میں دینار کا وزن رائج ہے۔

زمانۂ قدیم سے ہر انسانی معاشرے میں کوئی نہ کوئی شے ایسی رہی ہے جو ہر دل عزیز ہونے کے باعث لین دین میں استعمال ہونے کے لیے مختص ہوتی رہی۔ پس پیغمبر اسلام کے دور میں کھجور اس کام آتی اور رومیوں کے دور میں نمک۔ مقامی امریکی جن کو ریڈ انڈین بھی کہا جاتا ہے ان کے ہاں ہرن کی کھال اس کام آتی رہی جس کی وجہ سے آج بھی امریکی ڈالروں کو اس ہرن کے نام پر بکس (Bucks) کہہ دیا جاتا ہے۔

مگر جو اشیا پوری انسانی تاریخ میں کم و بیش ہر معاشرے اور ہر تہذیب میں کرنسی کا کام سر انجام دیتی رہیں وہ سونا اور چاندی ہی ہیں۔ قیمتی دھاتوں میں درج ذیل ایسی خصوصیات ہیں جو انھیں کرنسی کے لیے بہت موزوں بناتی ہیں۔

۱۔ سونا گندم یا کھجور کی طرح وقت کے ساتھ ضائع نہیں ہوتا۔ نوبل میٹل (Noble Metal) ہونے کی وجہ سے اگر اسے سمندر میں ڈال کر ہزار سال بعد بھی نکالیں تو یہ جوں کا توں رہتا ہے۔

۲۔ ان کی جنس پوری دنیا میں ایک جیسی ہے، جب کہ کھجور کسی علاقے کی زیادہ اچھی ہوتی ہے، اور کسی کی کم۔

۳۔ ان کو آسانی سے توڑ کر مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، تاکہ ادائیگی کم یا زیادہ ہو سکے۔

۴۔ پوری دنیا میں ہر شخص ان کی قدر کرتا ہے پس ان کو دوسری چیزوں کے بدلے فروخت کرنا آسان ہے۔

۵۔ان کا وزن اتنا زیادہ نہیں۔ایک سونے کا سکہ منتقل کرنا گندم کی بوری کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان ہے۔

ان وجوہ اور سونے چاندی کی قدیم تاریخی اہمیت کی بناپر انہیں ثمن خلقی کہا جاتا ہے۔

البتہ ثمن خلقی ہونے کے باوجود یہ لازمی نہیں کہ اسے ضرور ہی کرنسی کے طور پر اپنایا جائے۔ کرنسی کا کام کوئی بھی ایسی چیز دے سکتی ہے جو عوام کو تجارت میں قبول ہو۔اسی لیے مدینہ طیبہ کی مملکت میں سونے اور چاندی کے ساتھ کھجور، نمک اور جَو کو کرنسی کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔ کرنسی کے آزادانہ انتخاب کی اجازت ہی وہ نقطہ ہے جس کی وجہ سے بعض علما کو یہ مغالطہ ہوا کہ وہ کاغذی کرنسی کو بھی جائز تسلیم کرلیں۔آگے چل کر ہم یہ دکھائیں گے کہ کرنسی کے آزادانہ انتخاب کی اجازت کے باوجود کاغذی کرنسی کیوں حرام اور باطل ہے۔

کاغذی کرنسی

ہماری تمثیل میں اب گاؤں میں سونے اور چاندی کے سکے کرنسی کے طور پر استعمال ہونے لگے۔لوگ سنار سے ڈلیاں لیتے اور ایک دوسرے سے کرنسی کے طور پر لین دین چکانے کے لیے استعمال کرتے۔ جن کے پاس زائد مال جمع ہو جاتا وہ اپنے گھروں میں سونا رکھنے کے بجائے سنار کے پاس رکھوانے لگے کیونکہ اس کے پاس مضبوط حفاظتی صندوق بھی تھے اور چوکیدار بھی۔لوگ اس کے پاس سونا رکھتے اور اپنی سونے کی ڈلیوں کی رسید لے جاتے۔

آہستہ آہستہ سنار نے لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ وہ سونا نکلوا کر اس سے تجارت کرنے کی بجائے، اس کو مادی طور پر سنار ہی کے پاس رہنے دیں اور اس کی رسیدیں تجارت میں استعمال کرلیں۔یوں سنار لوگوں کے سونے کا امین بن گیا اور سب کو ان کے حصے کے سونے کے بدلے اتنی قیمت کی رسیدیں جاری کرنے لگا۔

جدید دور کے بینکوں نے دراصل اسی طرح سناروں اور ساہوکاروں سے جنم لیا۔ سونے کے ذخائر بینک کے ریزروز (Reserves) کہلانے لگے اور رسیدیں بینک کے چیک اور نوٹ (Checks and Notes)۔

بینک

جب معاشرے نے مزید ترقی کی تو جو کام سنار ایک اضافی خدمت کے طور پر کرتا تھا اس کے لیے باقاعدہ ادارے بن گئے، جن کا نام بینک پڑ گیا۔ یہ بینک لوگوں سے سونا ڈیپازٹ کے طور پر لیتے اور ان کی ملکیت کے کھاتے کھول کر ان کا حساب رکھتے، جسے بینک اکاؤنٹ کہا جانے لگا۔اب بینک میں اگر ایک سو چاندی کی چھوٹی چھوٹی ڈلیاں ہوتیں تو وہ ہر ڈلی کے بدلے ایک ایک روپے کے نوٹ جاری کر دیتا اور یہ نوٹ لوگ کرنسی کے طور پر استعمال

کرتے۔

جب یہ نظام چل نکلا تو کچھ شاطر بینکاروں کو ایک ترکیب سُوجھی۔ انھوں نے اپنے تجربے سے یہ دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی وقت میں اپنے اثاثے لینے کبھی نہیں آتے۔ یعنی اگر ۱۰۰ چاندی کی ڈلیاں بینک میں موجود ہیں تو ان میں سے تقریباً ۸۰ ہمیشہ بینک ہی میں پڑی رہتی ہیں اور اس کے مالکان ان کے رسیدی نوٹوں سے ایک دوسرے کے ساتھ تجارت کرتے رہتے ہیں۔ معاشرے میں سب یہ سمجھتے ہیں کہ سو ڈلیاں بینک کے ذخائر میں موجود ہیں اور سو ہی نوٹ جاری کیے جا چکے ہیں۔

تو بینکاروں نے ایک انوکھی ترکیب سوچی کہ وہ ۵۰ روپے کے مزید نوٹ جاری کر کے اپنے استعمال میں لے آئیں جبکہ ان کے پیچھے کوئی ذخائر موجود نہ ہوں۔ یوں بینک میں جہاں ایک سو ڈلیاں ہیں وہاں ۱۵۰ ڈلیوں کی مالیت کے نوٹ جاری ہو گئے اور بینک کے پاس ۵۰ روپے زائد آ گئے کہ وہ ان سے تجارت کریں یا ان کو سودی قرض پر اٹھا دیں۔

یہ عمل جو چوری اور دھوکے سے کچھ کم نہیں، جدید بینکاری نے اسے قبول کروا کر ایک مہذب نام بھی دے دیا، جسے Fractional Reserve Banking کہتے ہیں، یعنی ایسی بینکاری جس میں بینک کے ذخائر میں جاری کردہ نوٹوں کی مالیت کا صرف ایک حصہ موجود ہو[3]۔

ظاہر ہے کہ اس سے بینکوں کو بہت فائدہ ہوتا اس لیے وہ کبھی کبھی اتنی خطرناک حد تک زائد نوٹ جاری کر دیتے کہ معمول سے تھوڑے سے زیادہ لوگ بھی اگر اپنے دھاتی ذخائر کا تقاضا کرنے آ جاتے تو بینک انہیں فراہم کرنے سے عاجز آ جاتا۔ یوں بات جاتی اور باقی لوگ بھی تقاضا کرتے اور بینک کو دیوالیہ کر دیتے۔ اس کو Run on the bank کہتے ہیں۔ د بات یہ ہے کہ جدیدا یزی میں دیوالیہ ہونے کے لیے Bankrupt کی اصطلاح بھی خاص بینکوں کے دیوالیہ ہونے کے تصور سے ہے۔

ل بینک

ر ر عوام بھی ہوشیار ہو گئے اور جب انہیں شک ہوتا کہ کوئی بینک اضافی کرنسی جاری کرنے کی وجہ سے دیوالیہ ہو سکتا ہے تو وہ حفاظت کے لیے اپنے ذخائر کا تقاضا کرنے چلے آتے۔ یہ عمل بینک کے دیوالیہ ہونے کو مزید بنا دیتا۔

بینکاروں نے اپنے بچاؤ کے لیے ایکا کر کے ایسے حالات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا شروع کر دیا تاکہ کرسی

---

3 Modern Money Mechanics: A workbook on Bank Reserves and Deposit Expansion. Federal Reserve Bank of Chicago

کھیل کی طرح یہ نظام رہے اور کسی کو نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے ل بینک کا ادارہ تخلیق کیا گیا۔ تمام بینکوں کے نمائندے مل کر اس کو چلاتے اور جب کوئی ایک بینک دیوالیہ ہونے لگتا تو تمام بینکوں کا یہ ا دی ادارہ اسے کچھ قرض دے دیتا، تاکہ وقتی طور پر تقاضا کرنے والوں کو ٹالا جا سکے۔ ساتھ ہی یہ ادارہ انفرادی بینکوں کے بد دیا کے اس عمل میں اس حد تک توازن پیدا کر دیتا کہ کوئی ایک بینک اپنی کی وجہ سے پورے نظام کو خطرے میں نہ ڈال سکے۔ اس کے لیے Reserve Ratio جیسے مہذب ناموں والے قواعد وضوا بنا دیے گئے جن کے پیچھے کوئی اخلاقی اقدار نہیں بلکہ محض نظام کی اور تی کارکردگی کی ضروریات کارفرما ہوتیں۔

ما ی پا

سونا اور چاندی نی ذخائر سے حاصل ہوتے ہیں اور انہیں خود تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا میں جتنا سونا موجود ہے اس میں زیادتی یا ممکن نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخ میں گروں نے اس امید پر اپنی عمر گزار دی کہ شاید وہ اور گند کو ملا کر سونا بنا لیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکیۃ ٹ (Alchemist) کہلانے والے ان لوگوں کو تخلیق کرنے کے امکان کا مغالطہ روحانیت سے رکھنے والے صا ن رمز کے ان ا روں سے ہوا جو وہ انسان کے # جیسے " کو پاک کر کے سونا بنانے سے دیا کرتے تھے۔ ! کہ $ ی کے معروف صوفی بزرگ میاں محمد صاحب نے % ہے کہ

ریت وجود ' ے وچ سونا & یں نظر نہ آوے
* ں دا(ھت پانی دھوویں ریت) رُڑھ جاوے

بہر حال یہاں جا + کی اہم بات یہ ہے کہ سونے اور چاندی کو جب کرنسی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو پیسے کے , ذخیرے میں اضافہ ممکن نہیں۔ سونا حاصل کرنے کے لیے آپ کو اسے کمانا پڑتا ہے، بنانا ممکن نہیں۔ مگر مال کو کمانے کی بجائے بنانے کا عمل جو بڑے بڑے گر نہیں کر سکے وہ بینکاروں نے آسانی سے کر لیا۔ کیونکہ سونے کی جگہ جب نوٹ استعمال ہوں گے تو . مشقت - چاہیں چھاپ لیں۔ جب بینکوں نے یوں ذخائر سے بڑھ کر اضافی نوٹ چھاپنا شروع کیے تو حکومت نے سوچا کہ ہم بھی کیوں نہ ایسا ہی کریں۔

یہاں ایک مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ بینک تو موجود ذخائر کی آڑ میں ایسا کرتے تھے، مگر حکومت کیسے کرے؟ سو حکومت نے اس کا ایک نیا طریقہ سوچا کہ یہ کام ل بینک ہی کو کرنے دے، مگر اس کے چھاپے ہوئے نوٹ قرض پر اپنے استعمال کے لیے حاصل کر لے۔ یہ ممکن بنانے کے لیے قرض کے بدلے حکو 0 بانڈ نام کی ایک د / ویز جاری کرنے کا 2 بنایا گیا۔ یہ بانڈ اپنے حامل کو یہ 1 نت دیتا ہے کہ بانڈ کی د / ویز جاری کرنے والا بانڈ پر لکھی اختتامی

Game of musical chairs where the chairs are always less than the players 4

تاریخ سے پہلے بانڈ کی مالیت جتنی رقم اسے لوٹائے گا۔ ایک طرح سے بانڈ مستقبل میں رقم کی ادائیگی کا ایک وعدہ ہے۔ حکومت یہ بانڈ سٹیٹ بینک کو دیتی ہے اور اس سے رقم قرض پر لے لیتی ہے۔ پھر جب وہ قرض چکانے کا وقت آتا ہے تو اسی طرح کے مزید بانڈ جاری کر کے مزید قرض لے لیتی ہے جس سے 3 قرض اتار دیتی ہے اور ایک نیا اور پہلے سے زیادہ قرض اپنے سر لے لیتی ہے۔ یوں حکومت دا 4 طور پر سٹیٹ بینک کی قرض دار رہتی ہے، اور 5 بنیادوں پر اپنے اوپر قرض بڑھاتے بڑھاتے اپنی ا 7 عت سے زیادہ خرچ کرتی 6 جاتی ہے۔

چونکہ یہ قرض حکومت کا ہوتا ہے اس لیے کوئی ایک فرد نہیں بلکہ پوری قوم اس کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ یوں قومی قرض کروڑوں اربوں روپوں میں پہنچ جاتا ہے یہاں تک کہ ہر پیدا ہونے والا : دودھ کا ایک 9 نٹ 8 بغیر لاکھوں روپے کا مقروض ہوتا ہے۔ ایک ایسے قرض کا مقروض جس کا سود اس کے مستقبل کی کمائی سے حکومتِ وقت زبردستی ادا کروائے گی۔

جدید دور کی معاشیات میں اس دھوکے کو بھی مہذب لفظوں میں ; کر اسے ما ی پا ، National Debt اور Deficit Financing جیسے نام دے دیے گئے ہیں۔

افراطِ زر اور مہنگائی

جب بینکار اور حکو > اس طرح مال کی تخلیق کرتے ہیں تو اسے افراطِ زر کہتے ہیں اور اس سے معاشرے پر ایک ہی اثر پڑتا ہے جو لفظ افراطِ زر کا مترادف بن چکا ہے، یعنی مہنگائی۔ اب ہم اپنی مثال سے اس عمل کے محرکات دیکھتے ہیں۔

فرض کریں کہ ہمارا ماہی گیر دن میں ۱۰ مچھلیاں پکڑتا ہے اور ہر روز دس لوگ ایک ایک روپے کی ایک مچھلی خرید لیتے ہیں۔ یوں ہر آدمی کے ایک روپے کی قوت خرید ایک مچھلی ہے۔

اب ایک حکو 0 اہلکار پانچ روپے کے = نوٹ چھاپ کر آتا ہے اور سویرے سویرے پانچ مچھلیاں خرید کر چلا جاتا ہے۔ بعد میں جب معمول کے خریدار ایک ایک روپیہ لے کر آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ صرف پانچ مچھلیاں موجود ہیں۔ خریداروں کی ? اد اور ان کے پاس < ی یعنی قوت خرید اتنی ہی ہے، مگر مچھلی کم ہو گئی، جس کی وجہ سے مچھلی اب @ ہو جائے گی اور دو روپے کی A شروع ہو جائے گی، کیونکہ معاشیات کا اصول ہے کہ جب مانگ بڑھ جائے تو پھر قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہ عمل آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ مثلاً = نوٹوں کے آنے سے جب روزانہ کچھ مچھلیاں ان کے عوض بک جاتیں تو گوالے کے لیے کم رہ جاتیں۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے گوالا زیادہ پیسے د B کو تیار ہو جاتا اور بڑھتی ہوئی مانگ دیکھ کر ماہی گیر بھی دام بڑھا دیتا۔ ایک شے کو خریدنے کے لیے اس کی اصل قیمت سے زیادہ مال موجود ہو تو اس کی قیمت فطری طور پر بڑھ جاتی ہے، کیونکہ وہ زائد مال اسے حاصل کرنے کے لیے مقابلے میں آ جاتا ہے۔ مثلاً امریکہ

میں نو گیارہ کے حادثے کے بعد جب F ون ملک پاکستاEں کا پیسہ پاکستان آیا توDٹ C ہو گئے کیونکہ زمین تو اتنی ہی رہی مگر زیادہ مال اسے حاصل کرنے کی دوڑ میں لگ گیا۔

حکومت کا یوں نوٹ چھاپ کر معاشرے سے اپنی ضروریات حاصل کر لینا دراصل ایک خفیہ G کی طرح ہے۔ میرے پاس اگر ۱۰۰ روپے ہیں اور ۵۰ روپے حکومت G میں لے لے، تو میں پہلے کی نسبت آدھی چیزیں خرید سکوں گا۔ مگر اسی طرح ایک دوسری H کا G یہ ہے کہ I خوش کرنے کے لیے میرے ہاتھ میں تو ۱۰۰ روپیہ ہی رہنے دیا جائے مگر اس ۱۰۰ روپے کی قدر یا قوتِ خرید اب صرف J س روپے جتنی رہ جائے۔

معاشرے میں کوئی چیز بھی K نہیں ملتی۔ ہر کوئی محنت سے مصنوعات اور خدمات تخلیق کرتا ہے اور پھر ان کی آپس میں تجارت کرتا ہے۔ تجارت کو آسان بنانے کے لیے مال استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر مال جب کاغذی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کاغذ کے نوٹ چھاپنے والے خود بخود نوٹ چھاپ کر دوسروں کی محنت سے بنی چیزیں خرید لیتے ہیں، یعنی ان = نوٹوں کے بدلے L لیتے ہیں اور عوام اپنی محنت سے بنی اشیا دے کر کاغذ کے نوٹوں کے ماM بن جاتے ہیں۔ وہ نوٹ جو مقدار میں پہلے سے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں اور یوں نوٹوں کے مالکان بظاہر زیادہ امیر مگر حقیقت میں غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی یہ غربت اس لیے نہیں کہ وہ محنت کش نہیں، بلکہ اس لیے ہے کہ ان کی محنت غیر محنت کش بینکار اڑا رہے ہیں، اور وہ محنت کش ہونے کے باوجود غریب کے غریب ہیں۔

یہ ایک سراسر غیر اخلاقی عمل ہے مگر جدید معاشیات کی پیچیدگیوں کی آڑ میں زور و شور سے چل رہا ہے۔ البتہ مغرب میں بھی ایک متبادل نقطۂ نظر تیزی سے ماہرینِ معاشیات میں Oل ہو رہا ہے جسے آسٹرŃ سکول آف اکنامکس (Austrian School of Economics) کہتے ہیں۔ ان کا نظریہ بھی سونے اور چاندی کو کرنسی کے طور پر Pل کرنے کی Qیت کرتا ہے[R]۔

نوٹ تخلیق کرنا اصولی طور پر ایک غیر منصفانہ عمل ہے جو مہنگائی کا باعث تو بنتا ہی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک اور لھناؤنے T کا بھی ذمہ دار ہے، جسے معاشیات میں کاروباری سا S (Business Cycle) کہتے ہیں حال ہی میں ۲۰۰۸ء کے عالمی اقتصادی Uان یا ریسیشن (Recession) کو بھی اس کاروباری سائV کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ آWاب اس پر نظر ڈالتے ہیں۔

For more information, visit the Ludwig Von Mises Institute at 5 www.mises.org

کاروباری سا S

ہم نے اپنی مثال میں دیکھا کہ اگر ماہی گیر کو زیادہ منافع کمانا ہے تو اسے زیادہ مچھلی پکڑنے کے لیے موٹر والی کشتی خریدنی پڑے گی۔ مگر کشتی خریدنے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں سوا سے اپنے کاروبار میں سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔

اصولی طور پر معاشرے میں دوسرے لوگوں نے جو پیسے بچا کر رکھے ہیں، ماہی گیر کو ان کے ساتھ مشارکت یا مضاربت کر Y چاہیے۔ مگر دوسرے لوگ اپنے مال کے بارے میں قدرے Xط ہوتے ہیں اور کاروبار میں چھان بین کر کے سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ یہ کاروباری دنیا میں توازن قائم کرنے کا ایک قدرتی طریقہ ہے جس سے صرف مثبت منصوبوں کی Z لت ہوتی ہے۔ یوں معیشت مصنوعی تیزی کی بجائے انتہائی ٹھوس بنیادوں پر ترقی کرتی ہے۔

اس کے برعکس جدید دور کے سیا] ان اور معاشیاتی منصوبہ ساز چاہتے ہیں کہ اپنی نوکری یا حکومت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے معاشرے میں راتوں رات ترقی ہونے کا احساس پیدا کر دیں چونکہ یہ لوگ بینکاری نظام کے ذریعے پیسہ خود تخلیق کرتے ہیں اس لیے مالِ K دلِ بے رحم کے مطابق انہیں اس پیسے کے ضائع ہونے کی بھی فکر نہیں ہوتی۔ لہٰذا بینک منصوبے کی صحت سے زیادہ سٹیٹ بینک کی سود کی شرح کے مطابق سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تھوڑی بہت چھان بین (Due Diligence) تو کی ہی جاتی ہے مگر بنیادی طور پر ان کی سرمایہ کاری قومی پا کے تحت ^ ہے، [\ ایک ہی منصوبے کو ایک کم شرح سود کے دور میں قرض مل جاتا ہے اور زیادہ شرح سود کے دور میں نہیں ملتا۔ آW دیکھیں کہ کاروباری دنیا میں یہ مصنوعی تیزی کس طرح کساد بازاری (Recession) کا باعث بنتی ہے۔

ماہی گیر اپنے ایک دولت ' پڑوسی کے پاس گیا کہ وہ لاکھ روپیہ دے کر _ ں خرید دیں اور منافع تقسیم کر لیں۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ مچھلی پکڑنے والی کشتی کی بجائے فر a کے کاروبار میں سرمایہ لگا رہے ہیں، کیونکہ دریا میں مچھلی c ب ہے اور b ں سے زیادہ منافع نہیں ہوگا۔ یہاں سے ناکامی کے بعد ماہی گیر جب بینک کے پاس آیا تو انہوں نے فوراً اپنے جادوئی نظام کے تحت لاکھ روپیہ تخلیق کیا اور قرض دے دیا۔

لکڑی والے کے پاس فوراً دولت ' پڑوسی کی طرف فر a کا اور ماہی گیر کی طرف b ں کا مطالبہ آ گیا۔ اب ذرا اوپر دی گئی بچت کی d e کو دوبارہ ذہن میں لائیں۔ ہم نے کہا تھا کہ میری بچت اس بات کی علمبردار ہے کہ معاشرے کی مصنوعات کے اوپر میرا کتنا حق ہے۔ یہ حق بجا طور پر دولت ' پڑوسی کے پاس ہے۔ مگر ان کا یہ حق، یعنی سرمایہ، صرف اتنا ہے کہ یا تو فر a بنوا f ہیں یا کشتی، مگر دونوں نہیں۔ جب بینک کا اضافی مال سا g آیا تو یوں لگا جیسے یہ معاشرہ کشتی اور فر a دونوں چیزیں حاصل کر سکتا ہے کیونکہ اتنی h رقم پیدا ہو گئی ہے۔

اس رقم نے لکڑی کے کام کی مانگ دو i کر دی۔ اسی طرح بینک نے = نوٹ چھاپ کر دیگر منصوبوں میں بھی سرمایہ کاری کی اور ان کو بھی اپنی جگہ لکڑی کی ضرورت پڑی۔ یہ دیکھ کر لکڑی والے نے اپنا کاروبار پھیلا لیا اور

زیادہ کاریگر رکھ لیے۔جب = کاریگروں کو نوکریاں j تو انہوں نے گاڑیاں اور کپڑے بھی خریدنے شروع کر دیے جس سے کپڑے کی دکا m n لگیں اور گاڑیوں کے ساتھ مزید آٹو سروس l بھی k گئے۔

الغرض جب زیادہ پیسہ لگا کر معاشرے میں کاروبار اور نوکریوں کے مصنوعی مواقع تخلیق کیے جاتے ہیں تو پوری معیشت میں ایک تیزی دیکھنے میں آ جاتی ہے۔کچھ عرصے کے لیے بظاہر خوشحالی کا سماں بندھ جاتا ہے اور اس کے اعداد وpرد کھاکر سیا] ان اپنی دکان o تے ہیں۔

معیشت میں اس پھیلاؤ کوا یزی میں بوم یا q (Boom or Bubble) کی صورت کہتے ہیں کیونکہ یہ sرے کی طرح ایک دم r نک پکڑ لیتی ہے۔جب یہ پھیلاؤ ختم ہوتا ہے تو sرہ پُللٹتا ہے جسے t. ٔ (Bust) کہتے ہیں۔

روایتی معیشت دان اس پھیلاؤ اور v اؤ کو ایک قدرتی اور ناگزیر عمل سمجھتے ہیں مگر آسٹرNٔ سکول سے منسلک ماہرین نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ بھی در حقیقت اس بینکاری نظام اور کرنسی کے بے جا اجرائی کی ایک سوغات ہے۔

دراصل پڑوسی کا اندازہ درست تھا کہ دریا میں مچھلی c ب ہے اور یہ سرمایہ کاری نفع نہیں دے گی۔ حکو > اور بینکاری نظام سیاسی تقاضوں کے تحت جب اقتصادی تیزی لانے کے لیے مصنوعی سرمایہ کاری کے مواقع تخلیق کرتے ہیں تو ان سے ایسے غلط y ہوتے ہیں جن کے xئج بعد میں ان کو اور عوام کو z پڑتے ہیں۔

ماہی گیر کو جب بینک سے لی گئی b ں کی رقم سود کے ساتھ لوٹانے کا وقت آیا تو اس نے دیکھا کہ مچھلی اتنی مقدار میں نہیں مل رہی کہ منافع ہو سکے اور قرض بھی لوٹایا جا سکے۔کچھ ہی عرصے میں وہ قرض لوٹانے سے عاجز آ گیا اور اس کا کاروبار دیوالیہ ہو گیا، کیونکہ پہلے جو منافع ہو رہا تھا اب وہ بھی b ں کے سود میں نکل جاتا۔اس کے دیوالیہ ہونے سے لکڑی والا جوا سے _ ں بنا کر دیتا اسے بھی اپنے زائد ملازمین کو نوکری سے نکالنا پڑا۔وہ ملازمین اپنی مستقبل کی متوقع آمدن کے بدلے جو گاڑیاں قرض پر لے چکے تھے، وہ بھی انہیں لوٹانی پڑیں، اور ان گاڑیوں کے سروس l بھی } رے میں پڑ گئے۔یوں پوری معیشت کساد بازاری کی شکار ہو گئی کیونکہ اس کا پھیلاؤ قدرتی نہیں تھا بلکہ پیسے کے مصنوعی اجرائی سے پیدا ہوا تھا۔

کاروباری سا S آج اقتصادیات کا ایک عالمگیر مسئلہ بنا ہوا ہے۔مغربی دنیا کے جدید ترین | ادارے اس پر کر رہے ہیں۔ترقی یا مماM کے اقتصادیات اس ~ کو حل کرنے میں لگے ہیں۔وال اسٹریٹ { کرو (Occupy Wallstreet) جیسی تحر چل رہی ہیں۔مگر یہ لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ اس ~ کی جڑ صرف یہ سودی نظام ہے جس کا حل پیغمبر آخرا ماں دو سادہ وں میں دے چکے ہیں کہ "خدا نے سود کو حرام کیا ہے اور تجارت کو حلال"۔

.Occupy Wallstreet. http://occupywallst.org as retrieved on Apr 2012 6

نتیجہ

اس پہلے باب میں ہم نے اجمالی طور پر کاغذی کرنسی کے ذریعے معاشرے میں ہونے والی ناانصافی کو بے نقاب کیا ہے۔ اس باب میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ہم سے پہلے بہت لوگ بہتر الفاظ میں کہہ چکے ہیں۔ مگر بہر طور اپنے مقصد کو کرنے کے لیے ہمیں یہ بنیادی نکات پیش کرنا تھے۔ اپنے قارئین کو ہمارا رہ ہے کہ جو کچھ ہم نے یہاں % ہے اس کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے آسٹرین سکول آف اکنامکس کے ماہرینِ معاشیات کی کا مطالعہ کریں۔ مزید یہ کہ امریکی رل ریزرو بینک (Federal Reserve Bank) ، امریکہ کے قومی } رے اور قرض کے بارے میں بہت سی مفید کتا لکھی جا ہیں۔

اس اجمالی تذکرے کے بعد آئندہ ابواب میں ہم مروجہ بینکاری نظام کو سود وربا کے اسلامی قوانین کے تنا میں دیکھیں گے اور پھر اصولوں کے تحت اس ا می T کی تصدیق کریں گے کہ ایسا نظام جو غریب لوگوں کا ا ل کرے، وہ قطعاً شریعت سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں آئندہ تین ابواب میں ہم باری باری قوانینِ ربا کی تفصیل اور کاغذی کرنسی و بینکاری نظام کا تنقیدی جائزہ بھی لیں گے۔ آخر میں ہم آپ کو اس نظام سے رو س کروائیں گے جو نہ صرف کریم کی سنت رکہ پر ہے اور اسلامی اقتصادی نظام کی Pلی کا واحد عملی طریقہ ہے۔ یعنی اسلامی طلائی دینار اور ئی در، مپ نظامِ معیشت۔

---

7 Edward Griffin. The Creature from Jekyll Island: A Second Look at the Federal Reserve. Amer Media 2010.

8 Bonnor and Wiggin. Empire of Debt: The Rise of an Epic Financial Crisis. Wiley 2005.

بابِ دوم

سود و رِبا کی تفصیل

اپنی پر س اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہا

سوداور رِبا کی تفصیل

اسلام میں رِبا کی ممانعت کی بناپر علمائے کرام نے ہمیشہ اس موضوع کو بہت اہمیت دی اوراس کی شرح میں بہت کر کے اور جا تصورات پیش کیے۔ مگر جدید اقتصادی نظام میں نت = مالیاتی صر کواس تیزی سے رو س کروایا گیا کہ علماان کا انفرادی ¢ یہ کر کے ان میں i رِبا کی پیچیدہ اشکال کو بروقت نمایاں نہ کر سکے۔ مغربی ماحول میں پرورش پانے والے ماہرینِ اقتصادیات نے تو یہاں تک £ شروع کر دیا کہ رِبا کی کوئی وسیع ا/ نی عالمگیر d e موجود ہی نہیں جوان تمام جدید مالیاتی تصورات کو پرکھنے کے کام آسکے¥۔

ہمارا دینار کو اپنانے کا پورا مقدمہ رِبا کی ممانعت پر ہے اس لیے ہمیں اس کی غیر متنازعہ اور جا d e پیش کرنا بہت ضروری ہے۔ اس باب میں ہم دلائل کے ساتھ مر f وار رِبا کی ایک d e مرتب کریں گے، جو کہ آئندہ ابواب میں کاغذی کرنسی کو پرکھنے کے لیے § ٹی کا کام دے گی۔

قرآنی آیات

سب سے پہلے رِبا کی ممانعت میں قرآن کی بہت سی آیات میں سے ایک کو دیکھتے ہیں۔

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں، ''تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے، تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔'''' سورۃ البقرۃ ۲۷۵ :

اس آیت ر کہ سے ہم کچھ اہم باتیں اخذ کر f ہیں۔ اول یہ کہ قرآن کے مطابق رِبا اور تجارت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کوئی بھی لین دین کا معاملہ یا تو سود پر ہو گا یا حلال تجارت یعنی " پر۔

9http://papers.ssrn.com/sol3/papers.cfm?abstract_id=1528770

دوم یہ کہ وہ معاملات جو تجارت کے زمرے میں آتے ہیں ان کا تجارتی پہلو ہمیشہ حلال رہے گا، تاہم وہ کسی اور وجہ سے حرام ہو f ہیں، مثلاً شراب کی تجارت حرام ہے مگر اس حرمت کا معاملے کے تجارتی ڈھا » سے نہیں بلکہ تجارت کی جانے والی شے سے ہے، جو کہ الگ معاملہ ہے۔ تجارت کا عمل بذاتِ خود حلال ہے کیونکہ قرآن نے اسے صر fiاً حلال کہا ہے۔

سوئم یہ کہ وہ معاملات جو رِبا کے زمرے میں آتے ہیں وہ ہمیشہ ہر شکل میں حرام ہیں۔ کیونکہ ربا اور تجارت ایک دوسرے کی ضد ہیں لہٰذا ربا کو سمجھنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے دور میں رِبا کا معروف مطلب دیکھا جائے اور پھر اس کا تجارت سے فرق کیا جائے تاکہ رِبا کی جوہری خصوصیات سا g آ جائیں۔

تجارت کی آسان d e

تجارت کا آسان ترین مطلب ہے مال کے بدلے مال یا fl ں کے بدلے مال کا تبادلہ۔ پیسے کے بدلے مال عام خرید و فروخت ہے، اور مال کے بدلے مال بارٹر (Barter)۔ یہاں جب ہم مال کا لفظ استعمال کر رہے ہیں تو یہ ٹھوس اجزا سے مرتب مال کے علاوہ غیر ٹھوس مال، مثلاً سا — و ° اور خدمات مثلاً حجامت کے تصورات کو بھی اپنے اندر † ئے ہوئے ہے۔ یہاں fl ں سے مراد کوئی بھی ایسی چیز ہے جس کو وہ معاشرہ سکہ رائج الوقت کے طور پر استعمال کرتا ہے، جیسے اپنی اپنی جگہ پر ڈالر، روپے، کھجور اور اسلامی دینار۔

ایک ایسی تجارت جہاں تبدیل کی ہوئی دونوں چیزیں فوراً ہی ملکیت تبدیل کر لیں، وہ ‡ تبادلہ کہلائے گا جسے ا یزی میں · ٹ ٹریڈ (Spot Trade) کہتے ہیں۔ جہاں تجارت کا µ پہلے کر لیا جائے اور تبادلہ اور ادائیگی مستقبل میں ہوں اسے ا یزی میں فارورڈ ٹریڈ (Forward Trade) کہتے ہیں۔ مثلاً درزی کو کپڑے دے کر دو „ بعد ادائیگی اور وصولی کرنا۔ اسلامی " , اور ا ¶ کے معاہدے اسی زمرے میں آتے ہیں۔

دو فریق آپس میں تجارت عام طور پر تب کرتے ہیں جب تجارت کی گئی چیزوں کی قدر ان کے نزدیک مختلف ہو۔ مثلاً اگر آپ دس روپے دے کر ریڑھی والے سے دو آم لیتے ہیں، تو اس لیے کہ اس وقت ریڑھی والے کو دس روپے دو آموں سے زیادہ عزیز ہیں، اور آپ کو دو آم دس روپے سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس تجارت سے دونوں کو وہ چیز مل گئی جس کی قدر ان کے لیے زیادہ تھی۔ تجارت ہمیشہ اسی مقصد سے کی جاتی ہے۔ کچھ لوگ اسے یوں بھی دیکھتے ہیں کہ تجارت میں دونوں فریق تبدیل کی جانے والی اشیا کو مساوی سمجھتے ہیں اور اسی لیے تجارت پر رضا ' ہو جاتے ہیں۔ « ری آف و " (Theory of Value) کی یہ مختلف آرا اپنی جگہ صحیح ہیں، البتہ ہمارے نزدیک یہ £ زیادہ درست ہے کہ تجارتی فریق ضرورت اور خواہش کے حوالے سے ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں، مگر قیمت کے حوالے سے انہیں مساوی تصور کرتے ہیں۔ اس لیے تجارت فریقین کے لیے ایک خوش آئند عمل ہے۔ اس کے برعکس پیسے کے بدلے پیسے کی تبدیلی نوٹ ... نے کے لیے تو کی جا سکتی ہے مگر کسی اور غرض سے کرنے کا

کوئی جواز نہیں بنتا۔اگر آپ کے پاس بھی دس روپے ہیں،اور میرے پاس بھی،تو میں اپنے دس روپے آپ کو دے کر آپ سے دس روپے کیوں لوں؟اس سے بڑھ کر بے وقوفی یہ ہو گی کہ میں اپنے دس روپے دے کر کسی سے پانچ روپے لے لوں۔ کسی ذی 00% انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے مگر اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ آج 3/4 کی تجارتی منڈیوں میں اس طرح کے معاملات بھی ہوتے ہیں۔فی الحال تجارت کی ایک سادہ سی d e مرتب کر f ہیں وہ یہ کہ مال کے عوض مال یا پیسے کے عوض مال کی تبدیلی کو تجارت کہتے ہیں،چاہے ادائیگی حال میں کی جائے یا مستقبل میں۔

واضح رہے کہ کسی تبادلے کو تجارت کی d e میں لانے کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس میں اشیا کا تبادلہ اپنی بازاری یا مارکیٹ قیمت پر ہو۔ تجارتی تبادلہ کس قیمت پر ہو رہا ہے،اس بات کی ئ نی چند دوسرے قواعد وضوا کرتے ہیں مگر اس کا ربا سے براہِ راست کوئی نہیں۔اگر کوئی زیادہ قیمت دھوکہ سے، À مارکیٹ (Black Market) سے یا دباؤ ڈال کر لے رہا ہے تو ` کے دوسرے قوانین اس پر لاگو ہوں گے اور یہ ایک فوجداری مسئلہ بھی بن جائے گا، مگر ^ نظر سے دیکھیں تو ´ اَ کیے گئے کسی بھی تبادلے کو تجارت ہی کہا جائے گا،اور صرف قیمتوں کے زائد ہونے کی وجہ سے اسے رِبا میں شامل نہیں کیا جا سکتا البتہ قیمت کا پہلے سے تعین ضروری ہے ورنہ ایسی تجارت غرر کے زمرے میں آجائے گی جس پر آگے چل کر بات کی جائے گی۔

رِبا کی آسان d e

اب ہم ربا کی سب سے بنیادی اور غیر متنازعہ d e دیکھتے ہیں تاکہ اس میں اور تجارت میں فرق کیا جاسکے۔

زمانہ جا ˜ میں ایک سودی قرض د B والا کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر قرض دیتا کہ اگر وہ اسے ایک مخصوص مدت کے اندر واپس نہ کر ˙ تو اصل رقم سود واپس کرنا ہو گی۔رِبا کا ˘ ¯ بھی زیادتی کا ہے،یعنی اصل رقم میں کچھ زائد ملانا یا اس میں زیادتی کرنا۔ایک مقروض کا اپنے قرض کو کسی بھی صورت اصل رقم سے زائد لوٹانا ¨ طور پر رِبا کی سب سے اولین،قدیم اور غیر متنازعہ d e ہے۔

مثال کے طور پر اگر زید نے حار É سے ۱۰۰ روپیہ قرض لیا اور ایک ماہ بعد ۱۲۰ روپیہ لوٹایا تو یہ رِبا ہے۔یہ ۱۲۰ کسی بھی فارمولے کے تحت حاصل کیا جا سکتا ہے،اور کیا فارمولا استعمال کیا گیا ہے،اس کا اس تبادلے کی ساخت کو سودی بنانے سے کوئی نہیں ہے۔یہ Ì ا ˚ ˛ (Simple Interest) ، ˝ ؤنڈ ا ˛ ˚ (Compound Interest) یا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، مگر جہاں واپس کی گئی رقم اصل سے زائد ہو گی، وہاں رِبا کا اطلاق ہو گا۔

<u>d e ا۔</u>رِبا کسی بھی قرض یا واجب الادا رقم کی ادائیگی کے وقت اصل سے زائد ادا کرنے کا نام ہے۔

تجارت اور رِبا میں فرق

' رجہ بالا تجارت اور رِبا کی e ینِ ں کو دیکھ کر ہم تین فرق بآسانی اخذ کر f ہیں۔

ا۔ہم جنس رقوم پر مشتمل: تجارت میں ہم نے دیکھا کہ ایک H کے مال کے بدلے دوسری H کا مال یا پیسے بدلائے جاتے ہیں اور اشیا کے مختلف ہونے کی وجہ سے فریقین کو اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے، یعنی وہ ایک شے کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ فائدہ مادی طور پر نہ بھی ہو تو ˇ تی طور پر دونوں فریق اس تجارت سے اپنی ضرورت یا خواہش پوری کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس رِبا میں کسی نے دس روپے دیے اور —— روپے واپس لیے مگر پورا تبادلہ ایک ہی جنس یعنی روپے میں ہوا۔

۲۔ انسیئہ: چونکہ دس روپے کے بدلے دس روپے بدلانے کا کوئی جواز نہیں بنتا اس لیے ربا میں ہمیشہ ' انسیئہ' شامل ہوتی ہے یعنی تاخیر یا وقتی میعاد۔ مقروض کو ایک مقرر وقت تک قرض کو سود کے ساتھ لوٹانا ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک تاخیر رِبا کی شرط نہیں مگر زمانہ جا ˜ میں رِبا اسی شکل میں رائج تھی سو اس مرحلے میں یہ عنصر بھی شامل کر لیتے ہیں۔

۳۔ غیر متوازن تبادلہ: تیسری چیز جو رِبا کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس میں قرض خواہ اور مقروض کے درمیان رÑں کے تبادلے کا مختلف مقداروں میں ہونا ہے۔ جب اجناس مختلف ہوں، یعنی اشیا کے بدلے رقم، تو نفع نقصان کا ˇ تی رہ جاتا ہے اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ فریقین خود فیصلہ کر لیں۔ مگر جب جنس ایک ہی ہو تو نقصان کا Óوا Ò اس شے کی مقدار سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ایک کو رقم کم ملے اور دوسرے کو زیادہ، تو اس نمایاں عدم توازن کی وجہ سے اس کی ممانعت فطری بن جاتی ہے۔ اس T پر تو رِبا کے حامی بھی Ô ہیں۔ مگر وہ اس غیر مساوی تبادلے کو تاخیر میں Öں فوائد کی بنا پر مفید گردا Õ ہیں جسے وہ Time Value of Money کہتے ہیں، یعنی 'مال کی فراہمی کا افادہ'۔ بد قسمتی سے کچھ ایسے × ن ماہرینِ اقتصادیات بھی پائے جاتے ہیں جو اسلامی نظام کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پائے اور غیر سودی نظام کو محض ایک Interest Free Economy سمجھ کر یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ اسلام مال کی فراہمی کے افادہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام دین فطرت ہے اور لوگوں سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ اپنے مال سے وقت کے ساتھ بھرپور فائدہ نہ اٹھائیں۔ اسلام مال کی فراہمی کے افادہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو سود سے نکال کر شراکت اور مضاربت جیسے مفید عمل میں ڈھالنا چاہتا ہے، جو مال کی فراہمی پر متناسب نفع پہنچاتا ہے۔ اس ضمن میں قارئین، جناب عمران احسن نیازی صاحب کی Ø ت سے اÙ دہ کر f ہیں۔

اب تک رِبا کے تین پہلو یہ Ú کہ اس میں ہم جنس اموال تبدیل ہوتے ہیں، وقتی معیاد یا تاخیر موجود ہوتی ہے اور تبادلہ غیر متوازن ہوتا ہے۔ آW اب ان تینوں پہلوؤں کی روشنی میں ربا کی ایک آسان سی d e مرتب کریں۔

۲ d e: رِبا میں ہم جنس رقوم کا تاخیر کے ساتھ غیر مساوی تبادلہ کیا جاتا ہے۔
یہ ربا کی اتنی بنیادی شکل ہے کہ کسی کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔

ربا: ا ؍ ° ، اور یوزری

رِبا کی ممانعت Ý Ü اور Ûدیت[1Þ] میں بھی کی گئی مگر مغربی سود خوروں نے چالا کی سے اس کے دو مختلف تصورات بنا دیے، ا ؍ ° (Interest) اور یوزری (Usury)۔ ان کے ßل ربا صرف یوزری ہے جو کہ بے جا ا ؍ ° کا نام ہے، جبکہ سادہ ا ؍ ° ایک جائز منافع ہے جو رقم کی فراہمی کا افادہ ہے۔ کچھ × ن علما بھی اس چالا کی کی زد میں آ گئے کہ افراط زر (Inflation) کی وجہ سے پیسے کی ادائیگی میں تاخیر کو مد نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ ا ؍ ° آج کے دور کی اقتصادی à ں کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ لوگ مغربی مماMکی طرح یوزری اور ا ؍ ° میں فرق کرنا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن و سنت اور آ â کی Æ fiت میں اس کا کوئی جواز نہیں ملتا۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں ایک ہی تصور ہیں اور ہم یوزری اور ا ؍ ° دونوں کو رِبا کے نام سے aریں گے۔

کچھ لوگ مغربی معاشی سوچ سے متاثر ہو کر پورے اخلاص سے یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں صرف ایک خاص H کے رِبا کی ممانعت ہے جسے وہ ربا äہلیہ کہتے ہیں۔ اس الجھاؤ کی وجہ جدید اقتصادیات کا یہ å وضہ ہے کہ ا ؍ ° کی ممانعت غیر منصفانہ ہو گی کیونکہ قرض د B والے کی قوتِ خرید وقت کے ساتھ کم ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا ا ؍ ° انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ حرام صرف وہ ربا ہو گا جس میں غر æں کا بے جا ل ہو رہا ہو اور شرحِ سود بہت زیادہ ہو۔ ان کے نزدیک اس انداز فکر کو قرآن پاک کی ایک آیتِ ر کہ سے بھی ç یت ملتی Ø س ہوتی ہے جس میں رِبا کی حرمت کے ساتھ اصل رقم کو دو Ŀ اور تین Ŀ کر د B کی ممانعت ہے۔ اس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ شائد دو i اور تین Ŀ کر د B والی شرحِ سود ہی حرام ہے اور کم شرح والا ا ؍ ° حرام نہیں۔

افراط زر اور اس کی وجہ سے رقم کی قوتِ خرید کا کم ہو جانا در اصل ایک مصنوعی عمل ہے۔ افراطِ زر بذات خود سود پر کاغذی کرنسی کے نظام کا ایک کرشمہ ہے[11] اور Œ اسلامی نظام میں افراط زر کا کوئی عنصر موجود نہیں۔ اس لحاظ سے کرنسی کی قوتِ خرید کم ہونا در اصل سود کو جائز قرار د B کا ایک دائرہ نما جواز ہے۔ سود ہی کی وجہ سے افراط زر جنم لیتا ہے اور پھر اسی افراط زر کا بہانہ بنا کر یہ سود کو ناگزیر قرار دینا چاہتے ہیں۔

قرآن پاک کی مذکورہ آیت یہ ہے۔

10Exodus 22:25-27; Deuteronomy 23:20; Jeremiah 15:10; Ezekiel 18:7-9, 13, 17.

11 See the Quantity Theory of Money

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو ï دو Ŀ چو Ŀ، بڑ o اور چڑ o سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ ï ح پاؤ گے۔" (۳:۱۳۰)

اس آیت کے سیاق و ï ق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد صرف اس سود کو حرام قرار دینا نہیں ہے جس میں رقم دو i اور تین i ہو جائے، بلکہ دراصل ربا میں Öں ناانصافی کو اجا گر کرنے کے لیے یہ مثال دی گئی ہے۔ با ï ض قرآن نے اس آیت کے تحت صرف دو Ŀ اور تین Ŀ کر د B والا سود ہی حرام کیا ہے، تو بھی اس صورت میں ہر شرحِ سود حرام ہو گی کیونکہ قرآن نے رقم دو Ŀ ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی شرط نہیں رکھی کہ یہ ð عرصے میں دو Ŀ ہو۔ پس ایک ۴۰ فی صد کا سود رقم کو ڈھائی سال میں دو Ŀ کر سکتا ہے جبکہ ۴ فی صد کا سود اٹھارہ سال میں۔ قرآن کی یہ ایک اور خوبصورتی ہے کہ اس کے ò ی ¯ بھی حاصلِ æم سے مطابقت رکھتے ہیں۔ [\ اس آیت کو جس طرح بھی دیکھیں، کم سے کم شرح سود بھی اس آیت کے ˘ ó ں پر پورا اترتے ہوئے حرام ہی قرار پائے گی۔

ربا اور وقتی میعاد یا تاخیر

عرب میں روایتی طور پر رِبا النسیئہ رائج تھی۔ اس کے برعکس احادیث ر کہ میں ایسے ربا کی بھی ممانعت آئی ہے جس میں وقتی میعاد شامل نہ ہو، یعنی حدیث کی رو سے ÔI ö کے ‡ تبادلہ (Spot Transactions) کو بھی ربا میں شامل کیا گیا ہے۔ اسے علما نے رِبا ا ł کہا ہے۔

درحقیقت ربا النسیئہ اور ربا ا ł ایک ہی چیز ہیں اور ان میں فرق صرف ظاہری ہے جس کی مثال پر و ø عمران نیازی صاحب[12] نے خوب دی ہے کہ قرآن نے صرف نماز پڑ œ کو کہا مگر نماز کا مکمل طریقہ کریم ﷺ نے اسی طرح قرآن نے ربا کی ممانعت کر دی اور اس کی مکمل تفصیل ß ر نے سمجھا دی۔ لہٰذا قرآن اور سنت کی d e رِبا میں باہم فرق کرنا درست نہیں، سوائے محض علمی و تاریخی بحث کے۔

ربا النسیئہ اور ربا ا ł کی ü نیت کو ایک اور طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کیجیے زید نے حار É کو ۱۰۰ روپے قرض دیا اور حار É نے ایک ماہ بعد ۱۲۰ روپے لوٹا دیے۔ یہ ¨ طور پر ربا ہے۔ دوسری صورت میں حار É ایک ماہ کی بجائے ایک „ بعد یا ایک دن بعد یہ رقم لوٹا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک ÿ یا پانچ þ یا پانچ ý بعد بھی یہ رقم لوٹا سکتا ہے۔

---

12 Imran Nyazee. Prohibition of Riba. Advanced Legal Studies Institute. www.nyazee.org

یہاں پہلی مثال تو بجا طور پر ربا کی ہے کیونکہ دو غیر متوازن رÑ ں کا تاخیر کے ساتھ تبادلہ ہو رہا ہے۔ آپ نے مان لیا کہ پہلی مثال ربا ’نسیئہ‘ کی ہے لیکن کس مقام پر پہنچ کر آپ کہیں گے کہ یہ ربا ’نسیئہ‘ نہیں رہی بلکہ ربا ا ﺍ بن گئی ہے، یعنی رÑ ں کا ایسا تبادلہ جو غیر متوازن تو ہو مگر اس میں تاخیر شامل نہ ہو؟ اوپر درج تمام معاملات بنیادی طور پر ü ں ہیں اور فرق صرف مدت کا ہے۔ اگر ایک رِبا ہے تو باقی سب بھی رِبا ہیں۔ اسی حکمت کے تحت پیغمبر نے رِبا ا ﺍ کی نشاندہی کی جس کے بارے میں صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم پہلے اس ربا ا ﺍ سے رو س نہ تھے۔

d e ۳: رِبا سے مراد ہم جنس رقوم کا غیر مساوی مقدار میں ‡ یا تاخیر کے ساتھ تبادلہ کرنا ہے۔

آپ سوچیں گے کہ کون ۱۰۰ روپے دے کر فوراً ہی ۱۲۰ روپے واپس کرے گا مگر آج ¾ رِبا اسی انداز میں کھلے عام لیا جا رہا ہے، جہاں ۱۰۰ روپے مالیت کی د / ویزات کو ۱۲۰ روپے مالیت کی د / ویزات سے بدلا لیا جاتا ہے۔ اس تبادلے میں نہ ہی تاخیر ہوتی اور نہ ہی رقم کی جنس مختلف ہوتی ہے البتہ اشکال مختلف ہوتی ہیں۔ ایسا تبادلہ رِبا کی طرح ہمیشہ ایک فریق کے لیے نقصان دہ ہو گا کیونکہ ان اشیا میں واحد فرق عددی طور پر ان کی مالیت کا ہو گا۔ ربا کی اس لطیف شکل کو عرب نہ سمجھ پائے تھے اس لیے پیغمبر نے خود اس کی نشاندہی ایک حدیث میں کر دی جہاں دو مختلف H کی کھجوروں کے ‡ تبادلے کی ممانعت فرما دی۔ کھجور عہدِ نبوی میں کرنسی کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور مختلف H کی کھجوریں ایک ہی جنس کی رقم کی مختلف ó ی صورتوں اور مالیاتی قدروں (Monetary Instruments & Derivatives) کی مانند تھیں۔ حدیثِ ر کہ کچھ یوں ہے۔

ابو سعید خدریؓ نے روایت کی کہ ایک دفعہ Óلؓ، ß ر کے سا g برنی کھجوریں لے کر آئے۔ ß ر نے دریافت کیا، یہ کہاں سے خریدی ہیں؟ Óلؓ نے جواب دیا کہ میرے پاس کچھ کم معیار کی کھجوریں تھیں، تو وہ میں نے بہتر معیار کی برنی کھجوروں کی آدھی مقدار سے بدلا لیں، تاکہ میں ß ر کو پیش کر سکوں۔ اس پر ß ر نے فرمایا کہ Óلؓ، ہوشیار، ہوشیار، یہی تو رِبا ہے، یہی تو رِبا ہے۔ ایسا مت کرو۔ اگر تمہیں بدلانی ہوں تو پہلے کم معیار کی کھجوریں بازار میں بیچو اور پھر جو پیسے j ان سے بہتر H کی کھجوریں خرید لو[13]۔

رقوم کا تبادلہ اور بارٹر

‘ رجہ بالا حدیث میں کھجور کو کھجور سے غیر مساوی طور پر تبدیل کرنے سے منع کیا گیا۔ اس کے برعکس بارٹر معاملات کی اجازت دی گئی مثلاً اونٹ کے بدلے اونٹ [1]۔ علما نے اس کی Æ تح اس طرح کی[1R] کہ کھجور اس

13 Sahih Al-Bukhari Volume 3, Book 37, Number 506

14 Al-Muwatta of Imam Malik. Book 31. Number 60.

15 Imran Hosein. Islam and the Future of Money.Masjid Jamiah San Fernando. 2007. www.imranhosein.org

معاشرے میں کرنسی کی حیثیت رکھتی تھی۔اونٹوں کا تبادلہ مال کے بدلے مال یعنی تجارت کا تھا، جبکہ کھجوروں کا تبادلہ پیسے کے بدلے پیسے کی مانند تھا۔ تجارتی مال میں قیمت کا تخمینہ انفرادی ترجیحات پر ہوتا ہے اور اونٹ کے بدلے اونٹ کے تبادلے میں آپ یہ نہیں کہہ f کہ کسے نفع ہوا اور کسے نقصان، کیونکہ دونوں ہی کو شاید اپنے مطلب کی چیز مل گئی۔ مگر پیسے کے بدلے پیسے کے تبادلے میں نفع نقصان کلی طور پر معروضی اور عددی ہوگا اور یہاں غیر مساوی تبادلہ لازماً غیر منصفانہ بھی ہوگا۔

اس لیے ہمیں ‡ تبادلے میں مال کے تبادلے اور رقم کے تبادلے میں تفریق کرنا پڑے گی۔ البتہ جب مال کے بدلے مال کے تبادلہ میں تاخیر شامل کر دی جائے تو یہ بھی ربا کی قدیم اور سادہ d e کے زمرے میں آ جائے گا۔ دس روپے دے کر ایک ماہ بعد پندرہ روپے لے لیے جائیں یا دس کلو آم دے کر ایک ماہ بعد پندرہ کلو آم واپس لیے جائیں، ہر صورت میں تاخیر کے ساتھ یہ غیر متوازن تبادلہ غیر منصفانہ ہوگا اور رِبا کی d e میں آئے گا۔ پس ہمیں اپنی d e میں بارٹر تبادلے اور کرنسی کے تبادلے کا بھی فرق کرنا ہوگا۔

d e ۴: رِبا سے مراد وہ صورت ہے جب ثمن کی حیثیت رکھنے والی اشیا ہم جنس مگر غیر مساوی مقدار میں ‡ یا تاخیر کے ساتھ تبدیل کی جائیں، یا ثمن کی حیثیت نہ رکھنے والی اشیا ہم جنس مگر غیر مساوی مقدار میں تاخیر سے تبدیل کی جائیں۔

یاد رہے کہ ثمن کی حیثیت نہ رکھنے والی اشیا اگر ہم جنس اور غیر مساوی مقدار میں ‡ تبدیل کی جائیں تو یہ ربا نہ ہوگا۔

ربا ا کی مزید تفصیل

رِبا کی اس d e h کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ ہم مال اور ثمن یا کرنسی میں امتیاز کریں کیونکہ دونوں کی بابت رِبا کے قواعد مختلف ہیں۔ کون سی اشیا ثمن کے زمرے میں آئیں گی اور کون سی مال کے، اس کے لیے ایک اور معروف حدیثِ ر کہ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

عبادۃ بن الصامتؓ سے روایت [1] ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک، ہم جنس، ہم وزن، ہاتھوں ہاتھ۔ لیکن اگر اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو بدلو تاوقتیکہ تبادلہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔''

اس حدیث ر کہ نے ربا ا کی بابت تین اہم باتوں کی وضاحت کر دی۔ اول یہ کہ کن اشیا پر اس کا اطلاق ہوگا۔ دوم یہ کہ ہم جنس اشیا کی مساوی حیثیت میں بھی تاخیر کے ساتھ تبادلے کی ممانعت فرمادی۔ اور تیسرے یہ

16 Sahih Muslim Volume 3 Number 3853

کہ غیر ہم جنس اشیا کے ‡ تبادلے کی اجازت دے دی۔اب ہم ان تینوں کا باری باری ₵ یہ کرتے ہیں۔

ثمن کی خت

عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث نے چھ مخصوص اشیا کو رقم یا ثمن کی حیثیت عطا کر دی سوان پر ربا ƚ کا اطلاق ہو گا، یعنی ان میں سے کسی ایک کا بھی ہم جنس تبادلہ غیر مساوی طور پر نہ تاخیر کے ساتھ ہو سکتا ہے اور نہ ‡ ۔البتہ یہ ظاہر ہے کہ حدیثِ ر کہ میں عہد نبوی میں استعمال ہونے والی اشیا کا ذکر ہے۔آج ¾ کھجور اور نمک کرنسی کی حیثیت کھو چکے ہیں، جبکہ نت h اشیا کرنسی کی شکل اختیار کر ہیں مثلاً کاغذی اور ڈیجیٹل کرنسی۔ اس تبدیلی کے پیش نظر آ â نے اس قاعدے کی علت دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس حدیث کا اطلاق صرف انہی چھ اشیا پر ہوتا ہے۔دیگر فقہا کے ہاں رِبا ƚ کی علت سونے اور چاندی کے لیے اس کا ثمن ہونا ہے جبکہ نمک، کھجور، گندم اور جو کے لیے ان کا کھانے پینے کی اشیا ہونا ہے۔پس وہ رِبا ƚ کا اطلاق ثمن کے علاوہ ہر کھانے پینے کی شے پر بھی کرتے ہیں۔اس کے بر عکس بعض دوسرے فقہا نے ان اشیا پر ربا ƚ کی علت کسی بھی ناپی یا تولی جانے والی شے سے لی ہے کیونکہ یہ چھ کی چھ چیزیں ناپی یا تولی جاتی ہیں۔ان کے ہاں بھی وہ چیزیں جو ناپ اور تول کر نہیں خریدی جاتیں، مثلاً اونٹ، ان پر ربا ƚ کا اطلاق نہیں ہو گا۔

دین کا حصہ ہونے کی وجہ سے فقہا کے نزدیک رِبا ƚ کی علت کا یہ معاملہ بجا طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ مگر جدید دور میں ان مختلف آرا کی عملی افادیت اس لیے بہت محدود ہو گئی ہے کیونکہ پورا معاشرہ صرف کاغذی کرنسی ہی استعمال کرتا ہے۔اس کتاب کو پڑ œ والے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے گندم، جو، کھجور یا دیگر کھانے پینے یا تولی جانے والی اشیا میں کوئی تجارت کی ہو گی۔تاہم اگر وہ 5 بنیادوں پر ایسا کرتے ہوں تو پھر ان اشیا کی حیثیت اس کے استعمال کرنے والوں کے ہاں ثمن کے طور پر لی جائے گی اور ان اشیا پر ثمن عرفی کی علت لاگو ہو جائے گی۔ پس ہمارے لیے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ رِبا ƚ کا اطلاق دینار، درہم اور ہر ثمنِ عرفی بشمول کاغذی کرنسی پر ہو گا۔

غیر ہم جنس اشیا کے ‡ تبادلے کی پابندی

عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث ہمارے لیے غیر ہم جنس رقوم کے ‡ تبادلے کے قوانین کی بھی Æ تح

کرتی ہے۔

ہم جاÕ ہیں کہ سو روپے کے بدلے ایک سو —— روپے نہیں بدلائے جا f کیونکہ یہ ربا ہے۔ مگر جب آپ سو روپے کو ایک برطانوی پاؤنڈ سے بدلانا چاہیں تو یہاں مقدار کا غیر مساوی ہونا جائز ہے، کیونکہ آزاد منڈی میں پاؤنڈ اور روپے کی قیمت مختلف ہے۔ منڈی میں موجود فریقین یہ فیصلہ کر f ہیں کہ وہ پاؤنڈ کو کیا قیمت دینا چاہتے ہیں۔ تاہم اس تبادلے میں اسلام نے یہ شرط لگادی ہے کہ یہ تبادلہ تاخیر کے ساتھ نہیں بلکہ ‡ ہوسکتا ہے جسے احادیث

رکہ میں یداً بید کہا گیا ہے۔ اس کے پیچھے موجود حکمت کو ایک مثال سے دیکھتے ہیں۔

فرض کریںً ایک سود خور چاہتا ہے کہ زید کو ۹۰ روپے دے اور ایک ماہ بعد ۱۰۰ روپے واپس لے لے۔ زید کو ۹۰ روپے تو چاہیے ہیں، مگر وہ سود نہیں دینا چاہتا۔ سود خور اسے کہتا ہے کہ سود ہم جنس اجزا میں زیادتی اور غیر توازن کی صورت میں ہوتا ہے۔ تم مجھ سے ۹۰ روپے لے لو، مگر ا ۱۰۰ روپے واپس کرنے کی بجائے دو امریکی ڈالر لوٹا دینا۔ ہم جاÕ ہیں کہ مختلف جنس کی رقوم کا تبادلہ غیر مساوی مقدار میں بھی جائز ہے، اور ۹۰ روپے کو ۲ ڈالر کے عوض بیچنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر اس میں تاخیر کے ساتھ ادائیگی کی اجازت سود کے لیے ایک چور دروازہ کھول دیتی ہے۔ اسی لیے پیغمبر نے کمال حکمت کے تحت غیر ہم جنس چیزوں کے تبادلے کی اجازت تو دے دی مگر اس

پابندی کے ساتھ کہ تبادلہ یداً بیدٍ یعنی فوری ہو۔

اس پابندی سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ ایک جائز تبادلے کی بھی ممانعت ہو گئی۔ مثلاً اگر پاؤنڈ واقعی ۱۰۰ روپے کا ہے تو پھر اس تبادلے کو ¶ جل یعنی تاخیر سے کرنے میں کیا حرج ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ مختلف اجناس کی رقوم کی ایک دوسرے کی نسبت قدر تبدیل ہو سکتی ہے۔ اگر آج ایک دینار —— درہم کا ہے اور میں کسی کو دینار قرض دے کر اس سے کہوں کہ تم ا —— درہم اگلے ماہ دے دینا۔ تو ہو سکتا ہے ایک ماہ کے اندر عالمی منڈی میں سونے اور چاندی کی باہمی قدر بدل جائے اور بعد میں دینار پندرہ درہم کا ہو جائے۔ مگر میرا معاہدہ رِبا کے زمرے میں اس لیے آئے گا کہ اب —— درہم لوٹانا ایک دینار سے زائد رقم لوٹانے کے مترادف ہے۔ یہ حدیثِ رکہ کی ایک اور حکمت ہے کہ ہمیں ایک ایسے معاملے کے بارے میں بھی ممانعت کر دی گئی جو بظاہر پوشیدہ تھا۔

ہم جنس ¶ جل تبادلے پر پابندی

تیسری اہم چیز جو ہم اس حدیث سے جان f ہیں، وہ ہے ہم جنس رقوم کے ¶ جل تبادلے کی ممانعت، کیونکہ حدیث میں نہ صرف سونے کے بدلے برابر وزن کا سونا بدلانے کا حکم ہے، بلکہ یہ تبادلہ ہاتھوں ہاتھ اور تاخیر کے بغیر کرنے کا بھی حکم ہے۔ عموماً لوگ ربا کی جس معروف شکل سے واقف ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی آپ کو دس دینار قرض دیتا ہے تو گیارہ واپس لیتا ہے۔ اس لیے لوگوں میں اسلامی بینکاری کا یہ تصور پایا جاتا ہے کہ وہ دس دینار قرض

دے گا تو دس ہی واپس لے گا۔ مگر دراصل ایسا کرنا اسلامی بینک کے لیے ممکن نہیں کیونکہ اسلام ایسے تبادلے میں بھی تاخیر کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کو یہ سن کر یقیناً حیرت ہوئی ہوگی۔ آWاس کی تفصیل اور حکمت سمجھتے ہیں۔

دراصل رِبا کے یہ قوانین لین دین کے معاملات پر لاگو ہوتے ہیں جو قرض کے معاملات سے مختلف ہیں۔ اسلام نے قرض د B کو ایک نیکی کہا ہے اور قرض د B والے کے لیے ثواب کا وعدہ کیا ہے کیونکہ اس نے کسی کو مشکل وقت میں قرض دیا۔ اسلام میں قرض کا تصور مغربی دنیا میں فنا ٔ نگ کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام میں فنا ٔ نگ کے لیے 'قراض' استعمال ہوتا ہے، جو مضاربہ کا دوسرا نام ہے، اور جس میں شرکت کا تصور بھی شامل ہے۔ پس قرض ایک انفرادی بھلائی ہے اور قراض کاروباری معاملہ۔ قرض کی اس غیر کاروباری حیثیت کی تصدیق قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن نے جہاں تجارتی معاملات میں واجب الادا رقم کا ذکر کیا ہے تو اسے قرض نہیں بلکہ 'دین الی اجل' کہا ہے (سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۲) اور قرض کا لفظ بالکل مختلف انداز میں استعمال کیا ہے ! کہ اسی سورۃ کی آیت ۲۴۵ میں فرمایا "کون ہے جو خدا کو قرضِ حسنہ دے۔" پس قرآن کے تحت کاروباری فنا ٔ نگ کا تصور قرض نہیں بلکہ '¶جل دین' ہے، یعنی تاخیر سے ادا کی جانے والی رقم۔ دوسری طرف اگر عقلی پہلو سے دیکھیں تو نفع کے بغیر کوئی کاروباری سطح پر دوسرے کو Óسود قرض کیوں دے گا کاروبار میں 'دین' کا معاملہ تو آ سکتا ہے مثلاً کوئی شے فروخت کی جائے اور ادائیگی ¶جل قرار پائے تو خریدنے والا قسطوں میں ادائیگی کرتا ہے۔ تاہم معاملہ رقم کے بدلے رقم کے تبادلے کا ہو تو پھر ایسے تبادلے کا کوئی جواز نہیں بنتا کہ میں کسی کو دس روپے دوں اور اگلے ماہ دس روپے واپس لے لوں۔ اس سے I کوئی نفع نہیں۔ اور اگر میں اس سے کاروباری سطح پر کوئی غیر مالی فائدہ اٹھا رہا ہوں تو احادیث میں اس کی بھی ممانعت ہے مثلاً قرض د B والے کا قرضدار سے تحفے وغیرہ قبول کرنے کی۔

پس معلوم ہوا کہ اسلام نے قرض د B کی اجازت دی ہے اور قرض کا عمل بظاہر دینار کے بدلے دینار کا تاخیر سے تبادلہ ہے۔ اس عمل کی روح مختلف ہے اور آ â نے اس کی اجازت دی ہے جس کی تصدیق صحابہ کرام کی سنت سے بھی ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک کام جو قرض د B کی شکل میں جائز ہے، وہ کاروباری معاملات میں کیوں منع ہے؟

بظاہر یہ ایک بے مقصد ممانعت نظر آتی ہے۔ اول کوئی ایسا کرے گا ہی نہیں کہ کاروبار میں کسی کو دینار دے اور پھر کچھ عرصہ بعد اتنے ہی دینار واپس لے لے، کیونکہ نیکی کی نیت کے بغیر ایسا کرنے میں ہمیشہ قرض د B والا اس مال کے کسی متبادل اور سود ' مصرف کی قربانی دے رہا ہوگا۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین [1] میں %ہے کہ یہ معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک درہم زمین پر گر جائے اور ہم اسے دوبارہ اٹھا لیں۔ سو اس تبادلے کا عملی طور پر کوئی مقصد نہیں۔

ہماری نظر میں اس ممانعت کی اہم حکمت یہ ہے کہ اس کے نہ ہونے سے رِبا کا ایک چور دروازہ کھلا رہ جاتا۔ یہ

---

17 Imam Ghazali. Ihya-al-Uloom V.4, P. 88-90, Cairo 1939

ممانعت صرف دینار کو دینار سے بدلانے کی نہیں بلکہ کسی بھی شکل کے ہم وزن سونے کو تاخیر سے بدلانے کی ہے۔ سونے کو مختلف اشکال د B میں محنت لگتی ہے، جس کی وجہ سے منڈی میں ان کی قیمت بھی مختلف ہوتی ہے۔ پس سونا اینٹ کی شکل میں سستا اور سکے کی شکل میں مہنگا ہوتا ہے کیونکہ سکے کو گول شکل د B اور نقش بنانے میں محنت لگتی ہے۔ جہاں ہنر یا محنت درکار ہو، وہاں کاریگر کی اجرت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک ہی شکل کے سونے میں بھی محنت کا فرق ہو سکتا ہے ! کہ سونے کی ایک کلو وزن کی ایک اینٹ، ایک ایک گرام کی ہزار اینٹوں سے سستی ہو گی۔ سونے کی ان مختلف ہم وزن شکلوں میں تاخیر کے ساتھ تبدیلی پر اگر پابندی نہ لگائی جاتی تو سود خور بخوشی ایک زیادہ وزن کی اینٹ قرض پر دیتے اور وصولی کے لیے چھوٹے وزن کی اینٹوں کی شرط لگا دیتے، جس سے انہیں ایسا منافع حاصل ہو جاتا جو براہ راست سود سے قطعاً مختلف نہ ہوتا۔

اسی نظریے کی تائید میں ایک حدیث ر کہ بھی موجود ہے جس کی وضاحت اس لیے بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ اس کے ˘ ¯ کی بنیاد پر رِبا ا ł پر اعتراض کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا 'النسیئہ (تاخیر) کے سوا کوئی رِبا نہیں'[1]۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ‡ تبادلے میں رِبا کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ حدیث کا سیاق و آق یہ ہے کہ ابو سعید خدریؓ دینار کو دینار کے عوض ‡ بدلانے کی توثیق کر رہے تھے۔ ان کے سا g کسی نے اعتراض کیا کہ یہ رِبا ہے، یعنی رِبا ا ł ۔ تو آپ نے جواب میں ' رجہ بالا حدیث سنائی، یعنی ہم وزن ہم جنس تبادلے میں تاخیر کی صورت میں ربا شامل ہو گا۔ پس رِبا ا ł کی باقی اشکال اپنی جگہ قائم رہیں گی جن میں النسیئہ کے بغیر بھی ربا کا اطلاق ہوتا ہے۔

عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث کے تحت اب ہم ربا کی اپنی d e میں مزید Æ تح کر لیتے ہیں۔

d e ۵: رِبا سے مراد ' رجہ ذیل میں سے کوئی ایک صورت ہے:

ا۔ ثمن کی حیثیت رکھنے والی ہم جنس اشیا غیر مساوی مقدار میں ‡ یا تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

ب۔ ثمن کی حیثیت رکھنے والی ہم جنس اشیا مساوی مقدار میں تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

پ۔ ثمن کی حیثیت رکھنے والی غیر ہم جنس اشیا کسی بھی مقدار میں تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

ت۔ ثمن کی حیثیت نہ رکھنے والی ہم جنس اشیا غیر مساوی مقدار میں تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

" الدین

'بیع الدین' عربی کا لفظ ہے۔ "کا ¯ ہے تجارت یا بیچنا، اور الدین سے مراد قرض ہے یعنی وہ رقم جو کسی نے آپ کو دینا ہے۔ ایک قرض جو آپ کو واجب الادا ہے، وہ آپ کسی اور کو بیچ دیں تو یہ بیع الدین کہلائے گا۔ رِبا کے ساتھ

18 Sahih Al-Bukhari Volume 3 Book 34 Number 386

اس کے کو بھی ایک عملی مثال سے سمجھتے ہیں۔

میرے دوست کو ۱۰۰ روپے چاہئیں تاکہ وہ بجلی کا بل ادا کر سکے۔ اس نے سود خور سے رقم مانگی۔ سود خور نے کہا کہ ۱۰۰ روپے لے لو، مگر آئندہ ماہ ا ۲۰ا روپے واپس چاہئیں۔ وہ چاہتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے اپنے ۱۰۰ روپے میں ایک ماہ میں ۲۰ روپے کا اضافہ کر لے۔ میرا دوست ربا کو حرام سمجھتا ہے سو اس نے انکار کر دیا۔ وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ۱۰۰ روپے O سود ادھار لے گیا۔ ہم نے یادداشت کے لیے ایک تحریر بنالی جس میں % تھا کہ 'زید، یکم اگست کو آصف کو ۱۰۰ روپے واپس دے گا۔' میں نے کہا کہ زندگی موت کا پتا نہیں، ہو سکتا ہے میں گزر جاؤں اور یہ تحریر میرے بیٹے کے پاس ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم گزر جاؤ اور تمہاری طرف سے کوئی اور قرض چکائے۔ پس، ہم نے تحریر بدل کر یہ لکھ دیا کہ 'زید کا بینک یکم اگست کے بعد اس کاغذ کے حامل کو ۱۰۰ روپے ادا کرے گا'۔ اس تحریر سے زید ہمارے درمیان ہونے والے اس وعدے کا پابند ہو گیا۔ ایسی تحریر کوا یزی زبان میں بانڈ (Bond) کہتے ہیں۔ یوں زید نے ا رقم لوٹانے کا ایک بانڈ دے دیا۔ یہ غیر سودی بانڈ شرعی اعتبار سے بالکل حلال ہے۔

اچانک اگست سے پہلے ا ۹۰ روپے کی ضرورت پڑ گئی۔ میں نے زید سے کہا کہ اگر بھلائی کر کے جلد رقم لوٹا دو تو میرا کام بن جائے۔ مگر اس نے معذرت کر لی کہ فی الحال اس کے پاس لوٹانے کے لیے رقم موجود نہیں۔ مجبوراً میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی شے، مثلاً اپنا پریشر ککر ۹۰ روپے میں بیچ دوں اور اپنا کام چلا لوں، جبکہ نیا پریشر ککر ۱۱۰ روپے کا ملتا ہے۔

یہ دیکھ کر سود خور نے ا ایک مکارانہ پیشکش کی جو جدید دور کے فنا نگ کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس نے کہا کہ تمہارے دین میں سود حرام ہے مگر تجارت یا" تو حلال ہے۔ اگر تم اپنا پریشر ککر نقصان پر بیچنے کے لیے تیار ہی ہو، تو ایسا کرو کہ مجھ سے تجارت کر لو۔ اپنا پریشر ککر ۹۰ روپے میں بیچنے کی بجائے زید کا دیا ہوا بانڈ ا ۹۰ روپے میں فروخت کر دو۔

دوسرے لفظوں میں اس کی یہ چالاکی سود کو خرید و فروخت اور " کے خول میں ڈھالنے کے مترادف ہے۔ زید کا دیا ہوا بانڈ یکم اگست کو ۱۰۰ روپے کی وصولی کی گارنٹی ہے جو ایک ٹھوس اور مقرر قیمت رکھتا ہے۔ وہ بانڈ اپنے حامل کو ۱۰۰ روپے کی مالیت بہم پہنچانے کا ذریعہ ہے، جسے ما ی انسٹرومینٹ (Monetary Instrument) کہتے ہیں۔ یہ بانڈ بذات خود سو روپے کی رقم کے مترادف ہے۔ اگر میں یہ بانڈ کسی اور کو دے دوں گا مثلاً سود خور کو، تو پھر میں اس بانڈ کے ذریعے یکم اگست کو اسے ۱۰۰ روپے دلوانے کا انتظام کر رہا ہوں گا۔ کسی کو ۱۰۰ روپے خود د B یا گارنٹی شدہ بانڈ کے ذریعے دلوانے میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ اگر سود خور سے ۹۰ روپے لے کر اسے ۱۰۰ روپیہ واپس دینا سود ہے، تو پھر اس سے ۹۰ روپے لیکر ۱۰۰ روپے کا بانڈ دینا بھی سود ہے۔ مگر یہاں سود کو بظاہر " کی شکل میں ; نے کی کوشش کی جا رہی ہے جو محض ایک نظر کا دھوکا ہے۔

یہ بانڈ دراصل Money Substitute یا Monetary Derivative کی بہت سی قسموں میں سے ایک ہے، اور ان کی تجارت بھی رِبا کے زمرے میں آتی ہے۔

البتہ I یہ اجازت ہے کہ میں اپنا سو روپے کا بانڈ سو روپے کے عوض ہی بیچ دوں۔ قیمت برابر ہونے کی وجہ سے یہ تجارت نہیں بلکہ منتقلی ہو گی جو کہ جائز ہے۔ ہم نے کھجور والی مثال میں دیکھا کہ جب تبادلے میں رÑاں کی شرح مختلف ہو، تب وہ سود ہے، مگر ایک جیسی رقم بدلائی جاسکتی ہے۔Óسود نجی قرض میں رقمیں برابر ہوتی ہیں اس لیے وہ جائز ہے۔ما ی ڈیریویٹو بھی کیونکہ ایک رقم کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان کا تبادلہ کسی اور رقم سے اسی وقت جائز ہے جب ان کی مقدار برابر ہو۔

پس ہم اپنی بنائی گئی ربا کی d e میں اس جز کا مزید اضافہ کر لیتے ہیں۔

رِبا سے مراد وہ صورت بھی ہے جب واجب الادا رقم کو کم یا زائد قیمت پر فروخت کر دیا جائے۔

اسلامی اقتصادی نظام سے کم واقفیت رکھنے والوں نے شاید بیع الدین کے بارے میں نہ سنا ہو، مگر اسکی ممانعت تمام علمائے کرام ¨ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق اسلامی بینکاری کے ممتاز عالم جناب تقی عثمانی صاحب کی ایک تصنیف سے بھی ہوتی ہے۔ کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے، جو ا یزی سے اردو میں ترجمہ کیے گئے ہیں[1¥]۔

مفتی صاحب اپنی کتاب Introduction to Islamic Finance کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں ''اسلامی فنانس کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی فنا ٰ نگ، ٹھوس اثاثوں (Assets) پر ہوتی ہے۔ مروجہ سرمایہ دارانہ نظام میں بینک اور مالیاتی ادارے اپنا لین دین محض پیسے اور اس پیسے کی علمبردار کاغذی د / ویزات میں کرتے ہیں۔ مگر اسلام صرف پیسے کے بدلے پیسے کو تجارت کا جائز رکن نہیں سمجھتا سوائے کچھ مخصوص حالات کے جن میں اس کی رخصت ہے۔ پس، اسلام میں fl ں کی ان د / ویزات کو آپس میں بدلا کر منافع کمانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ پیسے یا پیسے کی دیگر کاغذی د / ویزات کا آپس میں تجارت کر کے منافع کمانا سود ہے اور اس کی اسلام میں ممانعت ہے''۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۱-۱۵۰ پر لکھتے ہیں ''یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا بیع الدین شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ دین کا مطلب ہے قرض اور " کا مطلب ہے بیچنا یا تجارت پس " الدین سے مراد قرض کو آگے خریدنا اور بیچنا یا اس کی تجارت کرنا ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے سے کوئی قرض وصول کرنا ہے اور وہ اس قرض کی وصولی کے حق کو رعایتی نرخوں پر بیچ دیتا ہے، ! کہ بینکاری نظام کے ایک جز Bill of Exchange میں ہوتا ہے، تو شرع میں اسے بیع الدین کہیں گے۔ اسلامی تاریخ میں تمام معتبر فقہا اس نکتے پر Ô رہے ہیں کہ " الدین اسلام میں حرام اور ناجائز ہے۔ موجودہ دور کے علمائے ` کی بھاری اکثریت بھی اسی نظریے کی قائل ہے۔ البتہ ملائیشیا کے چند علما نے اسے جائز قرار دیا ہے جو شافعی ` کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں جس میں بیع الدین کی

19 M. Taqi Usmani. Introduction to Islamic Finance. www.muftitaqiusmani.com

اجازت دی گئی ہے۔ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ شافعی ` نے اس کی اجازت قرض کو اس کی اصل قیمت پر فروخت کرنے پر دی ہے، نہ کہ رعایتی نرخوں پر۔

در حقیقت بیع الدین کی حرمت سود یا رِبا کی حرمت کا ایک منطقی نتیجہ یا اس کی ایک مخصوص شکل ہے۔ ایک قرض جس کی وصولی رقم کی صورت میں ہونی ہو، اسے ایک طرح سے اتنی ہی رقم کا متبادل کہا جا سکتا ہے اور ربا کی ممانعت کا اصول ہے کہ جب بھی رقم کا تبادلہ ہو تو اپنی اصل قیمت پر ہو۔ رقم کے بدلے رقم کے تبادلے میں کسی H کی زیادتی یا رِبا ہے اور شریعت کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتی''۔

بیع الدین کا مسئلہ کاغذی کرنسی کے لیے بہت اہم ہے اور جب آئندہ ابواب میں ہم کاغذی کرنسی کے خلاف مقدمہ پیش کریں گے تو بیع الدین کے اس قانون سے بھی اÙ دہ کریں گے۔

غرر اور رِبا

اسلام میں رِبا کے علاوہ '' المعدوم، غرر اور قمار کی بھی ممانعت ہے۔ غرر بینکاری نظام میں بہت گہرائی تک ملوÉ ہے۔ اس لیے اب غرر اور اس سے ملتے جلتے ایک اصول '' المعدوم کا جائزہ لیتے ہیں۔ دراصل غرر کی ممانعت بھی '' الدین کی طرح رِبا کی ممانعت کا منطقی نتیجہ ہے۔

d e کے اعتبار سے غرر کسی بھی معاملے میں غیر یا احتمال کو کہتے ہیں، اور معاملے میں ایسی مشکوک صفات جن کا فریقین کو مکمل علم نہ ہو، وہ معاملے کو غرر شدہ بنا دیتی ہیں۔

احادیث رکہ میں غرر کی سب سے مشہور مثال ابو سعید خدریؓ کی سنن ابن ماجہ میں روایت [2Þ] ہے جس میں پیغمبر نے جننے سے پہلے ماں کے پیٹ میں موجود جانور کے بچے، دوہنے سے پہلے جانور کے پیٹ میں موجود دودھ اور جنگ کے اختتام سے پہلے متوقع مالِ غنیمت، کی تجارت کی ممانعت فرمائی ہے۔ یہاں غرر کا عنصر یہ ہے کہ ان معاملات میں فریقین کو تبادلے میں دونوں اطراف کے اجزا کا علم نہیں ہے۔ پیٹ میں موجود بچے کو اگر ۱۰۰ روپے کا بیچا جائے تو ایک طرف کا تجارتی دھڑا سو روپے پر ہے، مگر دوسری طرف کیا ہے، یہ علم نہیں۔ جانور زندہ پیدا ہوگا یا مردہ، تندرست ہوگا یا نہیں، اور اس کی مناسب قیمت سو روپیہ ہوگی یا نہیں، ہم نہیں جاÕ ۔ یہ وہ غیر امور ہیں جن کی وجہ سے اس تجارت میں فریقین کے ساتھ انصاف ہونا بہت مشکل ہے، سو اس سے منع کیا گیا ہے۔ مالِ غنیمت کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔

پس غرر کی نشاندہی کرنے کے لیے ہم ایک اہم قاعدہ بناf ہیں کہ اس میں دونوں تجارتی دھڑوں میں سے

20 MA El-Gamal.An Economic Explication of the Prohibition of Gharar in Classical Islamic Jurisprudence. Islamic Economic Studies, 2001

کم از کم ایک کی نسبت غیر کیفیت ہوتی ہے۔

روایتی طور پر غرر کو رِبا سے الگ اپنے مخصوص زمرے میں جانا اور سمجھا گیا ہے، تاہم ان دونوں میں بہت گہرا ہے۔ ہمارے نزدیک غرر اور " العدوم کی ممانعت ربا کی ممانعت کی تکمیل کا ایک اہم جز ہے۔ اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ایک سادہ سے سودی معاملے کو لیجیے۔ زید نے حارÉ کو ۱۰۰ روپے دیے اور ایک ماہ بعد وہ اسے ۱۲۰ روپے لوٹاتا ہے۔ اگر غرر کی ممانعت نہ ہوتی تو یہ سودی عمل بہت آسانی سے جائز کیا جا سکتا تھا۔ وہ اس طرح کہ زید اور حارÉ سودی معاملہ کرنے کی بجائے غرر والا معاہدہ کر لیتے۔ مثلاً زید حارÉ کو ۱۰۰ روپے دے گا، اور حارÉ زید کو ایک نامعلوم رقم واپس کرے گا، جس کا تعین صورت حال کے تحت بعد میں کیا جائے گا۔ اس طرح معاملے کے ایک حصے کو غیر بنا کر اسے رِبا کے بجائے غرر کی صورت دے دی گئی۔ اگر غرر جائز ہوتا تو ایسا معاملہ بھی جائز ہو جاتا اور اگلے ماہ زید یہ تعین کرتا کہ حارÉ I ۱۲۰ روپے واپس دے۔ یوں سودی عمل غرر کے خول میں جائز ہو جاتا۔ پس غرر کی ممانعت بھی سود کی ممانعت ہی کا ایک حصہ سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ سود تجارت میں زیادتی ہے اور تجارتی معاملے میں غیر اور لاعلمی اس زیادتی کا راستہ کھول دیتی ہے۔

اس بات کی تصدیق امام ماM کی مؤطا میں درج ایک حدیث[21] سے ہوتی ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

"یحییٰ نے ماM سے روایت کی، انھوں نے سنا کہ مروان بن حکم کے عہد میں لوگوں کو الجر کی منڈی سے حاصل ہونے والے مال کی رسیدیں یا سکوک جاری کیے گئے۔ قبل اس کے کہ لوگ منڈی سے مال اپنے قبضے میں لیتے، انہوں نے ان رسیدوں کا لین دین اور تجارت شروع کر دی۔ ایک صحابی زید بن ثابتؓ نے جب یہ دیکھا تو وہ مروان بن حکم کے پاس گئے اور کہا کہ مروان، کیا تم رِبا کو حلال کر رہے ہو؟ مروان نے جواب دیا میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، کیا معاملہ ہے جو آپ یہ کہہ رہے ہیں؟ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ میری مراد ان رسیدوں سے ہے جن کی خرید و فروخت، سامان کے حصول (اور قیمت کے تعین) سے پہلے کی جا رہی ہے۔ اس پر مروان نے سرکاری اہلکار روانہ کیے اور سب فروخت شدہ رسیدیں لوگوں سے لے کر اپنے اپنے مالکان کو واپس لوٹا دیں"۔

یہ حدیثِ ر کہ ہمیشہ ربا کی بابت نقل کی جاتی ہے اور یہاں ممانعت کی بنیادی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ کوئی بھی مال اپنے قبضے میں لینے سے پہلے فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ غور سے دیکھا جائے تو یہاں غرر ہی کو ربا کی وجہ بنایا جا رہا ہے، کیونکہ جو رسیدیں یا سکوک بک رہے تھے، ان کی اصل قیمت کی بابت مکمل معلومات نہیں تھیں۔ { نہ ہونے کی وجہ سے بیچی جانے والی اشیا کی جنس، حالت اور صحت کی لاعلمی ہی غرر کا بنیادی عنصر تھا۔ جب سامان پہنچ جاتا اور پرکھ لیا جاتا تو اس کی قیمت کا اندازہ لگا کر اسے بیچا جا سکتا تھا۔ اس وقت رسید کو بیچنا سامان کو بیچنے کے مترادف اور جائز ہوتا۔ مگر سامان کے حصول، نوعیت اور مقدار کا تعین کیے بغیر اس کی فروخت کو صحابیِ رسول نے رِبا سے تعبیر

21 Muwatta Imam Malik. Book 31, Number 31.19.44

کیا۔

کچھ لوگوں کے نزدیک اس حدیث میں ممانعت کا پہلو سامان کی مقدار اور کیفیت کا غیر ہونا نہیں بلکہ صرف سامان کا قبضے میں لیے بغیر بیچا جانا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں صورتیں ایک ہی پہلو کو پیش کرنے کے مختلف انداز ہیں۔ { اس لیے ضروری ہے کہ قبضے سے پہلے آپ مال کی اصل حیثیت کا تعین نہیں کر f -مال کے قبضے کے علاوہ دیگر صورتوں میں بھی یہ غیر برقرار رہ سکتی ہے، اس لیے اب ہم اس = پہلو کے مدنظر اپنی رِبا کی d e میں مزید اضافہ کر f ہیں۔

É -رِبا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تبادلے میں کم از کم ایک شے کی حیثیت نامعلوم یا غیر ہو۔

" ا لعدوم

غرر میں موجود غیر کی ایک مخصوص شکل کو " ا لعدوم کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی جب تجارتی اشیا میں سے کسی ایک کے بارے میں مکمل معلومات نہ ہونے کی اصل وجہ اس شے کا سرے سے عدم وجود ہو، تو اسے " ا لعدوم کہتے ہیں۔ لفظ وم سے مراد ہے کسی چیز کا وجود نہ رکھنا اور " ا لعدوم وجود نہ رکھنے والی چیزوں کی تجارت ہے۔

اسلام ایک حقیقت پسند دین ہے اس لیے اس نے معاشرے کے تجارتی تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دو مخصوص مواقع پر وم اشیا کی تجارت کی اجازت دی ہے۔ ان میں سے ایک ہے بیعِ سلم یعنی کاشتکاروں کا اپنی کھیتی کی فصل تیار ہونے سے پہلے فروخت کرنا اور دوسرا ہے بیع الاستثناء جس میں آپ کوئی چیز بنواتے ہیں تو اس کی تیاری سے پہلے قیمت ادا کر دیتے ہیں مثلاً درزی کو کپڑا سلنے سے پہلے ادائیگی کرنا۔ ان دونوں کی مخصوص شرائط ہیں اور ان کے علاوہ باقی تمام معاملات " ا لعدوم کے زمرے میں آتے ہیں۔

ہم نے اوپر جناب تقی عثمانی صاحب کی کتاب سے اقتباس میں دیکھا کہ انھوں نے ملائیشیا کے علما کی مثال دی جنھوں نے بیع الدین کے معاملے میں قدرے آزادانہ روش اختیار کی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں کیونکہ ملائیشیا کے علما اکثر جدت پسند روش کے قائل ہیں اور اسی وجہ سے ملائیشیا مروجہ اسلامی بینکاری کا مرکز مانا جاتا ہے۔ اس لیے ہم " ا لعدوم کی ممانعت کو ملائیشیا کے حکو O اداروں کی طرف سے شائع شدہ اسلامی قوانین کے حوالے سے پیش کریں گے تاکہ اس معاملے کی ممانعت میں کوئی شک نہ رہے اور آزادانہ روش رکھنے والے علما کی طرف سے بھی اس ممانعت کی تصدیق ہو جائے۔

پس ملائیشیا کی سکیوریٹیز کمیشن کی شریعہ ایڈوائزری کونسل اپنی اکتوبر ۲۰۰۳ کی اشاعت میں لکھتی ہے کہ حنفی اور شافعی ` میں " ا لعدوم کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور اس ممانعت کی علت جا + کی کوشش میں انہوں نے درج

ذیل فتویٰ دیا ہے[22] جس کاا یزی سے ترجمہ پیش ہے۔

''ا۔ قرآن وسنت اور صحابہ کسی نے بھی '' الْعدوم کو بذاتِ خود ممنوع قرار نہیں دیا۔ تاہم ایک حدیث میں کچھ ایسی اشیا کی تجارت ممنوع قرار دی گئی ہے جن کا وجود ہی نہ ہو۔ یہ ممانعت ایسی اشیا پر بھی لگائی گئی جو کہ وجود رکھتی ہوں مگر تجارت کی جگہ پر موجود نہ ہوں۔ اس سے یہ پتہ ہے کہ اس ممانعت کی اصل وجہ ایسی تجارت میں موجود غرر کا عنصر ہے۔ غرر سے یہاں مراد بیچی جانے والی اشیا کو مہیا کرنے کی ناقابلیت ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اشیا موجود ہیں یا نہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک غلام یا 9 ڑا بھاگ گیا ہے تو اس کو بیچا نہیں جاسکتا۔ یہاں بھاگے ہوئے 9 ڑے کا وجود تو ہے، مگر بیچنے والے کے اختیار میں نہیں کہ وہ اسے بیچ کر خریدار کو دے سکے۔ تجارت کے معاہدے کو پورا کر f· کی ا 7 عت کا نہ ہونا یہاں غرر کے مترادف ہے جو کہ ممنوع ہے۔

۲۔ کچھ ایسی مخصوص حالتوں میں '' الْعدوم کو بھی جائز سمجھا جاسکتا ہے جن میں غرر کا عنصر نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایسا پھل اور اناج بیچا جاسکتا ہے جس کے اگنے کا قوی امکان موجود ہو۔ اس کی اجازت ß ر نے بھی دی ہے۔ حالانکہ یہ اس لحاظ سے '' الْعدوم ہے کہ بیچنے والا ابھی ان پھلوں اور اناج کا ماM نہیں بنا اور اسے ان کے اگنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ تب بھی، یہ تجارت جائز ہے اور اسلام میں '' السلَّمْا • اور اجارہ کے معاہدے اسی طرز کے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ '' الْعدوم کے معاہدے کو حرام کرنے کی علت اس میں Öں غرر ہے، نہ کہ ان اشیاء کا موجود نہ ہونا۔ یہاں غرر تب ہو گا جب بیچنے والا اپنے تجارت کے معاہدے کو پورا کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو۔''

اس بحث سے ہم چند اہم xئج نکال f· ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ معاملات میں غرر کی موجودگی رِبا کی طرح ممنوع ہے اور غرر کی ایک معروف شکل یہ ہے کہ معاملات میں یہ امر غیر ہو کہ معاہدہ کرنے والی جماعت اپنے کیے گئے وعدے کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں۔ تجارتی فریق کا یہ صلاحیت نہ رکھنے کا حتمی اور ناقابلِ تردید اصول جو آ â نے اپنایا ہے وہ اشیا کا وم ہونا ہے۔ جبکہ اس کا ایک اور ذیلی اصول اس شے کی موجودگی کے باجوود تجارتی فریق کا اس پر دسترس کا نہ ہونا ہے۔

'' الْعدوم کا رِبا سے

اسلام میں سود کی ممانعت معروف ہے، اس لیے عام لوگ بھی اس سے واقف ہیں مگر '' الْعدوم کے تصور سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ جس طرح غرر کا دروازہ بند کیے بغیر رِبا کی ممانعت پر عمل نہیں ہو سکتا، اسی طرح '' الْعدوم بھی رِبا کی ممانعت کا ایک اہم جز ہے۔

22http://www.mifc.com/index.php?ch=menu_know_ftw&pg=menu_know_ftw_reso&ac=500&mode=view&pId=447 as retrieved on Jan 2012.

مثلاً زید حار É سے ۱۰۰ روپیہ پانچ ماہ کے لیے قرض لیتا ہے۔Ó سود قرض کے تحت زید کو ۲۰ روپے ماہانہ قسط میں ادا کرنے چاہئیں۔ حار É کی نیت یہ ہے کہ سود لے، اور ہر ماہ ۲۵ روپے کی قسط لے کر پانچ ماہ میں ۱۲۵ روپے واپس لے لے، یعنی ۲۵ روپے اضافی سود۔ شریعت میں رِبا کی ممانعت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی، لیکن " الِعدوم کی اجازت اسے ممکن بنا سکتی تھی۔

حار É زید سے کہتا کہ میں تمھیں ۱۲۵ روپے قرض دوں گا، اور Ó سود ۱۲۵ ہی واپس لوں گا۔ یوں معاملے سے سود نکل گیا اور ظاہری طور پر معاملہ Ó سود ہو گیا۔ مگر " الِعدوم کے تحت، حار É جو ۱۲۵ روپے زید کو دے رہا ہے، اس میں سے ۱۰۰ موجود ہیں اور سکہ رائج الوقت میں حار É کو دیے جائیں گے اور ۲۵ وم۔ وہ ۱۰۰ روپے کا لایک زید کو دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک تحریر لکھ کر تھما دیتا ہے کہ "اس تحریر کے حامل کو آج سے تین سو سال بعد ۲۵ روپے ادا کیے جائیں گے"۔ یہ تحریر دراصل ایک وم رقم کی علمبردار ہے جو کہنے کو ۲۵ روپے کے برابر ہے۔ اب اکاؤنٹنگ کے کھاتوں کے لحاظ سے حار É نے زید کو ۱۲۵ روپے مالیت کا قرض دے دیا اور اس کے بدلے وہ ہر ماہ ۲۵ روپے کی قسط لیتا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ Ó سود ہے کیونکہ قرض ۱۲۵ روپے ہی تھا۔

اس عمل کی مزید کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً وہ کہے کہ میں ۱۰۰ روپے قرض دے رہا ہوں اور ۲۵ روپے کی ایک کرسی تمھیں بیچ رہا ہوں جس کی ادائیگی پانچ ماہ کے لیے موجل ہے۔ یاد رہے کہ ادائیگی کا قسطوں پر موجل کرنا اسلام میں جائز ہے جبکہ قسطوں میں دیر ہونے پر کوئی سود نہ بڑھایا جائے۔ ظاہری طور پر سب ٹھیک لگ رہا ہے، سوائے اس کے کہ کرسی موجود ہی نہیں، مگر اس کی قیمت وصول کی جا رہی ہے تاکہ اضافی رقم سود کی بجائے کرسی کی قیمت کے زمرے میں آجائے۔ یہی موقع ہے جہاں " الِعدوم کے اصول کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ یہ چور دروازہ بھی بند ہو اور ایسی کوئی کرسی نہ بیچی جا سکے جس کا وجود ہی نہ ہو، یا اگر ہو بھی تو بیچنے والے کی ملکیت میں نہ ہو مثلاً آپ ہمسائے کی کرسی بیچ ڈالیں۔

" الِعدوم اور غرر کو روایتی طور پر ربا سے الگ تصورات کی حیثیت سے جانا گیا ہے۔ تاہم اس کتاب کی حد تک ہم رِبا کی جو d e بنا رہے ہیں، اسے اگر رِبا کی d e کے بجائے غیر شرعی معاملات کی d e کہہ دیا جائے تو اس میں " الِعدوم کو یوں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ج۔ رِبا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تجارت میں وم اشیا کا تبادلہ کیا جائے جو تجارتی فریق کی دسترس میں نہ ہوں۔

قارئین سے گزارش ہے کہ " الِعدوم کے اس معاملے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کیونکہ آگے چل کر بینکاری نظام میں موجود فریکشنل ریزرو (Fractional Reserve) کے خلاف مقد میں اسی اصول سے ا Ù دہ کیا جائے گا۔

رِبا کی d e

اب ہم ان تمام نکات کو یکجا کر کے رِبا کی ایک وسیع تر d e یوں پیش کرتے ہیں کہ رِبا سے مراد ' رجہ ذیل میں سے کوئی ایک صورت ہے:

ا۔ ثمن کی حیثیت رکھنے والی ہم جنس اشیا غیر مساوی مقدار میں ‡ یا تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

۲۔ ثمن کی حیثیت رکھنے والی ہم جنس اشیا مساوی مقدار میں تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

۳۔ ثمن کی حیثیت رکھنے والی غیر ہم جنس اشیا کسی بھی مقدار میں تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

۴۔ ثمن کی حیثیت نہ رکھنے والی ہم جنس اشیا غیر مساوی مقدار میں تاخیر کے ساتھ بدلائی جائیں۔

۵۔ رِبا سے مراد وہ صورت بھی ہے جب واجب الادا رقم کو کم یا زائد قیمت پر فروخت کر دیا جائے۔

۶۔ رِبا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تبادلے میں کم از کم ایک شے کی حیثیت نامعلوم یا غیر ہو۔

۷۔ رِبا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تجارت میں وم اشیا کا تبادلہ کیا جائے جو تجارتی فریقین کی دسترس میں نہ ہوں۔

علما کی توثیق

آخر میں ہم سپریم کورٹ آف پاکستان کے رِبا سے متعلق دسمبر ۱۹۹۹ء کے تاریخی y کا حوالہ دیں گے، جس میں حکومت وقت کو ملک کے بینکاری نظام سے رِبا ختم کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس y میں علما کی مشاورت اور انتہائی غور و فکر کے بعد قانونی سطح پر رِبا کی ایک d e مرتب کی گئی تھی، جس کے تینوں نکات کا ا یزی سے ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں[23]۔

پہلا نکتہ: ایک رقم کے بدلے رقم کا تبادلہ جس میں دونوں رقمیں ہم جنس ہوں مگر مقدار میں متوازن نہ ہوں، چاہے تبادلہ تاخیر کے ساتھ ہو یا ہاتھوں ہاتھ [2]۔

سپریم کورٹ کا یہ پہلا نکتہ ہماری d e کے جز 'الف' میں شامل ہے۔

دوسرا نکتہ: دو وزن کی جانے والی یا ناپی جانے والی اجناس کا بارٹر تبادلہ جہاں بدلائی جانے والی اشیاء کی مقدار

23Supreme Court of Pakistan judgment given on 23 December, 1999 on various petitions including Civil Shariat Appeals No. 1 of 1992 to 23 of 1992.

24 A transaction of money for money of the same denomination where the quality on both sides is not equal, either in spot transaction or in a transaction based on deferred payment.

میں فرق ہو یا جہاں تبادلہ کی کسی ایک طرف میں تاخیر شامل ہو[2R]۔

یہ دوسرا نکتہ ہماری d e کے جز 'ب'، 'پ'، اور 'ت' میں شامل ہے، جہاں ہم نے ناپی جانے والی یا تولی جانے والی اشیا کی جگہ ثمن کی حیثیت رکھنے والی اشیا کا لفظ استعمال کیا ہے۔

تیسرا نکتہ: دو وزن کی جانے والی یا ناپی جانے والی مختلف اجناس کا بارٹر تبادلہ جہاں بدلائی جانے والی اشیا میں کسی ایک طرف میں تاخیر شامل ہو [2]۔

سپریم کورٹ کا یہ نکتہ بھی ہماری d e کے جز 'ٹ' میں شامل ہے۔

نتیجہ

اس باب میں ہم نے رِبا، غرر اور "العدوم کو انتہائی عام فہم انداز میں ان کے عملی پہلوؤں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگلے ابواب میں ہم مروجہ کاغذی کرنسیاور اس کی تخلیق کے اسرار و رموز پیش کریں گے۔ اور اسی طرح کرنسی نظام اور اس سے جڑواں بینکاری نظام کو رِبا کی مرتب کردہ اس d e ، خصوصاً "العدوم اور " الدین کے آئینے میں دیکھیں گے۔

---

25 A barter transaction between two weighable or measurable commodities of the same kind, where the quantity on both sides is not equal, or where the delivery from any one side is deferred.

26 A barter transaction between two different weighable or measurable commodities where delivery from one side is deferred.

باب سوئم

کاغذی اور حقیکر نسی

مجلس   ہو   یاپرویز کادربارہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

کرنسی اور بینکاری کا

جدید بینکاری نظام میں کرنسی بینکوں کے ذریعے تخلیق کی جاتی ہے۔ جب ہم دس روپے کا نوٹ کہتے ہیں تو یہاں نوٹ ایک بینکاری اصطلاح ہے جو کہ ا یزی لفظ پرامیسری نوٹ (Promissory Note) سے نکلا ہے۔ جب کرنسی سونے پر ہوتی تھی تو بینک لوگوں کا سونا اپنے پاس حفاظت کے لیے رکھ لیتے اور صارف کو ایک نوٹ جاری کر دیتے جس کے تحت اسے حق ہوتا کہ وہ اس نوٹ کو پیش کر کے اس کے برابر سونا نکلوا سکتا ہے۔ بینک وعدہ کرتا کہ اس نوٹ کے بدلے وہ مقررہ مقدار میں سونا لوٹائے گا۔ وعدہ کو ا یزی میں پرامس (Promise) کہتے ہیں۔ چلتے چلتے یہی نوٹ ملکی سطح پر کرنسی کے طور پر استعمال ہونے لگے۔ کرنسی اور بینکاری کا اتنا گہرا ہے کہ آپ بینکاری پر کوئی بھی کتاب اٹھائیں تو اس کے موضوعات میں، بلکہ اکثر اوقات عنوان میں بھی، 'منی' (Money) اور 'بینکنگ' (Banking) دونوں شانہ بشانہ شامل ہوتے ہیں۔ پاکستانی روپیہ بینک دولتِ پاکستان جاری کرتا ہے، جو خود بھی ایک طرح کا بینک ہی ہے۔ اس لیے کرنسی کے نظام کو سمجھنے کے لیے ہمیں پہلے بینکاری نظام پر نظر ڈالنی پڑے گی۔

بینکاری نظام کی ابتدا

ہم نے پہلے باب میں بتایا تھا کہ کرنسی کوئی بھی ایسی شے ہو سکتی ہے جو معاشرہ لین دین کے لیے استعمال کرنا شروع کر دے اور یہ بھی کہ دنیا کی تاریخ میں اکثر سونے اور چاندی کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

ابتدا میں لوگ سونے اور چاندی کو گھروں میں رکھتے تھے، مگر ر ر ایسے ادارے بنتے گئے جن کو سونے اور چاندی کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا۔ بینکوں کا اصل مقصد یہی خدمت سرانجام دینا تھا، جو حد سے تجاوز کر کے فریکشنل ریزرو (Fractional Reserve) کی طرف نکل گئے۔ البتہ حفاظتی لاکر (Safe Deposit

Lockers) آج بھی اس خدمت کا جائز اور حلال طریقہ ہیں۔

اسلامی نظام میں ہم جو ادارہ اس خدمت کے لیے بنائیں گے، اس کا نام 'وکالہ' یا 'وعدیہ' ہو گا۔ یہ نیا نام اس لیے دیا جا رہا ہے کہ بینک ایک مال کی حفاظت کرنے والے ادارے کے طور پر کم اور سودی سرمایہ کاری کرنے والے ادارے کے طور پر زیادہ معروف ہے۔ حلال سرمایہ کاری اور مال کی حفاظت و ترسیل دو اتنے مختلف کام ہیں کہ ان کے لیے دو مختلف ادارے بنانا ایک قدرتی انتخاب ہے۔

اثاثوں کو مرکزی اداروں میں محفوظ کرنے سے نہ صرف ان کی حفاظت کی ضرورت پوری ہونے لگی بلکہ ترسیل اور ادائیگیوں کے لیے منتقلی میں بھی معاونت ملنے لگی۔ اب سونے کے سکوں کو ہر شخص خود اٹھا کر منتقل کرنے کے بجائے انھیں محفوظ مقام پر رکھ کر ادائیگیوں کے لیے ان کی ملکیتی د / ویزات تجارت میں استعمال کر لیتا۔ آج 3/4 ہم بینک کے جو چیک استعمال کرتے ہیں، یہ لفظ چیک × نوں ہی نے ایجاد کیا جو سکوک کے صیغہ واحد یعنی سک سے نکلا ہے [2]۔ سکوک اپنی اصلی شکل میں جائز تھے، یعنی جمع کردہ مال کی ملکیتی د / ویزات۔ مگر آج 3/4 کے بینک چیک ایک ملکیتی نہیں بلکہ وعدیہ د / ویز ہے جو ایک حلال شے کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

بینکاری نظام میں ذخائر کی ملکیتی د / ویزات کو ان کی نوعیت کے لحاظ سے الگ ناموں سے جانا جاتا ہے۔ ان کی سب سے بنیادی شکل چیک ہے۔ یہ بینک کی طرف سے جاری ایک د / ویز ہوتی ہے جو ہمیشہ کسی مخصوص شخص کے نام ہوتی ہے، اور وہی اس چیک کے مترادف ذخائر کا ماM ٹھہرتا ہے۔ اس کے برعکس نوٹ یا پرامیسری نوٹ ایک ایسی کھلی د / ویز ہوتی ہے جس پر کسی کا نام نہیں ہوتا۔ اس میں ذخائر کی ملکیت نوٹ پر لکھے ماM کے نام سے نہیں بلکہ نوٹ کی اپنی ملکیت، یعنی اس کے 'حامل ہذا' سے قائم ہوتی ہے۔ نوٹ جس کے ہاتھ میں ہو وہی ذخائر کا ماM بن جاتا ہے۔ ایک تیسری H کی د / ویز کو بل یا بل آف ایکس چینج (Bill of Exchange) کہتے ہیں۔ چیک کے برعکس، یہ بینک کی طرف سے جاری نہیں ہوتا بلکہ ایک تجارتی فریق دوسرے کو ادائیگی کے لیے جاری کرتا ہے اور اس کی شرائط وضوا اس تجارتی عمل میں معاونت کرتی ہیں۔

کاغذی کرنسی

ر ر معاشرے میں بینک نوٹ ہی تجارت کے لیے استعمال ہونے لگے، کیونکہ ان کا استعمال سونے اور چاندی کے استعمال سے زیادہ آسان اور محفوظ تھا۔ نوٹ کاغذ کے Ú ہوتے ہیں، اس لیے جب کرنسی کے طور پر استعمال ہوں تو اسے کاغذی کرنسی (Paper Currency) کہتے ہیں۔ کاغذی کرنسی اس حد تک جائز ہے جب تک اس کے پیچھے سونے اور چاندی کے ذخائر موجود ہوں، البتہ اس صورت حال میں بھی اس کو لین دین میں استعمال

Salma Khadra Jayyusi. The legacy of Muslim Spain. Brill Academic 27 Publishers, Inc. 1994

کرنے کی کڑی شرائط ہیں جنہیں ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

البتہ بینکاری نظام میں ایک ایسے نظریے کو متعارف کروادیا گیا جو نہ صرف شریعت سے متصادم ہے بلکہ کاغذی کرنسی کو اپنی اصل ماہیت یعنی ذخائر کی ملکیتی د / ویز ہونے سے بھی خارج کر دیتا ہے، اور وہ ہے بینک کا قرض کو مال کی نظر سے دیکھنا۔ اگر کسی نے بینک کو قرض ادا کرنا ہے تو جو مال وہ بینک کو آئندہ ادا کرے گا، بینک اس کو حاضر و موجود مال کی طرح تصور کرتا ہے اور اسے بھی اپنا ذخیرہ سمجھ کر اس کے بدلے نوٹ جاری کر دیتا ہے۔ اس کے بہت عملی طریقے ہیں جن کا جائزہ ہم اگلے دو ابواب میں تفصیل کے ساتھ لیں گے، جن میں فریکشنل ریزرو بینکنگ (Fractional Reserve Banking) بھی شامل ہے۔ پس اس نظام میں یہ ضروری نہیں کہ - نوٹ بینک جاری کرے، اتنا ہی سونا اس کے پاس موجود بھی ہو۔ وہ اپنی مستقبل کی متوقع آمدن کے بدلے بھی نوٹ جاری کر دیتے ہیں۔ ایسے نوٹ حقیقت میں سونے کے کسی موجود ذخیرے کے علمبردار نہیں، بلکہ محض کاغذ کے ٹکڑے ہیں، جو بینک کی طرف سے ایک وعدہ یہ د / ویز ہے۔ آج¾ کمرشل بینک اور سٹیٹ بینک دونوں ہی نے ایسے پیچیدہ طریقہ کار اپنا لیے ہیں، جن کے تحت وہ اپنے کھاتوں میں ان تصوراتی ذخائر کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہیں اور پھر ان کے بدلے وعدہ یہ د / ویزات جاری کر دیتے ہیں۔ سٹیٹ بینک یہ عمل نوٹوں کے اجرا کی شکل میں کرتا ہے اور کمرشل بینک چیکوں اور قرضوں کی شکل میں۔

سٹیٹ بینک

بینکاری نظام کے آغاز میں بینک اپنے ذخائر کے بدلے نوٹ جاری کیا کرتے، جو کرنسی کے طور پر استعمال ہوتے۔ آج¾ ہم ایک ہی H کی کرنسی مثلاً پاکستانی روپیہ استعمال کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، مگر بیسویں صدی کے آغاز تک مختلف کرنسیوں کا رائج ہونا قطعاً تعجب خیز نہ تھا [2]۔

مختلف نوٹ رائج ہونے کے باوجود بعض بڑے اور معروف بینکوں کے نوٹ زیادہ قابلِ قبول ہوتے۔ حکو > اپنے ملکی خزانے اور سرکاری اداروں کے اموال جمع کروانے کے لیے کسی ایک بڑے بینک کو سرکاری سطح پر اپنے مال کا امین بنا دیتیں۔ یوں حکو 0 پیسہ آنے سے اس بینک کا وقار، نوٹوں کی ? ادا اور قدر مزید بڑھ جاتی۔

اس بڑے بینک کے علاوہ چھوٹے بینک بھی معاشرے میں اپنے نوٹ جاری کرتے۔ جب دو مختلف بینکوں کے کھاتے دار آپس میں نوٹ یا چیک تبدیل کرتے تو ان کے پیچھے موجود ذخائر کو ایک سے دوسرے بینک کے پاس مادی طور پر منتقل کرنا پڑتا۔ اس عمل میں آسانی پیدا کرنے کے لیے چھوٹے بینکوں نے بھی اپنے ذخائر کا حصہ کسی

---

28 as http://www.bankofengland.co.uk/banknotes/Pages/about/history.aspx
.retrieved on Apr 2012

بڑے بینک میں رکھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کے چیک موصول ہونے پر باہمی ادائیگیوں اور وصولیوں کو اکٹھا کرکے ان کے فرق کو یکبارگی اس بڑے بینک کے کھاتوں کے ذریعے پورا کر لیتے۔ اس عمل کو تصفیہ حسابات یا کلیرینگ(Clearing) کہتے ہیں۔

پس، حکو 0 خزانچی، تصفیہ حسابات کے مرکزی کردار اور ملک میں رائج سب سے زیادہ نوٹوں کے ماM ہونے کی حیثیت سے معیشت میں اس بڑے بینک کا کردار بہت اہم اور حساس ہو جاتا۔ حکو > اس بینک سے گہرا رکھتیں اور اکثر اوقات اس پر اپنا سرکاری یا غیر سرکاری اثر و رسوخ بھی استعمال کرتیں یہ 2 آگے چل کر قومی یا مرکزی بینکوں کی بنیاد بنا۔

آج¾ تقریباً ہر ملک میں ایک مرکزی بینک موجود ہے، جس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے کھاتے دار عوام نہیں بلکہ دوسرے بینک اور حکو > ہوتی ہیں۔ بلکہ کھاتے دار بھی شاید صحیح لفظ نہیں، کیونکہ مرکزی بینک عموماً ان چھوٹے بینکوں کے گٹھ جوڑ سے بنتا ہے اور تمام بینکوں کے نمائندے اس کے بورڈ ممبر (Board Members) ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بینکوں کے سرغنہ یا اجتماعی تنظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور حکومت اس کے جاری کردہ نوٹوں کو ملک میں زرِ قانونی یا لیگل ٹینڈر (Legal Tender) کا درجہ دے دیتی ہے۔

پاکستان کا مرکزی بینک سٹیٹ بینک آف پاکستان یا بینک دولتِ پاکستان ہے۔ قارئین کو شاید اس بات پر تعجب ہو کہ سٹیٹ بینک ایک کارپوریشن ہے جسے سٹیٹ بینک آف پاکستان ایکٹ ۱۹۵۶ء کے تحت حکو 0 تائید اور چارٹر کے ساتھ تخلیق کیا گیا۔ یہ خود نہ تو حکومت کا حصہ ہے اور نہ ہی وزارتِ خزانہ کے ماتحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں وزارت خزانہ کی ویب سائٹ gov.pk کے آئی پی ڈومین (IP Domain Name) میں موجود ہے وہاں سٹیٹ بینک کی ویب سائٹ کا ڈومین org.pk ہے۔

کرنسی کی اقسام

ہم جاÕ ہیں کہ کرنسی اپنے وسیع — میں کوئی بھی ایسی چیز ہے جسے عوام لین دین میں استعمال کر سکیں۔ بینکاری نظام کے پروان چڑœ سے دنیا میں چار طرح کی کرنسیاں رائج ہو گئیں۔

ثمن خلقی: کسی بھی شکل میں سونا اور چاندی ثمنِ خلقی ہیں، چاہے وہ کسی اور ملک میں جاری ہوں۔ پس سلطنتِ عثمانیہ میں وینس کے ڈیوکٹ (Venetian Ducats) اور فلورینس کے فلورن (Florins) بھی اسی طرح قابل

قبول تھے جس طرح سلطنت عثمانیہ کی اپنی سلطانی اشرفی اور دینار ¥2۔ جدید دور میں یہ اثمانِ خلقی بالکل ناپید ہو چکے ہیں، البتہ بینک اور حکو > اب بھی ان کے لین دین سے کچھ تجارتی معاملات طے کرتے ہیں۔ اس ثمن کی عوام میں Pلی ہی دینار تحریک کا ایک مقصد ہے۔

ثمنِ حکو 0 : ثمنِ حکو 0 سرکار کی طرف سے جاری کردہ کرنسی ہے۔ اس کا آغاز ثمنِ خلقی کے حکو 0 اجرا سے ہوا تا کہ اس میں ملاوٹ اور دھوکہ دہی سے عوام کو بچایا جا سکے۔ بعد میں بادشاہوں نے سنیوراج (Seignorage) کے ذریعے اسے آمدن کا طریقہ بنا لیا۔ یعنی سکوں میں دوسری دھاتیں ملا کر اور سکوں کی جگہ کاغذ کے ٹکڑوں پر حکو 0 سکہ چھاپ کر، کرنسی کی محافظ حکو > خود اس میں ملاوٹ کرنے لگیں۔ ثمنِ حکو 0 کی مثال پاکستان میں ۲۰۰۵ سے قبل وزارت خزانہ کا جاری کردہ ایک روپے کا نوٹ تھا، جو 'سیکرٹری وزارت مال' کے دستخط سے جاری ہوتا اور جس پر 'حکومت پاکستان' اور 'ایک روپیہ' %0 ہوتا۔ آج 3/4 حکومت پاکستان نے نوٹ جاری کرنا تو چھوڑ دیا ہے، تاہم سکے اب بھی حکومت پاکستان کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، اور ان پر 'حکومت پاکستان' %0 ہوتا ہے۔

ثمن چیک بک: چیک بک منی (Checkbook Money)[3Þ] مال کی وہ H ہے جو عام بینکوں کی طرف سے جاری د / ویزات پر مشتمل ہے۔ یہ بینک کے ذخیرے میں موجود ثمن خلقی یا ثمن حکو 0 کے ملکیتی اختیارات کی د / ویز ہوتی ہے مثلاً چیک بک اور نوٹ وغیرہ۔ ادائیگیوں میں بطور ثمن استعمال ہونے کی وجہ سے ان کو بھی ثمن ہی کی ایک H مانا جاتا ہے۔ کمرشل بینکوں سے کرنسی کے طور پر نوٹوں کا اجرا ناپید ہو جانے

Sevket Pamuk, A Monetary History of the Ottoman Empire. University 29
.of Cambridge 2000

Check Book Money, referring to creation of Bank Demand Deposits or 30
bank accounts

کے بعد ثمن کی یہ H اب صرف چیک بک اور قرض کی شکل میں رائج ہے۔اس ثمن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اسے ذخیرے کے اوپر ملکیتی اختیار سے بدل کر ذخیرے کی مالیت کے مترادف ادائیگی کا وعدیہ قرض بنادیا گیا ہے۔اس حیثیت سے بینک اس ثمن کو فریکشنل ریزرو عمل کی بدولت، اصل ذخائر سے زیادہ بھی تخلیق کر f ہیں۔پس یہ ثمن اب محض ایک کاغذ کے ٹکڑے پر % بینک کی طرف سے ادائیگی کا ایک وعدہ ہے، جس کے پیچھے کوئی ذخائر یا ثمنِ حکو O موجود نہیں۔

کرنسی نوٹ: شم ... ر معروف
شکل ہے۔ یہ بھی اصولی ... ہ ان ذخائر
میں اب سونے اور چاند ... ے وعدے
یعنی بانڈ(Bond) بھی ... ا ایک وعدہ
ہوتے ہیں جبکہ عام بینکو ... انی نوٹ پر
لکھی گئی تحریر کچھ اس ط ... ں بات کی
تصدیق ہوتی کہ یہ نوٹ ... ہے۔ البتہ

بینک دولت پاکستان کا جاری کردہ دس روپے کا نوٹ

اب دنیا بھر میں نوٹوں سے اس طرح کی تحریریں ہٹائی جارہی ہے۔ شاید اس لیے کہ اب کسی ملک کا مرکزی بینک بھی یہ استعداد نہیں رکھتا کہ - نوٹ جاری کرچکا ہے ان کے مساوی ذخائر کی ادائیگی کرسکے اور یہ بات بینکاروں کو خوف زدہ کرتی ہے ... لیے بھی ممکن نہیں۔

تقسیمِ اختیارا

کافی عرصہ ... ب کے
زیر اہتمام 'امت م ... فاق ہوا،
جس میں ملک کی من ... صورت
بات کہی کہ باطل ؛ ... ل رہا
ہے تو جان لیں کہ ا ... یکھ کر یہ
فرق کرنے میں ناکا ... ہی کو اپنا
لیتے ہیں۔

حکومت کا جاری کردہ ایک روپے کا نوٹ اور دو روپے کا عکس

مغربی نظام جہاں سودی اور غیر منصفانہ ا لی بنیادوں کے باطل سے مرکب ہے، وہیں اس نظام میں کچھ اچھی چیزیں بھی ڈال دی گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ قائم ہے۔ مثلاً اختیارات کی تقسیم جو کہ نظام میں کسی حد تک توازن اور استحکام لاتی ہے۔ کرنسی نظام میں بھی ایسی ہی تقسیمِ اختیارات رکھ دی گئی ہے۔ کچھ ماہرین کے مطابق مرکزی بینکوں کی تخلیق بھی اس توازن کو قائم کرنے کے لیے کی گئی۔ ہم اس دعویٰ سے اتفاق تو نہیں کرتے کہ مرکزی بینک خصوصی طور پر اسی مقصد کے لیے تخلیق ہوئے، البتہ ضمنی طور پر یہ ان کا ایک فائدہ ضرور ہے۔ چونکہ کاغذی کرنسی بنانے کی لاگت اس کی مروجہ قدر سے کہیں کم ہوتی ہے، اس لیے یہ اختیار کسی ایک قوت کے حوالے

نہیں کیا جا سکتا، ورنہ سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں کو اس کے اجرا میں اعتدال رکھنے پر کوئی مجبور نہیں کر سکے گا۔ دوسری طرف بینک خود بھی وعدیہ د / ویزات کے ذریعے کرنسی تخلیق کرتے تھے، سو انہیں بھی حد میں رکھنے کے لیے انی کی ضرورت تھی۔ جدید معاشیاتی سوچ میں یہاں تقسیم اختیارات کا اصول اپنایا گیا کہ یہ اختیارات حکومت اور سٹیٹ بینک میں تقسیم کر دیے جائیں، تاکہ کسی ایک کو مکمل اختیار حاصل نہ ہو۔

اس کتاب میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ صرف قابل تصدیق شرعی اصولوں پر ہی اپنا مقدمہ پیش کریں گے، اس لیے ہم اس بات کو فی الحال نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ل بینکوں کی تخلیق محض اختیارات کی تقسیم کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ بینکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے T میں ہوئی۔ کرنسی تخلیق کرنے کا اہم شعبہ انہوں نے حکومتوں پر اپنے گہرے اثر ورسوخ کے ذریعے حاصل کیا، جس میں اقتصادی اصولوں کے علاوہ بہت سے سیاسی اآب بھی شامل رہے۔ ا درا فی کی مختلف Ø ت مثلاً ٹائم آف دی یون (Time of the Bedouin)[31] وغیرہ میں اس موضوع پر مزید موجود ہے۔

البتہ جدید معاشیاتی سوچ تقسیمِ اختیارات کے جو فوائد اتی ہے اور جن کو ہم اس باطل نظام کے سمندر میں ۓ کا جزیرہ سمجھتے ہیں، وہ کچھ اس طرح سے ہیں۔

۱۔ ثمنِ حکومت کے بے جا اجرا کو یہ قانون روک دیتا ہے کہ حکومت خود محدود حد سے بڑھ کر نوٹ تخلیق نہیں کر سکتی بلکہ اسے اپنے ذخائر سٹیٹ بینک میں جمع کروا کر اس سے نوٹوں کا اجرا کروانا پڑتا ہے اور اگر اس کے پاس ذخائر نہیں، تو پھر اسے بانڈ یا قرض کی د / ویزات جاری کر کے سٹیٹ بینک سے قرض لینا پڑتا ہے۔

۲۔ ثمن چیک بک کے بے جا اجرا کو ریزرور (Reserve Ratio) کا قانون روک دیتا ہے، جو کہ سٹیٹ بینک کی طرف سے بینکوں کی انی کا ایک اصول ہے۔ بینک پر لازم ہے کہ ایک مخصوص حد تک ذخائر سٹیٹ بینک میں جمع کروائے اور پھر ان کے مقررہ تناسب کے مطابق ثمن جاری کرے۔

۳۔ ثمن بینک نوٹوں کے بے جا اجراء کو سٹیٹ بینک کا اپنا یہ قانون روک دیتا ہے کہ وہ ذخائر کی موجودگی کے بغیر نوٹ جاری نہیں کر f۔ انہیں اپنے ذخائر اور جاری کرنسی کے کھاتوں کو متوازن رکھنا ہوتا ہے، پس یہ اصول نوٹوں کی مقدار پر پابندی لگا دیتا ہے۔

ان تمام پیچیدہ قواعد کی ضرورت اس لیے پڑی، کیونکہ ہم نے ثمن خلقی کو ترک کر دیا، جس پر خود قدرت نے ایک آسان سی پابندی لگا رکھی تھی کہ سونے اور چاندی کی مقدار کو کوئی بے جا اور مصنوعی طور پر بڑھا نہیں سکتا۔ مگر جب ہم سونے اور چاندی کو چھوڑ کر کاغذی کرنسی پر آئے تو وہ اپنے ساتھ اتنے مسائل لائی کہ اس کے اوپر ایک انتہائی پیچیدہ نظام $ اکر کے بھی انسان اپنے اقتصادی مقاصد حاصل نہیں کر پا رہا۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ

---

31 Ian Dallas. The time of the Bedouin - On the politics of power. Budgate Press, 2010.

انسان کے بنائے ہوئے ان اصولوں کو انسانوں ہی نے توڑنے کے طریقے بھی نکال لیے۔ کاغذوں میں یہ اقدامات پر حکمت نظر آنے کے باوجود عملی طور پر مثبت کردار ادا نہیں کر پا رہے اور کرنسی کا بے جا اجرا، مہنگائی اور غرæوں کا ا ل جوں کا توں چل رہا ہے۔

کرنسی کی مقدار

جدید معاشیاتی سوچ ہے کہ اگر معاشرے میں ¾ دس روپے کے نوٹ اور دس روپے جتنی مالیت کی مصنوعات موجود ہیں تو جب پیداوار بڑ گی اور مصنوعات میں اضافہ ہوگا تو کرنسی میں بھی اضافہ ہونا چاہیے، تاکہ لین دین جاری رہ سکے۔ ایک مخصوص سطح پر یہ بات درست ہے، مگر جس انداز میں اسے معروف معاشیاتی سوچ میں پیش کیا جاتا ہے، اس نظریے کو آسٹرÑ سکول آف اکنامکس نے اس کی وجہ سے رد کر دیا ہے کہ مصنوعات کی قیمت اور کرنسی کی مقدار میں کوئی رشتہ نہیں کہ ایک کے بڑœ پر دوسرے کو ضرور بڑھایا جائے۔ بلکہ جب مصنوعات میں اضافہ ہوتا ہے تو ان کی قیمتیں کرنسی کی مقدار کے مطابق تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس میں کرنسی کی مقدار کو بدلنے کی کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر کرنسی کا جدید نظام اسی نظریے کے تحت تخلیق کیا گیا ہے اور اس میں ما ی پا (Monetary Policy) کے نام پر سٹیٹ بینک کو ایسے اختیارات دے دیے گئے ہیں جن کے تحت وہ کرنسی کی مقدار میں کر سکتا ہے۔

اس عمل کے دو بنیادی طریقے ہیں۔

۱۔ آزاد منڈی میں حکو0 قرض کی تجارت کرنا، جسے او مارکیٹ آپر (Open Market Operations) کہتے ہیں۔

۲۔ بینکوں کو قرض کی فراہمی میں آسانی یا مشکل پیدا کرنا، جو کہ ا ° ریٹ (Interest Rate) اور ریزرور (Reserve Ratio) کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

معاشرے میں کرنسی موجود ہے، اس کا اندازہ لگانے کے لیے معاشیات میں د بیءزر کے کچھ پیمانے متعین کیے گئے ہیں۔ سٹیٹ بینک کے جاری کردہ وہ نوٹ جو عوام کے ہاتھوں میں گردش کر رہے ہوں، انہیں ایم زیرو (M0)[32] کہتے ہیں، بینکوں میں موجود کرنسی نوٹوں کو ایم بی (MB) کہتے ہیں اور ان دونوں میں بینکوں کے ڈیمانڈ ڈیپازٹ

(Demand Deposit) اکاؤنٹ ملا کر کرنسی کی بنیادی اکائی ایم ون (M1) تخلیق کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے میں موجود ¾ سرمائے کے مزید پیمانے ایم ی (M3) اور ایم فور (M4) بھی ہیں، جو پیسے کی مختلف

M0, MB and M1, where M stands for Money and B for Bank32

شکلوں کو ملا کر بنائے جاتے ہیں۔آ W دیکھیں کہ سٹیٹ بینک اپنی ما ی پا کے ذریعے ایم ون میں کس طرح اضافہ کرتا ہے۔

کرنسی کی تخلیق حکو O بانڈ

اصولی طور پر حکومت کی آمدنی G سے آنی چاہیے، مگر وہ اکثر سیاسی مقاصد کے لیے اپنی اس آمدن سے بڑھ کر خرچ کرنا چاہتی ہے۔ تقسیم اختیارات کے تحت حکومت پر کرنسی تخلیق کرنے کے لیے یہ شرط عائد ہے کہ کرنسی موجود ذخائر کے بدلے جاری ہو۔ لہٰذا حکومت کے پاس اپنے اخراجات کرنے کا واحد حل یہ رہ جاتا ہے کہ وہ قرض لے۔ رائج پار نی نظام میں ہر حکومت صرف اپنے پانچ سال آسانی سے گزارنے کا سو ہے، اور مستقبل میں پیسے لوٹانے کی ذمہ داری بعد میں آنے والی حکومتوں کو تحفے میں دے جاتی ہے۔ اس لیے دنیا کے تمام مما M کا حکو O قرض بڑ o چلا جارہا ہے۔ قرض واپس نہ لوٹانے کا آسان طریقہ انھوں نے یہ بنا رکھا ہے کہ وہ قرض کو رول اوور (Roll over) کروالیتے ہیں۔ یعنی اگر میں نے ۱۰۰ روپیہ قرض لیا تھا اور اب I سود کے ساتھ ۱۱۰ روپے واپس لوٹانا ہیں، تو میں ۲۰۰ روپے مزید قرض لے لوں گا، اور اس سے سا ۱۱۰ روپے لوٹا کر اضافی ۹۰ روپے اپنی ضرورتوں پر خرچ کر لوں گا۔

حکو > اندرون ملک قرض لینے کے ساتھ ساتھ F ون ملک ذرائع سے بھی قرضہ لیتی ہیں، مثلاً دوسری حکومتوں اور آئی ایم ا d (IMF) سے۔

قرض لینے کا ایک بنیادی طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وزارت خزانہ اپنے نام سے کچھ فنا سکیور (Financial Securities) جاری کرتی ہے جن میں ٹریژری بل (Treasury Bill or T-Bill)، ٹریژری بانڈز (Treasury Bond) اور ٹریژری نو (Treasury Notes) شامل ہیں۔ بنیادی طور پر یہ قرض کی د / ویزات ہیں اور ان میں فرق ان کو لوٹانے کی میعاد سے متعلق ہے۔ مثال کے طور پر ہم ٹی بل کو لے لیتے ہیں۔ یہ مخصوص حفاظتی کاغذ پر i ایک تحریر ہوتی ہے مثلاً سو روپے کے ٹی بل پر % ہو گا کہ حکومت اس ٹی بل کے بدلے ایک ماہ بعد سو روپے ادا کرے گی۔ پھر اس ٹی بل کو 'ڈ ٗ ؤنٹ' (Discount) یا رعایتی نرخ پر فروخت کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سو روپے کا ٹی بل ۹۶ روپے میں بیچا جائے۔ ان ٹی ں کا حتمی خریدار بینک دولتِ پاکستان ہوتا ہے۔ کبھی بالوا Ò جب ٹی بل دوسرے بینک، مالیاتی ادارے یا عوام الناس خریدتے ہیں اور حکومت کو بینک نوٹوں میں ان کی قیمت ادا کر دیتے ہیں یا پھر کبھی Ó وا Ò جب سٹیٹ بینک خود ان کو خرید لیتا ہے۔ ان کے خریدار کو حکومت پاکستان کو ۹۶ روپے، یا رائج 'ا ٍ سٹ ریٹ' کے مطابق کوئی اور رعایتی رقم ادا کرنی ہوتی ہے، تا کہ حکومت وہ رقم لے کر اپنے اخراجات پورے کر سکے جن کے لیے اس نے یہ ٹی بل جاری کیے۔

یہ حکو 0 قرض کرنسی کی مقدار میں اضافے کا باعث اس لیے بنتا ہے کیونکہ بینک دولت پاکستان ان کو مالی ذخائر کے طور پر تصور کرتا ہے۔ سٹیٹ بینک پر لازم ہے کہ اتنے ہی کرنسی نوٹ جاری کرے - اس کے پاس ذخائر ہیں۔ یہ ذخائر ثمن خلقی اور ثمن حکو 0 میں ناپے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ذخائر کی ایک تیسری کی H دوسرے ں کی کرنسیاں یا فاریکس ریزرو (Forex Reserves) ہیں۔ ثمنِ خلقی کی مقدار مصنوعی طور پر تو بڑھائی نہیں جا سکتی۔ مگر کھیل یہ جاتا ہے کہ موجود حکو 0 نوٹوں کے علاوہ، مستقبل میں واجب الادا حکو 0 نوٹوں کو بھی ثمنِ حکو 0 تسلیم کر لیا جاتا ہے، یعنی حکو 0 بانڈ (Bonds)۔ جب حکومت یہ بانڈ جاری کرتی ہے تو اسے صرف کاغذ پر بانڈ کی تحریر لکھ کر دستخط کرنے ہوتے ہیں اور پھر سٹیٹ بینک اس بانڈ کو اپنے موجود ذخائر کے طور پر دکھا کر ان کے بدلے = کرنسی نوٹ جاری کر دیتا ہے۔ مرکزی بینکوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ پورے ملک میں جہاں ادارے اور افراد کرنسی نوٹوں کو اپنے اثاثے یا ا- ؕ (Assets) سمجھتے ہیں، وہاں سٹیٹ بینک خود ان کو ایک لائبلٹی (Liability) سمجھتا ہے، اور حکو 0 قرض کو اثاثے۔

! کل پا (Fiscal Policy) کے تحت حکو 0 قرض اس وقت جاری کیا جاتا ہے جب سیاسی یا اقتصادی مقاصد کی خاطر حکو 0 اخراجات اس کی آمدن سے بڑھ جاتے ہیں۔ اورما ی پا (Monetary Policy) کے تحت سٹیٹ بینک اس حکو 0 قرض کی مالیاتی منڈی میں خرید و فروخت (Open Market Operations) کے ذریعے اپنے ذخائر میں تبدیلی کرتے ہوئے جاری کردہ کرنسی نوٹوں میں کرتا ہے۔ وہ حکو 0 قرض کو خریدنے کے لیے از خود = کرنسی نوٹ چھاپ لیتا ہے، کیونکہ سٹیٹ بینک خود ہی نوٹ چھاپنے کا بااختیار ادارہ ہے۔ ان = نوٹوں کی تخلیق کا جواز وہ حکو 0 بانڈ ہیں، جنہیں خرید کر وہ انہی نوٹوں کے بدلے ذخیرے کے طور پر اپنے کھاتوں میں شامل کر لیتا ہے۔ یوں حکو 0 بانڈ خریدنے سے ملک میں = نوٹ جاری ہوتے ہیں جو کہ افراطِ زر کا باعث بنتا ہے۔ اس کے برعکس، جب وہ مالیاتی منڈی میں قرض " ہے یعنی اپنے ملکیتی ذخائر سے حکو 0 بانڈ نکال کر بیچ دیتا ہے، تو وہ خریداروں سے ان کی قیمت اپنے ہی کرنسی نوٹوں کی شکل میں وصول کر لیتا ہے۔ یوں اتنی مالیت کے کرنسی نوٹ معاشرے میں گردش سے نکل کر واپس مرکزی بینک میں آجاتے ہیں اور معاشرے میں افراطِ زر میں واقع ہوتی ہے۔

کرنسی کی تخلیق شرح سود

سٹیٹ بینک کا ایک مقصد کمرشل بینکوں کی انی کرنا بھی ہے۔ ویسے تو ملک میں تمام $ ں کی انی کرنے والا ادارہ سکیوریٹیز #ا ایکس چینج کمیشن

انی خصوصی طور پر سٹیٹ (Securites & Exchange Commission)[33] ہے، مگر مالیاتی اداروں کی انی خصوصی طور پر سٹیٹ بینک بھی کرتا ہے۔ اس کی تاریخ بہت د ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مالیاتی اداروں کی خصوصی انی عوام کے مال کی حفاظت کے لیے کی جاتی ہے۔ اس میں کسی حد تک %ئی بھی ہے۔ مگر دراصل اس خصوصی انی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تاریخی طور پر دنیا بھر میں بینکار بے لگام آزادی ملنے پر انتہائی غیر ذمہ داری کا & ہرہ کرتے ہیں۔ وہ عوام کے پیسے کو زیادہ منافع کے لیے پر خطر اور غیر منصوبوں میں خرچ کرتے ہیں یا پھر بے جا قرض جاری کر کے اپنا ہی دیوالیہ کروا لیتے ہیں۔ سو ضروری سمجھا گیا کہ کسی طور ان پر نظر رکھی جائے اور خصوصاً ان کو بے جا قرض جاری کرنے سے روکا جائے۔ اس کا ایک مقصد تو بینکوں کی مقدرت (Solvency) اور صحت برقرار رکھنا ہے۔ دوسرا یہ کہ قرض کی مقدار ثمن چیک بک پر اثرانداز ہوتی ہے اور ایم ون (M1) میں تبدیلی واقع کر دیتی ہے لہٰذا مرکزی بینک اس عمل پر اپنا ' چاہتا ہے تاکہ اسے اپنی مالیاتی پا کے ساتھ ہم آہنگ کر سکے۔

سٹیٹ بینک کے پاس کمرشل بینکوں کے قرض جاری کرنے کی صلاحیت اور اس کے T میں ان کی ثمن چیک بک کی مقدار میں اضافہ کرنے کی صلاحیت پر اثرانداز ہونے کے دو طریقے ہیں۔

ان میں سے ایک ہے شرحِ ذخائر کا تعین کرنا (Reserve Ratio) ۔ ہر کمرشل بینک پر لازم ہے کہ وہ اپنے ذخائر یعنی مال کا کچھ حصہ مرکزی بینک میں جمع کروائے اور اس جمع کردہ حصے کا تعین شرحِ ذخائر کرتی ہے۔ جو مال مرکزی بینک میں جمع ہو جائے وہ بینک اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا اور نہ ہی اس کو قرض میں دے سکتا ہے۔ اگر ایک بینک کے پاس ¾۱۰۰ روپے ہیں اور شرح ذخائر ۳۰) ہے، تو بینک ۳۰ روپے مرکزی بینک میں جمع کروائے گا، اور باقی ۷۰ کو قرض پر دے سکے گا۔ اگر شرح ذخائر گھٹا کر ۲۰) کر دی جائے تو بینک ۷۰ کی بجائے ۸۰ روپے قرض میں دے سکے گا۔ یوں اس شرح کو کم کرنے سے قرضوں میں اضافہ ہو سکے گا، جس کے T میں ثمن چیک بک اور 'ایم ون' دونوں بڑھ جائیں گے۔ جدید دور میں یہ شرح عموماً (ل سوئم (Basel III) بین الاقوامی معاہدے کے تحت ساکن رکھی جاتی ہے اور مرکزی بینک اس کو تبدیل کرنے کی بجائے ایک دوسرے طریقے یعنی شرحِ سود کے ذریعے بینکوں کے قرض د B کی صلاحیت پر اثرانداز ہوتا ہے۔

شرحِ سود (Interest Rate) میں تبدیلی مرکزی بینک کے آلات کار میں دوسرا اہم رکن ہے۔ یہ اس بات کا تعین کرتا ہے کہ مرکزی بینک، دوسرے بینکوں کو کس شرحِ سود پر قرض دے گا۔ بینکوں کا منافع کمانے کا ایک معروف طریقہ یہ ہے کو وہ مرکزی بینک سے کم شرحِ سود پر قرض لیتے ہیں اور اپنے صار * کو زیادہ شرح سود پر آگے قرض دے دیتے ہیں۔ جب مرکزی بینک اپنی شرحِ سود کم کرتا ہے تو بینک اسے سودی منافع کمانے کا ایک موقع جان کر زیادہ قرض لیتے ہیں۔ اس کے برعکس جب مرکزی بینک شرحِ سود بڑھاتا ہے تو بینک بھی کم قرض لیتے

Securities And Exchange Commission of Pakistan (SECP). 33
www.secp.gov.pk

ہیں اور یوں اس شرح سے قرض کی مجموعی مقدار میں تبدیلی لائی جاتی ہے، جو کہ براہِ راست ثمن چیک بک اور ایم ون پر اثر ڈا + ہے۔

یادرہے کہ ایم ون میں اضافہ معیشت میں زیادہ مال ڈال کر ایک تیزی کا رجحان پیدا کر دیتا ہے اور جب ایم ون میں لائی جاتی ہے تو معیشت پر بھی سرد بازاری غالب آجاتی ہے۔

, کرنسی اور کاغذی کرنسی

اب آخر میں ہم ایک اہم تصور - ٹ یا , کرنسی (Fiat Currency) کی طرف آتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ کرنسی کی اصل تاریخی H ثمن خلقی ہے جو ٹھوس اجزا سے بنتی تھی اور آج 3⁄4 باقی تمام اقسام کی کرنسیاں اس ثمنِ خلقی کی کاغذی رسیدیں ہیں۔ اس لیے انہیں . (Paper) یا کاغذی کرنسی بھی کہا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ کاغذی کرنسیاں ثمنِ خلقی کے Œ ذخائر کے متناسب نہیں ہوتیں، بلکہ جدید بینکاری نظام میں انہیں اصل مادی ذخائر سے کئی لے بڑھادیا جاتا ہے۔ اس عمل کو کرنسی کی تخلیق کہتے ہیں اور اس کی ہر شکل عموماً کاغذ پر مشتمل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اسے کاغذی کرنسی کہتے ہیں۔ اس میں سٹیٹ بینک کے ہاتھوں جاری کردہ ثمن بینک نوٹ اور کمرشل بینکوں کے ہاتھوں جاری کردہ ثمن چیک بک دونوں شامل ہیں۔

مگر ثمنِ خلقی سے ثمنِ عرفی یعنی کاغذی کرنسی کی طرف منتقلی فوراً نہیں ہوئی بلکہ لوگوں کو ان سے مانوس کرنے کے لیے کئی صدیاں لگ گئیں۔ اس کے باوجود تاریخ کے ہر دور میں عوام میں یہ / رموجود رہا کہ ان کرنسیوں کی اصل قیمت کچھ نہیں اور یہ محض کاغذ کے ٹکڑے ہیں جن کے پیچھے اگر ٹھوس ذخائر نہ ہوں تو ان کی کوئی و O نہیں۔ اس / ر کی وجہ سے قدرتی طور پر عوام ثمنِ خلقی کو ترجیح دیتے اور خصوصاً جب افراطِ زر کی وجہ سے مہنگائی ہونے لگتی تو عوام کا اعتبار کاغذی کرنسیوں سے ا1 جاتا اور یہ کرنسیاں معاشرے میں اپنی قدر کھودیتیں۔

اس خطرے کا ازالہ کرنے کے لیے حکومتوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کاغذی کرنسیوں کو اپنے ں میں قانونی طور پر سکہ رائج الوقت کے طور پر نافذ کروانا شروع کر دیا، تاکہ لوگ انھیں استعمال کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ عمل کچھ مخصوص H کے قوانین بنا کر کیا جاتا ہے 2 لیگل ٹینڈر قوانین (Legal Tender Laws) کہتے ہیں۔ قانونی طور پر جب کسی کرنسی کو اس طرح حکو O سطح پر ç یت دی جائے تو اس کے لیے ا یزی میں ایک اور لفظ استعمال ہوتا ہے جسے - ٹ (Fiat) کرنسی کہتے ہیں۔ ا یزی 3 میں لفظ - ٹ کے ó ں میں آمرانہ حکم اور اختیار شامل ہیں۔ پس حکو O '- ٹ' کے ذریعے نافذ ہونے والی کرنسی کو - ٹ کرنسی کہتے ہیں۔ اس کا ایک اور مطلب یہ ہے کہ منڈی میں اس کرنسی کی قیمت اپنی کسی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ F ونی طاقت یعنی حکومت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دینار اور درہم چونکہ سونے اور چاندی سے بنتے ہیں لہذا ان کی قیمت خود ان

کے اندرÖں ہوتی ہے، جسے اِ نزک و " (Intrinsic Value) کہتے ہیں۔ جبکہ روپیہ اور ڈالر کاغذ کے دو ٹکڑے ہیں اور بذات خود ان کی کوئی مالیت نہیں۔ ان کی قدر و قیمت امریکہ اور پاکستان کی حکومتوں جیسی Fونی طا 4 زبردستی قائم کرتی ہیں۔ ایسی - ٹ کرنسی کو ہم حکیکرنسی کہتے ہیں، یعنی بادشاہ کے حکم سے جاری کرنسی۔

جدید دور میں یہ دونوں لفظ یعنی کاغذی کرنسی اور - ٹ کرنسی ایک دوسرے کے مترادف óں میں لیے جاتے ہیں کیونکہ آج¾کسی بھی کاغذی کرنسی کے پیچھے مکمل سونا نہیں ہوتااور ہر کاغذی کرنسی کا قانونی سطح پر5ذ کیا جاتا ہے۔ لٰہذا جدید دور کی ہر کاغذی کرنسی , کرنسی بھی ہے۔ اس کتاب میں ہم جب کاغذی کرنسی پر تنقید کریں گے تو وہ اس لیے نہیں ہو گی کہ ہمیں اس کی ساخت یعنی کاغذ سے Uَ ہونے پر کوئی اعتراض ہے، بلکہ اس لیے کہ ہمیں اس کی , کرنسی ہونے کی حیثیت پر اعتراض ہے یعنی اس کے 6ی5ذپر۔ آWاب اس 6ی5ذکا جائزہ لیتے ہیں۔

لیگل ٹینڈر یاسکہ رائج الوقت

کاغذی کرنسی کے نظام سے پہلے بھی حکو > کرzکے نظام میں مختلف طریقوں سے مداخلت کرتی رہی ہیں، جس کا مقصد سیاسی طاقت اور اقتصادی ' قائم کرنا ہوتا تھا۔ اگر ہر آدمی سونے اور چاندی کو استعمال کرے تو حکومت کا بیچ میں کوئی کردار نہیں رہ جاتا، اور نہ ہی اس کے لیے کوئی منافع کمانے کا ذریعہ رہ جاتا ہے۔ مگر حکمران عموماً لا 8 ہوتے ہیں اور اپنے ذرائع آمدن بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں، جن کو وہ اپنے 9 وآرام کے لیے یا جنگ و جدل کے لیے استعمال کر سکیں۔ زمانہ قدیم ہی میں انھوں نے یہ نایاب طریقہ جان لیا تھا کہ وہ کرنسی میں ملاوٹ کرکے یا اسے بے قدر کرکے بآسانی عوام کا مال L f ہیں جس پر عوام کا اعتراض کرنا تو دور کی بات، انھیں اس کی تک نہ ہو گی۔

اس کا روایتی طریقہ تھا کرنسی میں ملاوٹ کر دینا اور پھر اس ملاوٹ شدہ کرzیکو رائج کرنے کے لیے اسے لیگل ٹینڈر یاسکہ رائج الوقت مقرر کر دینا۔ لیگل ٹینڈر ا یزی کا لفظ ہے جس میں لیگل کے — ہیں قانونی اور ٹینڈر سے مراد ہے ذریعہِ ادائیگی۔ اب یہ بات حکومت متعین کرتی ہے کہ عوام آپس کے لین دین میں کیا چیز استعمال کر f ہیں اور کیا نہیں۔ اس تعین کے بعد اب حکومت اس کرzیمیں خود کسی چیز کی ملاوٹ کر دیتی اور عوام مجبور ہوتی کہ وہ یہ ملاوٹ شدہ کرنسی استعمال کرے کیونکہ وہ سکہ رائج الوقت ہے۔

ا : ن کی کرنسی کا نام پاؤنڈ ہے اور ہم یہ بھی جاÕ ہیں کہ پاؤنڈ ایک وزن کے معیار کا نام بھی ہے جو ۱۶ اونس اور تقریباً آد کلو کے برابر ہوتا ہے۔ ان دونوں کے نام üں ہونا محض اتفاق نہیں بلکہ پرانے زمانے میں ایک پاؤنڈ کرنسی سے مراد ایک پاؤنڈ وزن کی چاندی ہوتی تھی۔ اب چاندی تو چاندی تھی اور کوئی بھی اسے حاصل کر سکتا تھا۔

مگر کرنسی کو لیگل ٹینڈر بنانے سے یہ ہوا کہ ایک مخصوص شکل کے سکے کی ; کر دی گئی جس پر تاجِ برطانیہ کی مہر ہوتی اور جو سکہ رائج الوقت کہلاتا۔ اسے تخلیق کرنے کا کلی اختیار برطانوی حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ عوام مجبور ہو گئی کہ وہ صرف اسی مخصوص سکے کو استعمال کرے۔ پھر حکومت نے ایسے سکے جاری کرنا شروع کر دیے جن میں چاندی کم ہوتی اور کوئی اور کم قیمت دھات ملا دی جاتی۔ ملاوٹ سے جو چاندی > جاتی وہ حکومت کی آمدن بن جاتی۔ بعد میں بادشاہوں نے یہاں تک کرنا شروع کر دیا کہ h طرز کے سکے جاری کرنے کے بہانے عوام سے پہلے والے زیادہ وزنی سکے لیتے اور ان کو ڈھال کر کم وزن یا ملاوٹ والے سکے بنا کر لوگوں کو واپس کر دیے جاتے۔ کچھ سکوں کے بیچ میں سوراخ بھی کر دیا جاتا، تاکہ اس کی قد و قامت اتنی ہی رہے مگر اس کو بنانے میں دھات کم لگے۔ اس کی ایک معروف مثال ا : ن کے =ڈر (Tudor) بادشاہ ہنری > کے دور میں ملتی ہے جہاں ۹ سال کے عرصے میں پاؤنڈ میں چاندی کی مقدار ۷۵) سے گھٹا کر ۲۵ فی صد کر دی گئی [3]۔

حکومت کی طرف سے سکوں کی قیمت ان کی بنوائی سے زیادہ مختص کر کے اپنی آمدن بڑھانے کو سنیور ? (Seigniorage) کہا جاتا ہے۔ سکہ بنانے میں دو چیزیں درکار ہوتی ہیں، ایک دھات کی اپنی قیمت اور دوسرا محنت جو اسے بنانے میں لگے۔ اس محنت میں ملازموں کی تنخواہ کے علاوہ ایک þ (Mint) یا سکے بنانے کی @ ی کو چلانے کے دیگر اخراجات بھی شامل ہیں۔ ان دونوں اخراجات کو ملا کر سکے پر جو خرچ آتا ہے اسے برا A (Brassage) کہتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک سکے میں ۴۰۰ روپے کی چاندی لگی ہو اور اس کی بنوائی پر ۴۰ روپے فی سکہ خرچ آتا ہو تو ہم کہیں گے کہ اس کی برا A ۴۴۰ روپے ہے۔ اب حکو > سکے بنوانے کی اصل قیمت یعنی برا A سے بڑھ کر اس کی ایک قیمت یا B و " (Face Value) متعین کر دیتی ہیں۔ حکومت اس سکے کے اوپر ۱۰۰۰ روپے C اکر اسے ہزار روپے کے سکے کے طور پر جاری کر سکتی ہے۔ یوں وہ سکہ جو ۴۴۰ میں بنا اب فوراً حکو 0 فرمان سے ۱۰۰۰ روپے کا ہو گیا اور لیگل ٹینڈر قانون کے تحت ہر کسی کو اسے ہزار روپے کی و 0 دینی ہے۔ حکومت نے جو بیٹھے بٹھائے ۵۶۰ روپے کما لیے اسے D ر ? (Seigniorage) کہیں گے۔

اصولی طور پر حکومت کی آمدن کا بنیادی ذریعہ G ہونا چاہیے۔ مگر G دے کر عوام اس پیسے کا حساب بھی ما F ہے اور سہولیات بھی اور زیادہ G لینے پر عوام ا E ج بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا حکو > اس مشکل طریقے کی بجائے آسان اور لطیف طریقہ استعمال کرتی ہیں اور کرنسی میں بے قدری کر کے اپنا کام چلا لیتی ہیں، جس کے اثرات عوام پر افراطِ زر اور مہنگائی کی صورت میں آہستہ آہستہ نمایاں ہوتے ہیں، اور وہ بھی اس انداز سے کہ وہ کسی پر اس کا ا ام بھی نہیں د G f ۔ اس کی ایک مثال ہمارے اپنے ملک میں موجود ہے، جہاں عوام خود دیکھ f ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں ہمارے روپے کی کیا قیمت اور قوتِ خرید تھی، اور آج رہ گئی ہے۔

---

34 Albert Edgar. The pound sterling: a history of English money. Oxford University Press. 1931

سکوں کے دور سے نکل کر حکو > جب کاغذی کرنسی کی طرف آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں سنیور ? ہزاروں ٹ کمایا جاسکتا ہے۔ایک کاغذ کے نوٹ کو بنانے میں اگر ایک پیسے کی سیاہی اور کاغذ لگتا ہے تو اس کے اوپر ہزار روپے لکھ کر اسے ہزار کا نوٹ بنایا جاسکتا ہے اور یوں ہزاروں ٹ منافع کمایا جاسکتا ہے۔اس لیے لیگل ٹینڈر قانون حکومت کے لیے مالی طور پر بہت مفید ہے، جس کی وجہ سے ہر ملک اسے اتنی اہمیت دیتا ہے۔اگر کوئی اس کے خلاف آواز یا عملی قدم اٹھائے تو حکو > رد عمل کاا I رکرتی ہیں ! کہ کچھ سال پہلے امریکہ میں H ٹی ڈالر (Liberty Dollar) کے ساتھ کیا گیا۔

کچھ لوگ لیگل ٹینڈر قوانین کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے عوام کو ایک قابل اِJ د کرنسی دی جاسکتی ہے، جو کاروبار کے لیے بہت اہم ہے کیونکہ نجی سطح پر قائم کرنسی میں L سازی ہو سکتی ہے۔یہ ایک Kور موقف ہے کیونکہ کرنسی کے زبردستی 5ذ سے اJ د کا کوئی نہیں۔ حکومت منڈی میں پر اJ دM پیدا کرنے کے لیے چاہے کوئی بھی کرنسی جاری کرے، لیکن عوام چاہیں تو وہ کسی غیر حکو 0 شے مثلاً کسی سنار کے Ú سکوں کو بھی کاروباری استعمال میں لا f ہیں۔ حکومت بھی آزاد منڈی کے ایک کاروباری فریق کی حیثیت سے لوگوں کے اJ د کا نفع یعنی سنیور ? کما سکتی ہے۔ مگر یہ عمل وہ محض آزاد منڈی کے ایک فریق کی حیثیت سے کر سکتی ہے اور سرکاری سطح پر عوام کو مجبور نہیں کر سکتی کو وہ اسی ایک کرنسی کو استعمال کریں۔

کرنسیکا5ذ ,

کاغذی کرنسیاں اپنے پیچھے ذخائر نہ ہونے کی وجہ سے جب بے قدر ہونا شروع ہو جائیں تو لیگل ٹینڈر قوانین کے ذریعے عوام کو زبردستی اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ جاÕ ہوئے بھی کہ یہ بے و 0 کرنسی ہے، اس کا استعمال جاری رN ۔اس کا انتظام حکومت کو فوجداری سطح پر کرنا پڑتا ہے۔یہ زبردستی کا5ذ ایک کاغذی کرنسی کو- ٹ یا , کرنسی بنادیتا ہے، جو کہ مکمل طور پر غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے۔ 6 ی لیگل ٹینڈر کو نافذ کرنے والے ان قوانین کی مکمل تفصیل ہم اگلے باب میں پیش کریں گے، جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ کرنسیااوام نے اپنی رضا وO سے نہیں اپنائی بلکہ ا یز کی غلامی میں زبردستی P کی گئی جواب تک 6 آرہی ہے۔

ہمارے علما سے ایک بنیادی یہ ہو رہی ہے کہ وہ اس کاغذی کرٰ یکو ثمنِ عرفی کہہ کر جائز قرار دے دیتے ہیں۔ مگر اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ ثمنِ عرفی اس لیے نہیں بنا کہ عوام میں معروف ہے، بلکہ اس

لیے بنا کہ اسے عوام میں قانونی عمل سے P کیا گیا۔ پس جسے وہ ثمنِ عرفی کہہ رہے ہیں وہ دراصل ثمنِ 6 ی ہے۔ ہم اسے ثمنِ عرفی تب ما n گے جب حکومت لیگل ٹینڈر قوانین ختم بھی کر دے تب بھی یہ کرنسی عوام میں معروف رہے۔

نتیجہ

اس باب میں ہم نے رائج کاغذی کرنسیا ور ل بینک نظام کا ایک Q سا جائزہ لیا۔ ہم نے قارئین کو بہت سے پیچیدہ موضوعات سے صرف ا R ر کے ساتھ رو س کروایا، کیونکہ مقصد عوام کو بینکاری نظام کے T و S سے واقف کرنا نہیں بلکہ انہیں صرف اس حد تک متعارف کروانا تھا کہ وہ ان پر اگلے دوابواب میں دیے گئے شرعی اعتراضات کو سمجھ سکیں۔

باب Uارم

کاغذی کرنسی پر تنقید

اگرWبت ہیں جماعت کی آVتینوں میں
I ہے حکم اذاں لاالٰXالااللہ

تعارف

یہ باب اس کتاب کا سب سے اہم باب ہے کیونکہ یہاں ہم کاغذی کرنسینZYام کے خلاف اپنا مقدمہ قائم کریں گے۔ دینار و درہم کو اپنانے کی سب سے اہم وجہ رائج , کرنسی کے غیر اسلامی نظام سے نجات حاصل کرنا ہے، اس لیے اس نظام کو ناجائز ثابت کرنا دینار و درہم کی قبولیت کی پہلی شرط ہے۔

ہم سے پہلے بہت سے علما کاغذی کرZنکے شرعی پہلوؤں پر \ اٹھا چکے ہیں اور ہم ان سب کی آرا کاا] ام کرتے ہیں۔ مگر آپ ہمارے مضمون کو ان کے کام سے مختلف پائیں گے کیونکہ انہوں نے کاغذی کرنسی کو فلوس اور ثمنِ عرفی کی نظر سے پرکھا ہے، جب کہ ہماری توجہ اس کے ربوی پہلو اور 6 ی5ذ پر مرکوز ہو گی۔

اسلام میں کرنسی کا تصور

باب اول میں ہم نے کہا کہ کوئی بھی شے کرنسی کی شکل اختیار کر سکتی ہے جب عوام اسے استعمال کے لیے نہیں بلکہ لین دین کے لیے رکھنا شروع کر دیں۔ اسلام سے قبل عربوں میں جو اشیا کرنسی کے طور استعمال ہوتی تھیں، پیغمبر نے ان کے نام لے کر ان میں ربا کے قوانین سمجھا دیے۔ پس باب دوم میں ہم نے جو حدیث [ن کی اس میں کھجور، گندم، جو، نمک، سونے اور چاندی کا ذکر ہے۔ حدیث نے ان اشیا کی کرنسی کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان پر لین دین کے مخصوص قوانین لاگو کر دیے 2 ` میں قوانین صرف کہتے ہیں۔

اس حدیث کے تحت کچھ علما یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں یہی چند اشیا کرنسی کے طور پر استعمال ہو سکتی ہیں، جن کے کریم نے نام لے کر بتا دیے۔ کچھ کا £ ہے کہ ان سے مما ^ رکھنے والی دیگر اشیا بھی شامل ہیں۔ اور کچھ کا £ ہے کہ کوئی بھی شے جو اپنے دور اور معاشرے میں کرنسی کے طور پر رائج ہو جائے، وہ بھی شامل ہے۔ ہم

ذاتی طور پر آخری نقطہ نظر کے قائل ہیں کہ کوئی بھی چیز جب کرنسی کے طور پر استعمال ہونا شروع ہو جائے تو اس پر وہی قوانین لاگو ہوں گے جو پیغمبر نے سونے اور چاندی کے لیے بتائے، اور جن کی تفصیل ہم نے باب دوم میں [ن کی۔ مگر جو لوگ دوسری آرا کے قائل ہیں وہ بھی اس ` میں اپنی جگہ درست ہوں گے۔ مروجہ کرنسی نظام کے خلاف ہمارا مقدمہ ان آرا سے ماوریٰ ہے اور ہر صورت میں ü ں موثر رہے گا۔

جدید دور میں جب علما نے کاغذی کرنسی کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی تو بینکاری نظام کی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ مختلف X نتائج پر پہنچے، جن میں پانچ آرا نمایاں ہیں۔ اس تفاوت میں بڑا عمل دخل اس بات کا تھا کہ کس عالم نے یہ رائے کاغذی کرنسی نظام کے ارتقا کے کس مرحلے پر دی، کیونکہ کرنسیوں کا سونے کے ساتھ وقت کے ساتھ بدلتا رہا ہے۔ یہ پانچ آرا کچھ یوں ہیں۔

۱۔ کاغذی کرنسی سونے اور چاندی کی رسیدوں کے طور پر لی جائے۔

۲۔ اسے سونے اور چاندی ہی کے طور پر سمجھا جائے۔

۳۔ اسے ایک عام قرض کے طور پر لیا جائے۔

۴۔ اسے فلوس کے طور پر لیا جائے۔

۵۔ اسے ثمنِ عرفی کے طور پر لیا جائے۔

ان میں سے پہلی رائے اس امر پر ' تھی کہ کاغذی کرنسیاپنے ابتدائی دور کی طرح سونے کے موجود ذخائر کی رسیدوں کی علمبردار ہو۔ جدید دور میں جہاں ذخائر موجود نہیں، وہاں یہ رائے اب ناپید ہو ہے۔

دوسری رائے بھی اس پہلی رائے کے ساتھ منسلک تھی۔ اس کے تحت اگر بینک میں سونے کے ذخائر موجود ہیں، تو اس کی رسیدوں کے عام استعمال کے تحت انہیں محض رسیدوں کی بجائے سونے اور چاندی ہی کے مترادف لے لیا جائے، تاکہ لین دین کے کچھ معاملات آسان ہو جائیں مثلاً { حاصل کرنے کی شرط وغیرہ۔ یہ رائے بھی پہلی رائے کی طرح اب قابل اطلاق نہیں، کیونکہ آج 3/4 کی کرنسی کے پیچھے ہم وزن سونا اور چاندی کے ذخائر موجود نہیں۔

تیسری رائے تھی کہ کاغذی کرنسی کو قرض کے طور پر لیا جائے، یعنی ایک ایسا قرض جو بینک نے سونے اور چاندی کی شکل میں کرنسی کے حامل کو ادا کرنا ہے۔ یہ رائے آج بھی قابل اطلاق ہے اور اس کے مسائل پر آگے بات کریں گے۔

چوتھی رائے کہ کاغذی کرنسی، خصوصاً حکو 0 کرنسی جو 'حامل ہذا' کو ادائیگی کے وعدے پر نہیں، بلکہ ذاتی لحاظ سے قانونی سکہ رائج الوقت ہے، اس کے بارے میں علما نے فلوس ہونے کے تحت گنجائش نکالی۔ مگر اس رائے میں K وری یہ ہے کہ فلوس کو فقہا نے ثمن کے مترادف نہیں سمجھا اور اس وجہ سے اس پر زکوۃ نہیں ہوتی۔

ایک ایسی چیز جس پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، وہ مال کی علمبردار تو ہو سکتی ہے، مگر ثمن یعنی کرنسی کی نہیں۔

پاa یں رائے یہ ہے کہ اسے ثمن عرفی ہونے کے تحت ایک مکمل کرنسی کے طور لیا جائے، جس میں اس کا ثمن خلقی کے ساتھ کوئی رشتہ ہونا لازمی نہیں۔

آج¾ صرف ثمن عرفی اور فلوس والی آرا قابل اطلاق ہیں اور علما بھی ان ہی دونوں کے ذریعے کاغذی کرنسی نظام کا دفاع کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی انہی تک بحث محدود رN گے۔

فلوس اور ثمن عرفی

اسلامی سلطنت میں ثمن کی معروف H تو دینار و درہم ہی تھی، مگر کچھ علاقوں میں تا b کے فلوس بھی چھوٹی مقدار کے لین دین کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہ مکمل طور پر کرنسی کی حیثیت سے رائج نہیں تھے لہٰذا فقہا نے ان کے اوپر مختلف آرا قائم d ۔اس اc ف کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے جدید دور کی ایک مثال بہت مفید ہے۔ آج¾ بہت سے بڑے دکاندار اپنی دکان میں موجود اشیا خریدنے کے لیے e (Gift) کارڈ جاری کرتے ہیں جو لوگ ایک دوسرے کو تحفے میں بھی دیتے ہیں اور ان کی مدد سے دکان سے کوئی بھی چیز خریدی جا سکتی ہے۔ کچھ بڑے پرچون فروش ایسے ہیں جن کی اشیاء میں اتنی وسعت ہے کہ ہر کسی کو کبھی نہ کبھی وہاں سے کچھ خریدنا ہی ہوتا ہے۔ پس ان کے e کارڈ ایک طرح سے اپنی مالیت کی رقم کے مترادف ہیں، کیونکہ رقم کی طرح آپ ان سے کچھ بھی خرید f ہیں۔ آہستہ آہستہ معروف کریڈٹ کارڈ $ ں(Credit Card Companies) نے بھی اپنے e کارڈ جاری کرنا شروع کر دیے جیسے ویزا(Visa) اور ماسٹر (Master) کارڈ وغیرہ۔ یہ بھی کرنسی کی طرح کسی بھی دکان پر استعمال کیے جا f ہیں۔

e کارڈوں کی O لیت کے ساتھ ہی امریکہ کی قانونی ` میں ان کی نسبت ایک تبدیلی اور ارتقا نظر آتا ہے۔ شروع میں جب ان کی ? اد اور مقدار کم تھی تو قانونی طور پر انہیں نظر انداز کیا جاتا رہا اور ان کو دیگر قابل فروخت چیزوں مثلاً دودھ اور انڈوں کی طرح اشیا خورد کے زمرے میں رکھا گیا۔ مگر جب ان کی مقدار اور O لیت میں اضافہ ہوا، تو امریکی حکومت نے انہیں جمع شدہ مالیت (Stored Value) کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے ایک h قانونی حیثیت دے دی اور اس کو ڈالر اور دیگر مالی د / ویزات (Financial Instruments) کی طرح تمام مالیاتی قواعد وضوا کا پابند کر دیا[3R]۔ یہاں بنیادی نکتہ جس نے حکومت کی رائے تبدیل کی، وہ یہ تھا کہ آیا یہ کارڈ عملی طور پر کرنسی کے طور پر استعمال ہونا شروع ہو گئے ہیں یا محض ذاتی استعمال میں آ رہے ہیں۔ جب ان کے استعمال میں تکیدکا f ہوا، تو حکومت نے کر ُ بیکی طرح ان پر منی لانڈرنگ (Money Laundering) اور دیگر قواعد کا اطلاق

US Code 31 CFR Chapter X35

کر دیا۔

اسی طرح فلوس سے متعلق آ â میں آرا کا تفاوت اس امر پر ملحوظ تھا کہ آیا فلوس اس حد تک رائج ہیں یا نہیں کہ انہیں ثمن کی حیثیت دی جائے اور ان پر ربا کے قوانین لاگو کیے جائیں۔

امام سر h نے اسی قاعدے کے تحت امام ابو g کے شاگرد محمد الشیبانی کی رائے نقل کی ہے کہ فلوس اگر ثمن کی طرح معاشرے میں گردش کریں تو انہیں ثمن ہی کی حیثیت میں لیا جائے گا [3] اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ تبادلے میں استعمال ہونے والے j اپنی مخصوص خت اور انفرادی حیثیت کے بغیر استعمال ہوں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ دس روپے کا نیا نوٹ اور پرانا استعمال شدہ معمولی سا k ہوا نوٹ، دونوں دس روپے کی حیثیت ہی سے استعمال ہوتے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہتا کہ = نوٹ کی قیمت پرانے نوٹ سے زیادہ ہے۔ پس جب امام ابو g نے دیکھا کہ فلوس ثمن کے طور رائج ہیں تو انہوں نے ان پر ربا کے قوانین کا اطلاق کر دیا۔

اس کے بر عکس امام ما M کا نقطہ نظر معروف ہے کہ وہ فلوس کو ثمن نہیں سمجھتے تھے [3]۔ وہ نہ ان پر ربا کا اطلاق کرتے اور نہ ہی ان پر زکوٰۃ کو واجب سمجھتے۔

مگر اس بظاہر ا c ف میں بھی اہم بات یہ ہے کہ دونوں آ â نے ایک ہی قاعدہ اپنایا ہے اور فرق صرف اپنے اپنے دور کے معاشرتی حالات کی تخیئ l اور ان میں اس ü ں قاعدے کے اطلاق کا ہے۔ امام ما M نے فلوس کو اتنا O ل عام نہیں سمجھا کہ اسے ثمن کی حیثیت عطا کریں، مگر وہ بھی امام ابو g کے طرح فلوس کو قبول کرنے کے امکان کا اعتراف کرتے ہیں، o p معاشرتی حالات اس کا مطالبہ کریں۔ اس کا n ت المدونہ ا m ی میں درج ان کے اس نظریے سے ملتا ہے کہ اگر مو q ں کی کھالیں بھی ثمنِ عرفی کے طور رائج ہو جائیں تو ہم ان کا سونے اور چاندی سے تاخیر کے ساتھ تبادلہ ممنوع کر دیں گے۔

پس ہم اس T پر r ہیں کہ

۱۔ اسلامی معاشرے میں عوام جس چیز کو چاہیں ثمنِ عرفی کے طور کرنسی کا درجہ دے f ہیں۔

۲۔ فلوس کی اجازت بھی دراصل اسی ثمن عرفی کے قاعدے کی ایک مثال ہے کہ جب فلوس O ل عام ہو گئے تو ثمن عرفی کا درجہ اختیار کر گئے۔

۳۔ ثمنِ خلقی یعنی سونا اور چاندی اگر کر zکے طور رائج نہ بھی ہوں تو اپنی کرنسی کی حیثیت بر قرار رکھتے ہیں۔

۴۔ تاریخی طور پر فلوس کو بعض فقہا نے کر zکے طور اس لیے نہیں مانا کیونکہ یہ بہت چھوٹے پیمانے پر کم مالیت کے لین دین کے لیے اور غیر ر S یطور پر استعمال ہوتے تھے اور ثمنِ عرفی کی شرائط پوری نہیں کرتے تھے۔

Waqar Masood Khan, Transition to a Riba Free Economy. International Institute of Islamic Thought. p 113 36

Malik Bin Anas, Al-Mudawana Al-Kubra. Ed Sahnun bin Said. Dar Sader, 2005 37

ان x ئج کی روشنی میں یہ لگتا ہے کہ اگر فلوس اور ثمن عرفی کی کوئی بھی شکل عوام میں O ل ہو جائے تو وہ جائز ہے، جس میں کاغذی کرنسی بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے کچھ علما بھی کاغذی کرنسی کو فلوس کی حیثیت میں جائز سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ثمن عرفی کی اجازت کے باوجود بھی کاغذی کرنسی جائز نہیں، اور یہی دینار تحریک کا موقف ہے دراصل کاغذی کرنسی کا یہ نام قدرے t اہ کن ہے۔ نام سے یہ لگتا ہے کہ اس میں اور دینار میں فرق صرف یہ ہے کہ دینار سونے کا ہے اور یہ کاغذ کی۔ مگر اس کاغذ کو ثمنِ عرفی کی حیثیت د B کے لیے ہمیں اس کے دیگر پیچیدہ پہلوؤں کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا اگر کاغذ کی قیمت پر u اور کاغذ ہی کی قیمت پر استعمال ہو تو پھر وہ تاریخی طور پر اس فلوس کے معیار پر اترتا ہے جو رائج رہا اور جائز بھی ہے۔ اس شکل میں عوام اسے معروف طور پر کاغذ کی قیمت پر استعمال کریں گے اور ایک ردی والا یا کباڑیا بھی اس کاغذی کرنٰ یکو تخلیق کر سکے گا۔ مگر اس شکل میں کاغذی کرنسی دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں۔ اگر آپ کرنا چاہیں تو دینار تحریک سے منسلک تمام لوگ اس کو دل سے قبول کریں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کاغذی کر یمحٰ I کاغذ کی بنی ایک O لِ عام شے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک پیچیدہ نظام کی علمبردار , د / ویز ہے اور اس کے ساتھ منسلک بہت سے محرکات ایسے ہیں جو شریعت سے متصادم ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے اسے کاغذی کرٰ یکی بجائے حکٰ یکرنسی کا نام دے رکھا ہے۔ آW اب اس کے پیچھے موجود نظام کے وسیع تر محرکات کو بے نقاب کریں، جو اس کرنسی کو فلوس سے مکمل طور پر مختلف بنا دیتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ کرنسی کا 6 ی 5ذ

ہمارا پہلا اعتراض اسلام میں تجارت کی آزادی کے اصول پر ہے۔ اسلام تجارت کی زبردستی روک تھام کی ممانعت کرتا ہے اور یہ اصول قرآن پاک کی دو آیات پر ہے۔

۱۔ سورۂ البقرہ کی آیت ۲۷۵ جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

۲۔ اور دوم سورۂ ا V یم کی آیت جس میں فرمایا گیا ہے کہ "آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے۔"

پہلی آیت میں تجارت کو برملا حلال قرار دیا گیا ہے اور دوسری میں کسی حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ حکومتوں کے لیگل ٹینڈر قوانین جو , کرٰ یکو ممکن بناتے ہیں، وہ اس اصول کی کھلی خلاف ورزی ہیں کیونکہ وہ سرکاری کرنسی کے علاوہ دوسری اشیا مثلاً سونے اور چاندی کی آزادانہ تجارت یعنی ان کو ذریعہِ ادائیگی کے طور پر لین دین میں استعمال کرنے سے رو W ہیں۔ ایک حلال تجارت سے 6 اَرو کنا اس حلال عمل کو حرام قرار د B کے مترادف ہے۔

اس پوری کتاب میں موجود تمام تر حکمت قرآن کریم کی ایک آیت ۲:۲۷۵ کے اندر † ئی ہوئی ہے، جس

میں ارشاد ہوا ہے کہ ''اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام۔'' باب اول میں ہم نے اس x کی ایک حکمت یہ لکھی کہ ربا کو تجارت کی ضد کے طور پر پیش کر کے اللہ سبحانہ و تعالی نے ایک انتہائی y تصور کو مکمل جا z کے ساتھ } ترین طریقے سے سمجھا دیا۔ اب اسی آیت کا ایک اور خوبصورت پہلو یہ ہے کہ ربا کی ممانعت کے شانہ بشانہ، یعنی اسی قوت اور | کے ساتھ تجارت کے جائز اور حلال ہونے پر بھی زور دیا گیا۔

سرسری { ہ سے دیکھیں تو اس کی ضرورت Ø س نہیں ہوتی، کیونکہ یہ بات تو کہے بغیر بھی درست جانی جاتی۔ ہم جا Õ ہیں کہ جو چیزیں برملا ~ وہ یا حرام نہیں کی گئیں وہ خود بخود جائز اور حلال ٹھہرتی ہیں [3]۔ کیونکہ تجارت کی ممانعت نہیں پس وہ حلال ہے۔ مگر قرآن نے ایک قدم آگے بڑھ کر برملا تجارت کے حلال ہونے کا اعلان ربا کی ممانعت کے ساتھ کیا اور اس کے علاوہ بھی سورۃا کی آیت ۲۹ میں فریقین کی رضا ' ی سے آزادانہ تجارت کی اجازت دی۔ تجارت کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ پیغمبر کی سنت بھی ہے، جس میں خصوصی طور پر دینار اور درہم کو تجارت میں استعمال کرنا شامل ہے۔

اب اس تجارت کو حلال کرنے کے بعد دوسری آیت میں یہ قانون دے دیا کہ جن چیزوں کو ہم کتاب الٰہی میں حلال کر دیں، ان کو حکو > تو دور کی بات، پیغمبر بھی بعد میں حرام قرار نہیں دے f ۔

ایک اسلامی ملک میں کسی حلال چیز کی تجارت میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی، مگر اب سوZے کہ وہ اسلامی ملک ہو گا جہاں اس تجارت سے بھی روکا جائے جس کا کرنا پیغمبر کی سنت رہا ہو، یعنی دینار اور درہم کی تجارت؟ , نہی کو نافذ کرنے کے لیے کچھ ایسے قوانین بنائے گئے ہیں جو کہ حلال تجارت کو حرام کرنے کے مترادف ہیں اور حکومت پاکستان فوجداری سطح پر × نوں کو اس سنت کو اپنانے سے رو ہے۔ ان کو ہم نے باب میں بھی [ن کیا اور دوبارہ تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ا یز کے دیے ہوئے ایک قانون میٹل ٹوکنز ایکٹ (Metal Tokens Act) کے تحت حکومت سرے سے دینار اور درہم کی تخلیق ہی کو غیر قانونی قرار دے ہے۔ اس قانون کے تحت آپ کسی بھی دھات سے ایسی چیز نہیں بنا f جسے تجارت میں استعمال کیا جا سکے۔ یہ قانون ا یز نے اپنی کرنسی کو 6 ی طور پر رائج کرنے کے لیے بنایا تھا، مگر ایک آزاد اسلامی معاشرے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان ایکٹ ۱۹۵۶ء کے تحت روپے کا نوٹ پاکستان میں لیگل ٹینڈر رہے۔ فرض کریں کہ میں اور میرا ایک دوست ایک معاہدہ کرتے ہیں کہ میں اسے اپنا مکان کرایہ پر دوں گا اور ہر ماہ اس سے ۵ گرام سونا، یعنی ثمنِ خلقی اور ثمنِ نبوی ، کرائے کے طور پر وصول کروں گا۔ اگر وہ I کرایہ نہ دے تو میں عدالت میں جا سکتا ہوں کہ یہ شخص I کرایہ نہیں دے رہا۔ مگر عدالت اسے مجبور نہیں کرے گی کہ وہ معاہدے کے تحت I سونا دے بلکہ عدالت اس قرض کو لیگل ٹینڈر میں ادا کرنے کی اجازت دے گی کیونکہ لیگل ٹینڈر رہر H

.Principle of Ibahah38

کی ادائیگی کو نے کے کام آسکتا ہے۔ پس حکومت کا لیگل ٹینڈر قانون میرے نجی معاہدے کو نظر انداز کر دے گا اور اس کو بے و 0 بنا دے گا۔ یوں میں مجبور ہو جاؤں گا کہ حکو 0 کرنسی استعمال کروں۔

۳۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان ایکٹ ۱۹۵۶ء ہی کے مطابق، اگر میں بینک یا کوئی این بی ا d سی یعنی نان بینکنگ فنانس کارپوریشن (Non-Banking Finance Corporation) کھولنا چاہتا ہوں تو I اس کا تمام لین دین لیگل ٹینڈر منی میں کرنا پڑے گا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں مشارکت کے تحت سرمایہ کاروں سے سونے میں سرمایہ لوں گا، تو حکومت اس کی اجازت نہیں دے گی۔ حکومت بینک اور فنانس سے متعلق کوئی بھی کام اپنے حکو 0 روپے کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں ہونے دیتی۔ مالی خدمات فراہم کرنے والا کوئی بھی ادارہ یا تو بینک کی صورت میں ہوتا ہے یا این بی ا d سی یعنی نان بینکنگ فنانس کی صورت میں۔ ایسی بنانے کے لیے آپ کو سٹیٹ بینک سے لائسنس لینا پڑتا ہے اور وہ روپے کے علاوہ کسی اور شے مثلاً دینار و درہم میں ایسی خدمات د B کے لیے لائسنس جاری نہیں کرتے۔ پس اگر آپ کوئی بھی مالی خدمت، جیسے مال کی حفاظت، ترسیل یا مضاربت کے کاروبار شروع کرنا چاہیں تو آپ کو لائسنس صرف تب ملے گا جب آپ یہ کام روپے یعنی حکیکرنسی میں کریں۔ دینار میں کرنے کے لیے لائسنس نہیں ملے گا اور اگر لائسنس کے بغیر کریں گے تو حکومت آپ کو میں ڈال دے گی یا جرمانہ لگا دے گی۔

۴۔ا G آرڈیننس ۲۰۰۱ء۔ اس آرڈیننس کے تحت ہر شخص کو حکومت کو G لیگل ٹینڈر ہی میں دینا ہے، پس اگر کوئی اس کرنسی کے بے و 0 ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال چھوڑ بھی دے تو اسے حکومت کو G د B کے لیے یہ کرنسی حاصل کرنا پڑے گی۔ اس کے برعکس اسلام میں اس بات کی اجازت ہے کہ سونے کی زکوٰۃ سونے میں دی جائے، چاندی کی چاندی میں، یہاں تک کہ مو کی زکوٰۃ بھی مو ہی میں دی جاتی ہے۔ مغرب زدہ ماہرینِ معاشیات تو اسے محض ایک تاریخی روا للیں گے مگر دراصل اس میں بہت بڑی حکمت ہے کہ زکوٰۃ، جو اسلامی G ہے، وہ اسلامی حکومت کسی تیسری شے میں لینے کی ز نہیں ہے اور نہ ہی عوام کو کسی اور شے میں ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

۵۔ G ایکٹ ۱۹۹۰ء۔ اس قانون کے تحت اگر آپ روپے کے علاوہ کسی اور شے سے ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کریں یعنی سونے اور چاندی کے ذریعے تو حکومت آپ کو مجبور کرتی ہے کہ آپ اس سونے اور چاندی پر G ادا کریں۔ اگر ہم دکاندار سے ایک کا ڈبہ ۱۰۰ روپے میں لیں تو حکومت ۱۰۰ روپے کے نوٹ اور کے ڈبے کی تجارت کی اجازت دے گی۔ پر اگر میں کے ڈبے کے بدلے ایک چاندی کی ڈلی دوں، جو اسی وزن کی ہو جو پیغمبر نے درہم کے طور پر استعمال کی، تو اسلامی جمہوریہ پاکستان I مجبور کرے گی کہ میں اس چاندی کی ڈلی میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر حکومت کو G کے طور پر دے دوں۔ یہاں سو روپے کے نوٹ پر G نہ لگا کر اور سونے اور چاندی پر لگا کر حکومت ایک طرح سے لوگوں کو مجبور کر رہی ہے کہ لوگ سونے اور چاندی میں

لین دین نہ کریں۔ G تو کے ڈبے پر بھی اتنا ہی ناجائز ہے جتنا سونے پر، مگر اس بحث میں ہم فی الحال نہیں پڑتے۔ ایک اسلامی آزادانہ تجارتی ماحول میں حکومت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اشیا کی خرید وفروخت پر G یا جی ا ٹی لگائے۔ یہ مغربی مماM کے غیر حکمرانوں کی ایجاد ہے اور نو آبادیاتی نظام سے پہلے تاریخ میں کبھی کسی × ن حکمران کے ہاں G کا کوئی تصور نہیں رہا۔

۲۔ G کے علاوہ دوسرا طریقہ جو استعمال کیا جاتا ہے وہ ہے کیپیٹل G ۔اس کے مطابق اگر والے نے چاندی کے بدلے فروخت کیا، اور پھر کسی اور دکاندار سے آٹا خرید لیا، تو اگر ان دو معاملات کے درمیان حکو 0 روپیہ قدر میں جاتا ہے تو اس بیچارے کو اپنی چاندی استعمال کرنے کا ایک اور زہ بھرنا پڑے گا۔ حکو 0 روپے کے گرنے کی وجہ سے اور چاندی کی اپنی قدر برقرار رکھنے کی وجہ سے اس کو جو نفع ہوا ہے، یا دوسرے لفظوں میں وہ جس نقصان سے بچا ہے، اسے اپنی آمدن دکھا کر اس کے اوپرا G دینا پڑے گا۔

اس طرح کے بہت سے ایسے قوانین ہیں جو قدم قدم پر سونے اور چاندی کی تجارت اور معاملاتِ صرف میں دخل انداز ہوں گے اور عملی طور پر ان کے استعمال کو ناممکن بنادیں گے۔ یعنی روپے کو استعمال کرنے پر مجبور کریں گے اور دینار کے استعمال سے رو d گے۔ , کرنسی کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ کاغذ کے ایک بے و 0 ٹکڑے کو کرنسی کے طور پر استعمال کرنے پر ہمیں مجبور کرتی ہے۔ اس 6 ی استعمال کی وجہ سے کاغذ کے وہ ٹکڑے منڈی میں صرف اس لیے اہم بن جاتے ہیں کہ ان کے بغیر تجارت اور لین دین نہیں ہو سکتا۔ جس دن یہ 6 ختم ہو گیا تو یہ کاغذ اپنی اصل و 0 پر واپس آجائے گا اور سو روپے کا نوٹ دس پیسے کا بھی نہیں u گا۔ پس حکیکر نسی کے غیر اسلامی ہونے کی سب سے پہلی وجہ اس کے اندر حکو 0 سطح پر یہ 6 ی 5ذ ہے، جو اسلام میں آزادانہ تجارت کے تصور سے متصادم ہے۔

اس کے برعکس ہم جا Õ ہیں کہ پیغمبر نے کبھی کسی حلال تجارت پر پابندی نہیں لگائی اور اپنے زمانے میں رائج تمام کرنسیوں کو قدرتی طور پر r لنے اور استعمال ہونے یا استعمال سے وم ہو جانے کی اجازت دی، جن میں گندم، جو، نمک، کھجور، سونا اور چاندی شامل ہیں۔ اور یہ ہی اصل اسلامی طریقہ ہے کہ عوام اپنی مرضی سے اطلا اشیا میں تجارت کریں اور ان پر کوئی 6 نہ کیا جائے کہ آٹا بیچو تو بدلے میں ضرور با وریہ بے و 0 کاغذ کا ٹکڑا لو کیونکہ اس پر ہماری مہر لگی ہوئی ہے۔

یہاں ایک نکتہ یہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ تجارت کا حلال ہونا مخصوص شرائط کے ساتھ ہے، لہٰذا حکومت اس میں مداخلت کر سکتی ہے۔ مثلاً قانون میں ت کی تجارت کی ممانعت ہے، اور ہم جا Õ ہیں کہ یہ ممانعت جائز ہے لہٰذا تجارت کی اجازت کا حکم ہر وقت ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا۔ مگر یہ نکتہ اس لیے غلط ہے کہ قرآن کے ایک حکم کو قرآن ہی کا دوسرا حکم رد کر سکتا ہے، کوئی دنیاوی حکم نہیں۔ ت کی حرمت بھی دین نے قائم کی ہے، لہٰذا اس سے روکنا حکومت کا اپنا نہیں بلکہ دین ہی کے دوسرے ا م پر عمل درآمد ہے۔ اس کے برعکس دین میں کوئی ایسی بات

نہیں جو کہ دینار و درہم کے استعمال کی سنت کی ممانعت کرے۔ بلکہ قرآن نے درج ذیل آیات کے ذریعے سونے اور چاندی کو مال کا مر دیا ہے، اور اب ان کے استعمال سے روکنا بر ملا طور پر قرآن کی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ

مرغوب چیزوں کی لوگوں کے لیے مزین کردی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان دار 9 ڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لو کا اچھا نا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

(سورہ آل عمران: 1)

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انھیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ واپس کردیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انھیں ایک دینار بھی امانت دے تو ادا نہ کریں، ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی $ ا رہے، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جا ل (غیر Ûدی) کے حق کا کوئی ﺎہ نہیں، یہ لوگ باوجود جا + کے اللہ تعالیٰ پر i ٹ کہتے ہیں۔

(سورہ آل عمران: R)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ

ہاں جو لوگ ¢ کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو / یے میں ہی ہو تو بھی ہر گز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے £ د B والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مدد گار نہیں۔

(سورہ آل عمران: ¥1)

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُواْ فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

اورانہوں نے اسے بہت ہی ¤ قیمت پر § کے چند در f ں پر ہی بیچ ڈالا، وہ تویو ¥ کے بارے میں بہت ہی بے ر ' تھے۔

(سورہ یو ¥ :2Þ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

اے ایمان والو آ اکثر علما اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی پہنچاد "۔

(سورہ التوبہ: 3)

, کرنسی کے معروف دلائل کی تردید

لیگل ٹینڈر (Legal tender) قوانین کے دفاع میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں بہت سے حکمرانوں نے سرکاری سطح پر دینار اور درہم حکو 0 مہر کے ساتھ جاری کیے۔ یہ 2 › » بن مروان سے شروع ہوا اور ابن ‹ ون نے تو اس کو سلطان کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک قرار دیا۔ تاریخ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ بسا اوقات لوگوں کو fl دینار و درہم جاری کرنے پر fi ابھی دی گئی، یعنی فوجداری سطح پر کرنسی کا اختیار حکومت کے پاس رہا۔ تو کیا اس وقت جو حکو › کرنسی جاری کرتی تھیں وہ بھی 6 ی اور غیر اسلامی تھا؟ اس تنا میں ہم کیسے کہہ f- ہیں کہ اسلام نے پسندیدہ کرنسی اختیار کرنے کا حق عوام کو دیا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ ہمارے دین کو کریم نے مدینہ ° رہ میں عملی طور پر قائم کرکے اس کا ایک مکمل — نہ پیش دیا، جس میں مد B کا کوئی سرکاری لیگل ٹینڈر ‡ں ¨ااور نہ ہی · ¶راشدین نے سرکاری ٹینڈر جاری کیا۔ بعد کے حکمرانوں نے جب ایسا کیا تو اس کی نوعیت جدید دور کے لیگل ٹینڈر سے بنیادی طور پر مختلف تھی۔

حکومت کا ایک فرض یہ ہے کہ منڈی میں تجارت کو } بنائے اور عوام کو ہر H کے ظلم و زیادتی سے µ دے۔ بددیانت لوگ جعلی کرنسیاں ہر دور میں جاری کرتے رہے ہیں۔ اس زمانے میں بھی یہ ممکن تھا کہ کوئی کم

وزن کا دینار خود بنا کر منڈی میں استعمال کر لے۔ عام لین دین کے دوران منڈی میں ہر شخص اس کو تول کر نہیں د ¶ ،اس لیے دھوکا کھانے کا زیادہ امکان ہوتا۔ اس دھوکا دہی سے بچانے کے لیے اسلامی حکو > دینار اور درہم کا اجرا اپنے ہاتھ میں لے • ۔ آج ¾ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ عمل لیگل ٹینڈر قانون کے مترادف کم اور کاپی رائٹ (Copyright)، فراڈ اور دھوکا دہی کے متعلق قوانین سے زیادہ موازنت رکھتا ہے۔ یعنی اگر حکومت دینار بنائے، یا روپیہ بنائے تو اسے یہ حق ہے کہ ویسے نقش و { رر کھنے والے سکے یا نوٹ کسی اور کو جاری نہ کرنے دے۔ اور یوں اس کے نام کے اعتبار کا کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ یہ معاملہ جدید دور کے لیگل ٹینڈر قوانین سے قطعی طور پر مختلف ہے کیونکہ تاریخ میں آپ کو یہ کہیں نہیں ملے گا کہ کسی اسلامی حکومت نے , یوں کو مجبور کیا ہو کہ اگر وہ تجارت کر رہے ہیں تو ضرور با ور سرکاری دینار ہی استعمال کریں۔ اسی طرح عہد نبوی میں بھی فارس کی کرنسی عرب میں استعمال ہوتی رہی۔

لیگل ٹینڈر کا دوسرا جواز یہ دیا جاتا ہے کہ جمہوریت میں ہم اپنی O سے حکومت کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ قانون بنائے اور ہم پر نافذ کرے۔ پس لوگوں کو روپیہ استعمال کرنے پر مجبور کرنا 6 ی نہیں بلکہ ہمارے نمائندے ہماری رضا سے ایسا کرتے ہیں۔ ایک مخصوص سرکاری کرنسی استعمال کرنا من " ا ,, م ہمارا اختیاری عمل ہے، جو اجتماعی انتظامی ضروریات کی وجہ سے اپنایا گیا ہے۔

اس کی تردید کے لیے ہمیں حکومت اور فرد کے ر . . . کو « پڑے گا۔ اسلام میں حکومت کی طاقت دو مختلف ذرائع سے آتی ہے، ایک آسمانی اور ایک دنیاوی۔ حکومت کے آسمانی حقوق وہ ہیں جو قرآن و سنت نے اسے عطا کیے ہیں۔ ان کے 5ذ کا حکومت کو حق حاصل ہے۔ مثلاً زکوٰۃ لینا یا ‰ص نافذ کرنا۔ اگر کوئی شخص حکومت کو مقررہ شرح پر زکوٰۃ نہ دے تو حکومت زبردستی فوجداری عمل سے اس سے زکوٰۃ لے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دوسرے کو ¾ کر دے تو حکومت ‰ص کے تحت اس کی بھی جان لے سکتی ہے۔ یہ آسمانی حقوق ہیں اور حکومت اس بات کی Xج نہیں کہ جن پر یہ قوانین لاگو کیے جا رہے ہیں، وہ ان پر راضی بھی ہیں یا نہیں۔ اگر وہ × ن ہیں تو انھیں ان پر راضی ہونا پڑے گا۔ یہاں 6 کی اجازت ہے، ! کہ صدیق اکبر نے 6 ی طور پر زکوٰۃ وصول کی۔

حکومت کو دیے گئے ایسے آسمانی حقوق بہت کم ہیں۔ باقی تمام انتظامی معاملات کے y جو حکومت کرتی ہے، ان کا دنیاوی ذرائع سے حاصل قوت سے ہے۔ یعنی ہم نے شوریٰ کے ذریعے اپنا نمائندہ [،جو حکومت ے لئے پر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ حکومت زمین خرید کر وہاں سکول بنائے گی۔ کچھ لوگ چاہتے تھے کہ À ل بنایا جائے۔ مگر حکومت نے سکول کا فیصلہ کیا۔ یہ بھی ایک 6 ی فیصلہ ہے یعنی میں چاہتا ہوں کہ À ل Ú اور حکومت سکول بنا رہی ہے۔ مگر اس 6 کی اجازت حکومت نے ہم ہی سے لی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کی قوت حکومت کے پاس آسمانی ` رسے نہیں آئی بلکہ عوامی ` رسے آئی ہے۔

الغرض حکومت دونوں H کے دینی اور دنیاوی معاملات میں 6 کر سکتی ہے۔ مگر ان دونوں H کے 6 ی ´ ں میں ایک بہت اہم فرق ہے۔ وہ یہ کے y کے 5ذ کی قوت اس y کا اختیار عطا کرنے والے کے ذریعے

آتی ہے۔اللہ کی طرف سے دی ہوئی قوت کسی طاقت کے آگے جواب دہ نہیں، پس پاکستانی عوام،اقوام ^ ہ، یا اگر خود کوئی > موجود ہو تو وہ بھی امیر کے زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیار کو ختم نہیں کر سکتا۔اس کے بر عکس عوام اپنے انتظامی امور کی بابت جو اختیارات حکومت کو دیتی ہے،ان کو نافذ کرنے کی حکومت میں اتنی ہی قوت ہے جتنی اختیار د B والی عوام کی۔جو اختیارات خدا نے آپ سے لے لیے، مثلاً زِنا کرنے کا اختیار، وہ عوامی حکومت چاہے بھی تو نہیں دے سکتی۔اور جو اختیارات اللہ نے آپ کو دے دیے، مثلاً آزادانہ تجارت کرنے کا، وہ عوامی حکومت چاہے بھی تو آپ سے لے نہیں سکتی۔عوام چاہے بھی تو اپنے نمائندوں کے ذریعے ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو خدا کی طرف سے دیے ہوئے تجارت کے اختیار میں رکاوٹ ڈالے۔

اسلامی نظامِ حکومت اور Z ر کے نظامِ حکومت میں یہ ایک اہم فرق ہے۔مغربی ~ لر (secular) معاشرہ الٰہی ا م سے اپنا رابطہ — کر کے اب ہر فیصلہ عوام پر چھوڑ دیتا ہے۔چونکہ وہاں کوئی خدائی ˘ یٹ نہیں، لہٰذا عوام اجتماعی طور پر فرد سے کوئی بھی اختیار لے سکتی ہے۔برطانیہ کی پار ن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مرد کو عورت اور عورت کو مرد قرار دے سکتی ہے۔مگر × ن حکومت میں عوامی اور جمہوری رائے اللہ کے دیے گئے اختیارات سے تجاوز نہیں کر سکتی۔

دنیاوی معاملات میں اسلامی حکومت کے اختیارات اتنے ہی ہیں - کہ × ن عوام کے نجی طور پر۔اگر میں چاہوں تو اپنے ملازم کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہوں کہ اسے تنخواہ روپوں میں نہیں بلکہ گندم کی بوریوں میں دوں گا۔حکومت بھی چاہے تو سرکاری اہلکاروں کے ساتھ معاہدہ کر سکتی ہے کہ انہیں تنخواہ سرکاری روپے میں دے گی۔بلکہ پوری قوم کے ساتھ کوئی بھی معاملہ کرے گی تو سرکاری لیگل ٹینڈر میں کرے گی۔حکومت کا یہ اختیار ایک فرد کا سا ہے اور اس حد تک لیگل ٹینڈر میں کوئی مضائقہ نہیں۔اگر میں دینار کو پسند کر سکتا ہوں تو حکومت کو بھی مکمل اختیار ہے کہ روپے کو پسند کرے۔مگر اسے یہ اختیار نہیں کہ جب میں زید کے ساتھ تجارت کروں تو وہاں بھی ہماری پسند کی اشیا میں تجارت کی بجائے حکومت کی پسند کی اشیا یعنی روپے میں تجارت ہو۔یہاں حکومت اپنے اختیارات سے بڑھ کر میرے اس حق سے تجاوز کر رہی ہوگی جو دین نے I دے دیا ہے۔

ہمیں لیگل ٹینڈر کے جن پہلوؤں پر اعتراض ہے،ان کا ان معاملات سے ہے جو عوام پر زبردستی نافذ کیے جاتے ہیں۔اگر زید حار É سے دینار میں تجارت کر رہا ہے،دینار میں قرض دے رہا ہے یا دینار میں تجارتی معاہدہ کر رہا ہے تو اسے پورا اختیار ہے کہ Ó امتیاز ایسا کر سکے۔جب لیگل ٹینڈر قانون یہاں مداخلت کرتا ہے تو وہ غیر اسلامی 6 ی قانون بن جاتا ہے۔

اس بحث کے پیشِ نظر حکومت کے وہ قوانین جو لیگل ٹینڈر اور G (Sales tax) سے متعلق ہیں، اسلام انہیں قانونی اصطلاح میں وائڈ قوانین (Void Contract) کے طور پر د ˙ گا۔

, کرنسی کے دفاع میں ایک آخری قدرے ¨ خیز دلیل ایک صاحب نے یوں [ن کی کہ جب میں

بازار میں ڈبل روٹی خریدنے جاتا ہوں تو دکاندار بخوشی یہ کرنسی وصول کرلیتا ہے۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ کرنسی کا یہ استعمال 6 ی ہے مگر اس میں 6 تو کہیں دکھائی نہیں دیتا؟ دراصل 6 ضروری نہیں کہ بالوا Ò ہو، بلکہ اکثر اوقات Óوا Ò ہوتا ہے۔ ایک شخص کسی کو قید کرکے اسے مجبور کرے کو وہ اپنی زمین اس کے نام کر دے۔ اب اس مشکل سے É کی خاطر وہ بخوشی دستخط کر دے گا، مگر اس کا یہ عمل مکمل طور پر آزادانہ نہیں ہو گا۔

دکاندار جو بظاہر خوشی سے روپیہ لے رہا ہے، صرف اس لیے لے رہا ہے کہ دینار وصول کرکے وہ حکومت سے ا ° نہیں چاہتا۔ یا اسے دینار کے فوائد اور روپے کی اصل حقیقت معلوم نہیں۔ عوام کو ایک منظم طریقے سے کاغذی کرنسی کی ' ٕ ات الشیدZان' پر ڈال دیا گیا ہے جس پر وہ چپ چاپ، اصل حقیقت سے ناآ بظاہر رضا ' ی سے چل رہے ہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس میں واقعی 6 نہیں اور عوام اپنی خوشی سے روپیہ قبول کرتے ہیں تو پھر حکو > لیگل ٹینڈر قانون ختم کرنے سے ڈرتی کیوں ہیں؟ اگر عوام خوشی سے روپیہ قبول کر رہے ہیں تو پھر دینار و درہم کو بھی رائج ہونے کی اجازت دے د Ì ،اور اگر آپ کا å وضہ ٹھیک ہوا تو عوام خود ہی ان کو روپے کے حق میں ″ د کر دے گی۔

پس حکیکرنسی کے خلاف ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اسے 6 ی طور پر نافذ کیا جا رہا ہے جب کہ ہر × ن آزاد ہے کہ سنت نبوی کی ٕ وی میں دینار و درہم یا کسی اور شکل میں سونے اور چاندی کو ثمن کے طور پر استعمال کرے۔

دوسرا اعتراض-کرنسی کی تخلیق

ہمارا دوسرا اعتراض " العدوم کی ممانعت کے تحت کرنسی کی تخلیق پر ہے۔

جس دن پہلا اعتراض تسلیم کرکے کاغذی کرنسی کو , کرنسی کی بجائے صرف کاغذی کرنسی ہی رہنے دیا گیا، تو اس دن یہ اپنی موت آپ مر کر ناپید ہو جائے گی۔ عوام کو انتخاب کی اجازت ملی تو وہ کبھی اسے سونے، چاندی اور دیگر قیمت برقرار رکھنے والی ٹھوس اجزا پر کرنسیوں پر ترجیح نہیں دیں گے۔ , 5ذ کا اختتام کاغذی کرنسی کے ثمنِ عرفی کے شا ّ کا بھی اختتام ہو گا۔ البتہ , 5ذ کے علاوہ کاغذی کرنسی میں اور بھی بہت سی خامیاں ہیں۔ اس لیے کرنسی میں سے , پہلو کو نکال بھی دیا جائے تو وہ پھر بھی غیر اسلامی رہے گی۔

کر ُ یکی تخلیق کیسے ہوتی ہے؟ جب کرنسیہ ونے اور چاندی کی ہوتی تھی تو اس وقت اسے تخلیق کرنے کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ زمین کھود کر سونا نکالیں، اسے صاف کریں،—یں اور سکوں کی شکل دے دیں۔ یہاں بھی تخلیق صرف دینار کو اس کی شکل د B کی حد تک رہتی۔ سونے کی دھات کوئی تخلیق نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس کاغذی کرنسی جو کاغذ سے بنتی ہے، اسے ایک خاص H کی پرنٹنگ Ñ (Printing Machine) سے چھاپا جاتا ہے۔

اوراس Ñ کو مالکان جتنی دفعہ چاہیں چلا کر اسے تخلیق کر f ہیں۔اس سے جو کرنسیو جود میں آتی ہے وہ مکمل طور پر h ہوتی ہے یعنی ایک طرح سے عدم سے وجود میں لائی جاتی ہے۔اس کو بنانے میں صرف کاغذ اور سیاہی لگتی ہے۔کاغذ اور سیاہی عدم سے تو نہیں آتے، قدرتی طور پر موجود اجزاہی سے بنتے ہیں، مگر ان کی قیمت ان سے بنائے گئے نوٹوں کی نسبت اتنی کم ہوتی ہے کہ نوٹوں کو یوں Ò گئی کرنسی کی حیثیت اور قوتِ خرید اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کرنسی عملی طور پر عدم سے وجود میں لائی گئی ہے، جس کی وجہ سے اس پر " المعدوم کا اطلاق ہوتا ہے۔دینار تحریک کے ہاں اس تصور کو یوں [ن کیا جاتا ہے کہ یہ اندرونی مالیت (Intrinsic Value) نہیں رکھتی۔

کرنسی کی تخلیق سے مراد کسی اندرونی مالیت نہ رکھنے والی شے کو مصنوعی قوتِ خرید عطا کرنا اور اسے مالیت Ô ہے۔یہ ضروری نہیں کہ یہ کاغذی کرنسی ہی ہو۔مثلاً اگر کوئی دینار بنائے، جسے بنانے میں ۱۰۰ روپے کا سونا لگا ہے، اور ۴۰ روپے کی محنت، تو اس کی بناوٹ پر ۱۴۰ روپے خرچ ہو گئے۔ہو سکتا ہے کہ آزاد منڈی میں کوئی اس کے ۱۶۰ یا ۲۰۰ روپے د B کے لیے تیار ہو جائے۔آزاد منڈی کی یہ قیمت اس کرنسی کی اصل اندرونی یا قدرتی مالیت ہو گی، جو کہ لین دین میں استعمال ہو گی۔بازار میں آپ اس دینار سے ۲۰۰ روپے کی کوئی شے خرید سکیں گے۔اگر حکومت اسے , کرنسی بنا کر کہے کہ دینار کی قیمت ۵۰۰ روپے ہے، تو یہاں ۳۰۰ روپے زائد قیمت مصنوعی طور پر عطا کی گئی ہے۔یہ ۳۰۰ روپے دراصل عدم سے وجود میں لائے گئے ہیں، جو اندرونی طور پر اس کی قیمت کا حصہ نہیں ہیں۔اسی طرح کاغذی کرنسی کا جو ۱۰۰ روپے کا نوٹ ہے، اس کو بنانے میں شاید چار آنے بھی نہیں Õ ۔اس لیے ۱۰۰ روپے کے نوٹ کی تقریباً پوری کی پوری قوتِ خرید مصنوعی ہوتی ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا اشیا کو آزاد منڈی میں ان کی قیمت سے بڑھ کر قوتِ خرید یا قیمت Ò جا سکتی ہے، اور اس عمل کو شریعت کیسے دیکھتی ہے عملی طور پر تو یہ قوتِ خرید , عنصر سے عطا ہوتی ہے جس پر پہلے بحث کی جا ہے، اس لیے یہاں ہم فرض کر لیتے ہیں کہ حکومت اور عوام مل کر اپنی رضا سے یہ عمل کرتے ہیں، یعنی چار پیسے کے کاغذ کے ٹکڑے کو ہزار روپے کی مالیت دے دیتے ہیں۔

اسلامی حکومت کے بارے میں ہم نے کہا کہ اس کے پاس دو ˘ یٹ ہیں، ایک آسمانی اور ایک دنیاوی۔ دنیاوی لحاظ سے وہ عوام کی نمائندہ یعنی ا Ö کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے اختیارات ان لوگوں سے زیادہ نہیں ہو f جن کی وہ ا Ö ہے۔اگر میں عوام میں سے ہوں، تو میں اپنی زمین کا ما M ہوں، چاہے اس میں × ی اگاؤں یا Ù س۔میری پار ن کو بھی مجھ سے یہ اختیار ملا کہ وہ میرے ملک کی زمین پر ڈیم بنائے، سکول بنائے، Ø ک بنائے یا چھاؤنی۔یہاں تک کہ میں نے اسے یہ اختیار بھی دے دیا کہ مجھ سے میری ہی زمین یہ کہہ کر خالی کروالے کہ ہم نے یہاں سے موٹروے گزارنی ہے۔اگر میں عوام ہوں تو I اپنی آمدن پر اختیار ہے کہ اس سے کھانا خریدوں، کپڑا خریدوں، جمع کر لوں یا صدقہ دے دوں۔میری پار ن کو بھی مجھ سے یہ اختیار مل گیا کہ وہ میرے ملک کے لیے Ú خریدے یا سکول بنائے۔اسی طرح من " ا „ م جو ہمارے اختیارات ہیں، ہم وہ اپنی حکومت کو دے

f ہیں اور یوں حکومت کو فرد سے زیادہ طاÛراور بااختیار بنا f ہیں۔

جن معاملات میں فرد کو اختیار نہیں، ان معاملات میں حکومت کو بھی کوئی اختیار نہیں، ماسوا اس کے کہ وہ اختیار کتاب اللہ سے عطا ہوا ہو، مثلاً زکوۃ کی 6 ی وصولی وغیرہ۔ اگر میں ایک فرد کی حیثیت سے کسی کو ¾ نہیں کر سکتا یہ اختیار امیر اÜ Ý کو بھی نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی قانون بنا کر اُس کی خلاف ورزی کی fi اموت رکھ دیں۔ اسی طرح اگر میرا پڑوسی گندم اگا رہا ہے، تو میں اس کی مرضی کے خلاف اس کی گندم سے ایک دانہ بھی نہیں لے سکتا اور اگر میں نہیں لے سکتا، تو پھر میری حکومت بھی نہیں لے سکتی۔

اب واپس کرنسی کی تخلیق کی طرف آتے ہیں۔ اصول یہ بنا کہ اگر میں خود کرنسی تخلیق کرنے کا اختیار رکھتا ہوں، تو میں وہ اختیار حکومت کو دے سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ کلی طور پر بھی اسے منتقل کر سکتا ہوں تا کہ اس کے بعد یہ اختیار صرف اسے ہو اور I نہ رہے۔ آج ¾ یہی صورت حال ہے کہ کرنسی کے اجرا کا اختیار صرف حکومت کو ہوتا ہے اور کوئی اور کرنسی بنائے تو L سازی میں قید ہو سکتا ہے۔ سو میں اپنا اختیار کلی طور پر حکومت کو دے دیتا ہوں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ اختیار I کبھی حاصل بھی تھا کہ اب میں وہ حکومت کو دے دوں؟ کیا فرد کرنسی تخلیق کر سکتا ہے؟

ہم جاÕ ہیں کہ پیغمبر نے مد B میں کبھی کوئی کرنسی جاری نہیں کی۔ یہاں تک کہ جن مواقع پر آپ کو جہاد کے لیے مال کی اشد ضرورت رہی، تب بھی آپ نے لوگوں سے اßراور Þوت کا مطالبہ کیا، اور حکومت کا ان کے مال پر کوئی اختیار فرض نہیں کر لیا۔ نہ ہی کوئی à می یا اضافی G لگایا، اور سب سے اہم بات یہ کہ عدم سے کوئی کرنسی تخلیق نہیں کی۔ مثلاً دوسرے فرماں رواؤں کی طرح کرنسی میں ملاوٹ کر کے افراطِ زر پیدا کرنا۔ پس کتابِ الٰہی اور سنت دونوں میں مال یا کرنسی کی تخلیÆ کی کوئی مثال نہ ملنے کی وجہ سے ہم کرنسی کی تخلیق کو آسمانی عطا کردہ اختیارات میں شامل نہیں کر f ۔ اب بات دنیاوی معاملات کی آ گئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کوئی فرد کرنسی تخلیق کر سکتا ہے تو پھر حکومت بھی کر سکتی ہے، ورنہ نہیں، کیونکہ حکومت کے اختیارات افراد کے اجتماعی اختیارات کی منتقلی سے آتے ہیں۔

دوسرے باب میں ہم نے " المعدوم کا تصور پیش کیا تھا۔ وہاں دی گئی مثال کا دوبارہ جائزہ لیتے ہیں۔ فرض کریں کہ زید نے حارÉ کو ۱۰۰ روپیہ قرض دیا۔ اب زید چاہتا ہے کہ وہ ۱۲۰ روپے سود کے ساتھ واپس لے مگر شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ یہاں اگر فرد کو کرنسی تخلیق کرنے کا اختیار ہو تو وہ اس کا ایک چور دروازہ نکال سکتا ہے۔ وہ ایک کاغذ کا ٹکڑا لے کر اس پر خو ä حروف میں—— کا â ª لکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ایک ۲۰ روپے کا کرنسی نوٹ ہے جسے اس نے تخلیق کیا ہے۔ پھر اس کاغذ کو اصلی ۱۰۰ روپے کے ساتھ حارÉ کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمھیں ۱۲۰ روپے قرض دیے اور شریعت کے مطابق Ó سود ۱۲۰ روپے واپس لوں گا۔ دراصل اس نے اصل قرض ۱۰۰ روپے کا دیا ہے، اور واپس ۱۲۰ لے رہا ہے۔ جو å ۲۰ روپے قرض میں دیا ہے وہ محض اس کے اپنے

ہاتھ کا0%ایک کاغذ ہے جو کہ صرف سود کھانے کا ایک æ ہے۔اس کا الٹ معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے۔زید یہ تخلیق کی گئی کرنسی حارÉ کو د B کی بجائے خود ہی کرنسی بنا لیا کرے۔اس طرح تو سود لینے کی ضرورت ہی ختم ہو جائے کیونکہ اگر سود حرام ہے تو سب سود لینا ختم کر دیں اور جہاں جہاں سود لینا ہو، وہاں سود جتنی رقم خود ہی تخلیق کر لیا کریں۔ نہ صرف سود، بلکہ ایسی کرنسی تو کسی بھی کام آسکتی ہے، یہاں تک کہ اس میں آپ زکوٰۃ بھی ادا کر دیں۔یہ تو بڑا آسان ہو جائے کہ زکوٰۃ د B کے موقع پر بھی میں کاپی ç پکڑوں اور نوٹ چھاپ چھاپ کر اپنا فرض ادا کرتا جاؤں اور اصل رقم محفوظ رکھوں۔

مگر ! کہ ہم نے اپنے دوسرے باب میں ذکر کیا،اسلام نے ایسے چور دروازے بھی بند کر دیے ہیں۔یہاں " الْعدوم کا حکم کار فرما ہو گا کیونکہ ایسی تخلیق شدہ کرنسی دراصل وم شے ہے، جسے لین دین میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔اس کا وم ہونا صرف اس لیے نہیں کہ وہ عدم سے \ کی ایک Ł سے تخلیق کی گئی ہے بلکہ اس لیے بھی کہ , 5ذ کے بغیر منڈی میں کوئی اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ ثمنِ عرفی آزادانہ اور معروف طرز پر رائج نہ ہو تو وہ ثمنِ عرفی کی d e میں نہیں آتا۔کاغذ کا ٹکڑا زکوٰۃ میں دے کر میں خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا کیونکہ اللہ جاX ہے کہ اس ٹکڑے کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہاں کاغذی کرنسی کے حامی ایک اور نکتہ بھی اٹھا f ہیں۔وہ یہ کہ زید کسی کاغذ پر کچھ بھی لکھے،اس کی ممانعت کہیں نہیں اور حارÉ اس لکھے ہوئے کو قدر دے یعنی اس کو دس پیسے کے کاغذ کے ٹکڑے جتنا اہم یا—— روپے کے نوٹ جتنا Ø ، یہ اختیار بھی اسے اسلام میں حاصل ہے۔ان دونوں اختیارات کو یکجا کر لیں تو زید اور حارÉ کا یہ معاملہ کسی طور غیر اسلامی نہیں رہتا۔دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام انفرادی طور پر ان دونوں اŒل کی اجازت دیتا ہے۔اول یہ کہ آپ کوئی بھی شے چاہیں تو تخلیق کر f ہیں،مثلاً ایک مخصوص H کے چھپے ہوئے نوٹ اور دوم یہ کہ اسلام آپ کو اشیا کی قدر و قیمت کے تعین کا بھی پورا اختیار دیتا ہے۔مثلاً میں اپنی گاڑی بیچ رہا ہوں تو چاہے اس کی قیمت ۵لاکھ رکھوں یا۰ الاکھ،یہاں اسلام مداخلت نہیں کرے گا تو پھر نوٹ کی تخلیق اور اس کی قدر و قیمت کا تعین بھی جائز عمل ہے۔زید کو نوٹ بنانے کا بھی حق ہے اور حارÉ کو اس کی قدر کرنے کا بھی۔مثلاً حارÉ کو روپوں کی ضرورت ہے،اور وہ زید سے سو روپے لینے کی خاطر——روپے کا گھر میں بنا نوٹ بھی قبول کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔تو اس اختیاری عمل میں اس نوٹ کی تخلیق اور اس نوٹ کی لین دین میں قبولیت دونوں جائز ہیں۔اس طرح کاغذی کرنسی کے حامی کہتے ہیں کہ حکو 0 کرنسی اپنی قوتِ خرید اس لیے رکھتی ہے کیونکہ اس کے جاری کرنے والے کے o اور وقار کی وجہ سے عوام اسے قبول کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

بظاہر یہ نکتہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔پہلی حد تک تو ہم ماÕ ہیں کہ کوئی بھی چاہے تو اپنا من پسند نوٹ چھاپ سکتا ہے۔یہ اختیار فرد کو بھی ہے اور حکومت کو بھی۔مگر جہاں تک ان کو کرنسی کا درجہ دے کر ان کی ایک قدر و قیمت متعین کرنے کا ہے، یہ اختیار کسی فرد کو نہیں۔گاڑی والی مثال کی طرح کہ میں اس کی قیمت ۰ الاکھ مانگ تو سکتا

ہوں، مگر جب تک کوئی اپنی O سے یہ قیمت ادا نہ کرے، اس گاڑی کی قیمت ۱۰ لاکھ نہیں قرار دی جا سکتی۔

یہی ﷺ اَفی کی روح ہے جو فقہانے کسی چیز کو کرنسی تسلیم کرنے کی شرط رکھی ہے۔ اول یہ کہ وہ عوام میں O ل ہو اور دوم یہ کہ اس کی قیمت کا تعین آزاد منڈی کرے۔ حار É اس نوٹ کو اس وقت تک —— روپے کی و O نہیں دے سکتا جب تک کہ منڈی میں عام طور پر اس کی یہ قیمت نہ لگ رہی ہو۔ شریعت صرف منڈی کی قیمت کو د ˆ گی، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر نہ صرف ربا کا قانون، بلکہ اسلام کا دوسرا ستون یعنی زکوٰۃ بھی مکمل طور پر تباہ اور بے — ہو جائے۔

پس آپ کو پورا اختیار ہے کہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ۱۰ دینار لکھ دیں۔ آپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ منڈی میں اسے ۱۰ دینار سونے کے سکوں کی قیمت پر Í کے لیے لگا دیں۔ مگر منڈی میں جب تک لوگ اسے اپنی O سے دس دینار کا خرید نا نہ شروع کر دیں، آپ اس نوٹ کو یہ قیمت خود نہیں دے f ۔ منڈی میں اس کی یہ قیمت Î پر مزید شرط یہ ہے کہ یہ آزادانہ تجارت میں طے ہو، نہ کہ مشروط حالات یا ð ا ï صر معاہدوں میں۔ مثلاً اوپر کی مثال میں حار É نے زید کے بنائے گئے نوٹ کو ۲۰ روپے کی و O اس لیے دی کیونکہ اس کا یہ عمل باقی سو روپے کے قرض لینے کے ساتھ مشروط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ما M نے اپنی موطا میں ð ا ï صر معاہدوں یعنی ایک سے زیادہ معاملات کو ملا کر ایک ہی سودے میں طے کرنے کی بھی ممانعت کی ہے۔ اس کی بھی بہت آسان سی وجہ یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ اگر اس کی اجازت ہوتی تو بینک اس کی آڑ میں سود اس طرح لے f تھے کہ ۱۰۰ روپے کے بدلے ۱۲۰ روپے واپس لینے کی بجائے، ۱۰۰ روپے ہی واپس لیں اور ساتھ شرط رکھ دیں کہ قرض لینے والا ۲۰ روپے کی ایک æ ہوئی ما ó کی ò بھی خریدے گا۔ مگر اسلام نے یوں معاہدوں کو ملانے کی ممانعت کر دی ہے۔

اب اس بات پر ایک آخری اعتراض مروجہ نظام کے حامی یہ کر f ہیں کہ زید کے بنائے گئے نوٹ کی تو منڈی میں مالیت نہیں، مگر حکومت کے بنائے گئے نوٹ کو آزاد منڈی خود یہ قدر و قیمت عطا کرتی ہے۔ یہ دلیل بھی غلط ہے کیونکہ لیگل ٹینڈر قوانین کا , 5ذ کبھی ملک سے ختم ہوا ہی نہیں، اور اس کی موجودگی میں یہ ہر گز درست نہیں کہ نوٹوں کی یہ قیمت آزاد منڈی عطا کرتی ہے۔ حکومت ایک بار لیگل ٹینڈر قانون ختم کر کے تو د ˆ ì

پس اب تک کی بحث سے ہم یہ دونوں باتیں اخذ کر f ہیں۔

اول ہمارا پہلا اعتراض، کہ کسی بھی کرنسی، یہاں تک کہ دینار اور درہم کا بھی، حکمینۃ ذ اسلام میں ممنوع ہے۔ لیگل ٹینڈر اور ٹیکس قوانین کی وجہ سے سرکاری کرنسی کا اجرا اور 5ذ ایک غیر اسلامی عمل ہے۔ سرکار کرنسی تخلیق کر سکتی ہے، مگر اس کا 6 ی 5ذ نہیں۔

دوم یہ کہ اگر یہ حکمینۃ ذ نہ بھی ہو، تو ارادی طور پر بھی کسی شخ ا یا ادارے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کرنسی تخلیق کرے اور اسے کوئی قیمت عطا کر دے، کیونکہ قیمت کا تعین آزاد منڈی میں ہوتا ہے۔ انفرادی سطح پر کرنسی کو تخلیق کرنا یعنی اسے فرضی قیمت ا کر لین دین میں استعمال کرنا ایک وم شے کو لین دین میں استعمال کرنے کے زمرے

میں آئے گا جو کہ ممنوع ہے اور اس کا اطلاق فرد اور حکومت دونوں پر ü ں ہو گا۔

تیسرا اعتراض- سودی قرض اور حکو O بانڈ (Bond)

ہمارا تیسرا اعتراض پاکستان میں رائج کرنسی نظام کے اندر " الدین کے ذریعہ Ó وا Ò سود کی موجودگی پر ہے۔

ہم نے تیسرے باب میں بتایا تھا کہ حکومت کو کرنسی تخلیق کرنے کی بے پناہ قوت نہ د B کی غرض سے یہ طاقت سٹیٹ بینک اور حکومت کے درمیان تقسیم کردی جاتی ہے۔ سٹیٹ بینک قانونی طور پر پابند ہے کہ جب کرنسی جاری کرے تو اس کے پیچھے کوئی کو ö ل (Collateral) موجود ہو۔ یہ عموماً تین صر پر مشتمل ہوتا ہے، سونا اور چاندی، F ونی مما M کی کرنسی یعنی فاریکس ریزرو (Forex Reserves) اور حکومت کی سکیوریٹیز (Government Securities)۔

حکو O سکیوریٹیز کو سمجھنے کا آسان طریقہ ایک ø ہے جو پاکستان کے مشہور ٹی وی ł یل ÷ ÷ میں ایک بار پیش کیا گیا تھا۔ ایک ہوٹل گاہک ß کے لیے اœ رلگاتا ہے کہ K کھانا کھا W اور کھانے کا بل آپ کا پوتا ادا کرے گا۔ ایک آدمی خوشی خوشی جا کر خوب کھاتا ہے اور پانچ سو کا بل بنالیتا ہے۔ مگر کھانے کے بعد خلاف توقع ویٹر بل لے آتا ہے اور وہ بھی پانچ سو کا نہیں بلکہ ایک ہزار روپے کا۔ آدمی حیران ہو کر پو ü ہے کہ ایک تو یہ بل اس سے بہت زیادہ ہے جو میں نے کھایا اور دوسرا تم بل لائے ہی کیوں جبکہ اœ ر کے مطابق تو یہ میرا پوتا ادا کرے گا۔ ویٹر ý اتے ہوئے جواب دیتا ہے کہ ß ر یہ بل اس کھانے کا ہے جو آپ کے دادا جان نے کھایا تھا اور اب آپ اسے ادا کیجیے۔ حکو O بانڈ بھی دراصل من " ا ,, م ہمارے اخراجات اپنی ا ÿ þ ں پر ڈالنے کے مترادف ہے، تاکہ دادا کھائے اور پوتا کھائے ہوئے کا قرض چکانے کی فکر کرے۔

اب مزاح کو چھوڑ کر اس کے قانونی طریقہ واردات کو دیکھتے ہیں۔ سٹیٹ بینک نے کھاتے داری (Accounting) کے لوازمات پورے کرنے کے لیے اتنے ہی نوٹ جاری کرتا ہے - کے اس کے پاس ذخائر موجود ہوں۔ سونا اور چاندی کے ذخائر تو Œ ذخائر ہیں اور ان کے بدلے جاری کیے گئے نوٹ قرض کی ایک جائزد / ویز ہو سکتی ہے۔ مگر وہ بھی عملی طور پر جائز اس لیے نہیں کہ سٹیٹ بینک ان نوٹوں کو واپس قبول کر کے ان کے بدلے سونا نہیں دیتا۔ پس سونے کی موجودگی کا ان نوٹوں سے عددی ü نیت کے علاوہ کوئی نہیں۔ یہ سونے کے بدلے جاری کیے گئے نوٹ بھی اسی طرح " الـعدوم کا شکار ہیں جب تک کہ سٹیٹ بینک ان پر دوبارہ وہ تحریر نہ لکھے کہ وہ حاملِ ہذا کو اس کی قیمت سونے یا چاندی میں ادا کرے گا۔ اور نہ صرف تحریر لکھے بلکہ عملی طور پر بھی اس کی پاسداری کرے، کیونکہ تحریر تو پہلے بھی لکھی ہوتی تھی، مگر اس پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ اب بے ایمانی کی

انتہا یہ ہو گئی کہ کھلم کھلا وہ تحریر ہی حذف کر دی گئی۔ بہر حال اس وجہ سے سونے اور چاندی کے ذخائر موجود ہونے کے باوجود بھی سٹیٹ بینک کے نوٹ قابل اعتراض ہیں اور باب میں بتائے گئے "المعدوم کے قانون کے تحت غیر اسلامی ہیں، کیونکہ ان کے پیچھے سونے کا موجود ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ بذاتِ خود محض کاغذ کے ٹکڑے ہیں جنہیں مصنوعی قیمت دے دی گئی ہے، قطع نظر اس بات سے کہ وہ کچھ مقدار میں اصل موجود سونے سے عددی ü نیت رکھتے ہیں۔ یوں موجود ذخائر کے بدلے جاری نوٹوں پر وہی اعتراض آئے گا جس کی تفصیل حصے میں آئی۔

یہ تیسرا اعتراض ان نوٹوں کے اوپر ہے جو ان ذخائر کے بدلے نہیں بلکہ حکو O سکیورٹیز کے بدلے جاری کیے جاتے ہیں۔ عملی طور پر سٹیٹ بینک کے تمام نوٹ ایک جیسے ہوتے ہیں اور آپ یہ نہیں بتا f کہ کون سے سونے کے بدلے جاری ہوئے ہیں اور کون سے بانڈ اور سکیورٹیز کے ذریعے۔ مگر کیونکہ اصولی طور پر کچھ سونا موجود ہے، اس لیے ہم کسی اعتراض سے É کے لیے نوٹوں کے خلاف اپنے تیسرے اعتراض کو صرف ان نوٹوں کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں جو سونے کے علاوہ دیگر مصنوعی ذخائر یعنی سکیورٹیز کے بدلے جاری ہوئے ہوں۔

فنا سکیورٹی (Financial Securities) جدید بینکاری نظام کی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کوئی بھی د / ویزی آلہ کار جو کسی رقم کا ضامن ہو اور اس کی وساطت سے خود بھی اتنی ہی قیمت رکھتا ہو۔ مثلاً اگر حار É نے زید کو ۱۰۰ روپے د B ہیں، اور وہ اس قرض کا اعتراف ایک پکے کاغذ یا سٹیمپ . (Stamp Paper) پر کر دے، تو وہ کاغذ بنیادی طور پر ایک ۱۰۰ روپے مالیت کی سکیورٹی کہلائے گا۔ سکیورٹیز تقریباً تمام اشکال میں کسی موجل ادائیگی کی یا قرض کی علمبردار ہوتی ہیں۔ $ ں کے حصص یا سٹاک (Stocks) بھی سکیورٹی کہلاتے ہیں اور ایک طرح سے وہ بھی قرض ہی ہوتے ہیں، جو کہ نے اپنے مالکان کو دینا ہوتا ہے۔ اسی طرح قرضہ جات اور سکیورٹیز کو نت = انداز اور رنگ دے کر مزید پیچیدہ اشکال بھی دے دی جاتی ہیں، جنہیں ڈیریویٹو (Financial Derivative) کہتے ہیں۔ سکیورٹیز کی جو سب سے سادہ H ہے، وہ عام قرض کی د / ویز ہے، اور ان کو ادائیگی کی شرائط کے مطابق مختلف انواع میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن میں سب سے معروف نوٹ (Note) اور بانڈ (Bond) ہیں۔

بانڈ ایک نہایت سادہ H کا قرض ہوتا ہے، جس میں بانڈ د B یا لکھنے والا کسی دوسرے کو اس قرض کی ادائیگی کا اعتراف کرتا ہے اور اس میں ادائیگی کی میعاد اور شرائط بھی متعین کر دیتا ہے۔ مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہونے والے بانڈز کو مختلف نام دے دیے جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی ادائیگی کا وعدہ کرے تو اسے کارپوریٹ بانڈ (Corporate Bond) کہتے ہیں۔ نجی طور پر کوئی کسی دوسرے کے قرض کا ضامن بن کر بانڈ لکھے تو اسے شورٹی بانڈ (Surety Bond) کہتے ہیں اور جب کوئی حکومت جاری کرے تو اسے گورنمنٹ بانڈ کہتے ہیں (Government Bond)۔

جدید دور میں حکو > بانڈ جاری کر کے فنا' نگ(Financing) کرتی ہیں۔فرض کریں کہ پاکستانی حکومت نے فیصلہ کیا کہ صدر صاحب کو h گاڑی خرید کر دی جائے، مگر اس کے پاس پیسے نہیں ہیں کہ ۵۰ لاکھ کی گاڑی خریدے تو وہ کسی سے قرض لینے کی کوشش کرے گی۔ جب حکومت قرض لے گی تو قرض خواہ حکومت کو ۵۰ لاکھ رقم دے گا اور حکومت اسے رقم لوٹانے کا بانڈ لکھ کر دے گی۔ بانڈ پر % ہو گا کہ حکومت پاکستان اس بانڈ کے ماM کو ۶ ماہ کے اندر ۵۰ لاکھ روپیہ ادا کرے گی۔

مگر اس سے قرض د B والے کو کیا فائدہ ہو گا؟ جدید دور میں فریقین ایک دوسرے کو قرض سودی منافع کے لیے دیتے ہیں اس لیے وہ چاہے گا کہ حکومت اسے J س لاکھ روپے واپس کرنے کی بجائے ۶۰ لاکھ واپس کرے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہو گا کہ بانڈ ۶۰ لاکھ کا % جائے گا، جسے اس بانڈ کی B و " (Face Value) کہا جائے گا۔ اور عملی طور پر یہ ۶۰ لاکھ کا بانڈ منڈی میں ۵۰ لاکھ کا بیچا جائے گا۔ یعنی حکومت کو J س لاکھ ہی j گے، مگر حکومت واپس ۶۰ لاکھ کرے گی۔ جس شخص سے وہ ۵۰ لاکھ قرض لے رہی ہو گی، وہ اس بانڈ کا خریدار ہو گا۔ یہ خریدار ۶ ماہ کی میچیورٹی(Maturity) یا میعاد پوری ہونے کے بعد حکومت سے ۶۰ لاکھ روپے لینے کا حقدار ہو گا۔

بانڈ کی یہ فروخت اپنی B و " سے ہٹ کر کی جاتی ہے، اور بظاہر قرض لینے کا یہ عمل فروخت کا عمل لگتا ہے یعنی بانڈ کی فروخت۔ ہمارے باب دوم کی بحث کے تحت یہ عمل " الدین کے زمرے میں آتا ہے اور اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام میں قرض کی د / ویز کو فقط اس کی B و " سے تبدیل کیا جا سکتا ہے، اور اگر کسی اور قیمت پر اس کی خرید و فروخت کی جائے گی تو وہ رِبا ہے۔ پس یہ عملی جے ا یزی میں ڈ ٔ ؤنٹڈ سیل آف ڈیبٹ (Discounted Sale of Debt) کہتے ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے حرام ہے۔

پاکستان میں یہ عمل سٹیٹ بینک اور حکومت آپس میں کرتے ہیں۔ حکومت کو جب ضرورت ہو وہ سٹیٹ بینک کو اپنے بانڈ جاری کرتی ہے اور سٹیٹ بینک ان کو اپنے ذخائر میں شامل کر کے ان کے بدلے جاری کرنسی نوٹ حکومت کو دیتا ہے۔ اس طرح اس کی بیلنس شیٹ (Balance Sheet) خراب نہیں ہوتی کیونکہ نوٹ کسی 'ذخیرے' کے بدلے جاری ہو رہے ہوتے ہیں۔

حکومتوں کو کم و بیش ہمیشہ ہی fl ں کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ قرض واپس کرنے کی بجائے ان قرضوں کی ادائیگی کا وقت قریب آنے پر انھیں 'رول اوور' (Roll over) کرواتی جاتی ہیں۔ یعنی جب ۶۰ لاکھ واپس کرنے کا وقت آیا تو ۷۰ لاکھ کا مزید بانڈ جاری کر دیا اور یوں اپنے اوپر سود اور قرض کی ذمہ داری بڑھاتے چلے گئے، تاکہ دادا اور پوتے والے لطیفے کی طرح یہ قرض حتمی طور پر چکانے کی فکر آئندہ حکو > اور نسلیں کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پاکستان بلکہ پوری دنیا میں ہر پیدا ہونے والا : اپنی پہلی سانس لینے سے پہلے لاکھوں روپے کے قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے، جس رقم کو اس نے یا اس کے ماں باپ نے دیکھا تک نہیں۔ اس میں ایک اور گھناؤنا پہلو قومی قرض(National Debt) کا بھی ہے، جو عموماً بین الاقوامی اداروں مثلاً آئی ایم ا d وغیرہ سے لیا جاتا ہے۔

اب سٹیٹ بینک کے تیسرے اور آخری ذخیرے یعنی فاریکس ریزروز کا معاملہ بھی دیکھ لیں۔ فاریکس ریزروز(Forex Reserves) دوسرے ں کی کرنسیاں ہیں، جیسے ڈالر، پاؤنڈ اور ریال۔ اسلام میں اگر سود حرام ہے، تو ہر H کا سود حرام ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ Û دی یا نصرانی کا دیا ہوا سود جائز ہے کیونکہ ان کے مذہب میں اس کی اجازت ہے۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ روپیہ " الدین کی وجہ سے حرام ہے تو پھر دوسرے ں کی اپنے اپنے د میں اسی " الدین کے ذریعے جاری کرنسی بھی اسی طرح حرام ہو گی جیسے ہماری کرنسی۔ دنیا کا ہر ملک آج¾ مغربی نظام میں جکڑا ہوا ہے اور ہر ملک کا ل بینک ان ہی قواعد کے تحت سودی کرنسیاں جاری کر رہا ہے۔ ایک × ن حکومت کے لیے یہ قابل قبول نہیں کہ وہ ان سودی کرنسیوں کو قبول کرے اور انھیں اپنے ذخائر میں شامل کرے۔ اگر ذخائر میں شامل کر بھی لے تو اس سے بڑھ کر برائی یہ کہ ان کے بدلے خود اپنے کرنسی نوٹ جاری کر کے اپنے ہی عوام کو دھوکا دے۔ عوام جب اپنے سٹیٹ بینک سے نوٹوں کے بدلے سونا نہیں لے سکتی، تو وہ کیا توقع رکھ سکتی ہے کہ دوسرے ں کے بینک اسے اپنی کرنسیوں کے بدلے سونا دیں گے۔ پس غیر ملکی فاریکس ریزرو کے بدلے اپنے ملک میں نوٹ جاری کرنا بھی ان غیر ملکی سودی د / ویزات کی قبولیت اور انھیں اپنی عوام کے اوپر زبردستی لاگو کرنے کے مترادف ہے۔

یوں ہم نے دیکھ لیا کہ تینوں قسموں کے ذخائر کے بدلے جاری کرنسی نوٹ کسی نہ کسی طرح غیر شرعی ہیں۔

ا۔ سونے اور چاندی کے بدلے جاری نوٹ سونے اور چاندی کے 'بدلے' اس وقت تک نہیں ہیں جب تک کہ صارف انھیں سونے اور چاندی کے عوض بدلا نہ سکے۔ اس لیے اپنی موجودہ حالت میں وہ محض " الدوم کی ایک ایسی H ہیں جس میں اندرونی طور پر کھاتے داری سونے اور چاندی کے ذخائر کے لحاظ سے کی جاتی ہے مگر اس کا عملی طور پر اس سونے اور چاندی سے کوئی نہیں۔

۲۔ فاریکس ریزروز کے بدلے جاری نوٹ اس لیے غیر شرعی ہیں کیوں کہ وہ دوسرے ں کی طرف سے جاری کردہ سودی قرض کے علمبردار ہیں یا دوسرے ں کی " الدوم نوعیت کی د / ویزات ہیں۔

۳۔ حکو O بانڈز اور سکوریٹیز کے عوض جاری نوٹ اس لیے غیر شرعی ہیں کیونکہ ان کی تخلیق ہی سود یعنی " الدین کے ذریعے ہوتی ہے۔

نوٹوں کی ایک بڑی ? اد سودی عمل سے تکلیقھوتی ہے، اور دو نوٹوں کو دیکھ کر نہیں بتایا جا سکتا کہ یہ تینوں قسموں کے ذخائر میں سے کس H سے Ú ہیں، پس ہم ہر طرح کے نوٹ کو براہ راست سودی عمل سے تخلیق ہونے کے شک کی بنا پر غیر شرعی قرار دے f ہیں۔ جہاں نوٹ براہ راست سودی عمل سے تخلیق نہیں ہوتے، وہاں دوسرے ں کے سودی عمل سے تخلیق ہوتے ہیں۔ یا پھر جہاں سونے کے بدلے جاری ہوتے ہیں تو وہاں بھی سونا صرف دکھاوے کے لیے موجود ہوتا ہے اور اس کی نوٹوں کے بدلے وصولی محال ہے جو ان تیسرے H کے نوٹوں کو دھوکے اور " الدوم کا مرتکب بنا دیتی ہے۔

یہاں ہمیں اس بات کا بھی اطمینان اور خوشی ہے کہ کاغذی کرنسی کے بڑے سے بڑے حامی بھی اس " الدین کے عمل کی موجودگی کی نہ ہی تردید کر f ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی متبادل پیش کر f ہیں۔ کیونکہ متبادل صرف یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت سٹیٹ بینک کی مداخلت کے بغیر نوٹ جاری کر لے تاکہ اس سودی عمل کی ضرورت نہ پڑے۔ اول تو ایسا کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ لکیر کے فقیر صرف اس نظام کو اپنا f ہیں جو ان کے مغربی رہنما ان کو سکھا دیتے ہیں۔ مغرب والوں نے خود ان کو یہ قانون وضع کر کے دیا ہے کہ سٹیٹ بینک اور حکومت الگ الگ ہوں، تاکہ طاقت اعتدال کے ساتھ دو قوتوں میں تقسیم رہے اور کوئی ایک فریق اس کا بے جا استعمال نہ کر سکے۔ اب جب تک گورا خود ہمارے مغرب زدہ دوستوں کو کوئی ایسا راستہ نہیں بتائے گا جس میں یوں بانڈز کی فروخت اور سودی عمل نہ ہو، تو یہ خود اس کا متبادل مشکل ہی سوچ سکیں گے۔ اور اگر سوچ بھی لیا تو عمل نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس بات میں واقعی حقیقت بھی ہے کہ سودی تلوار کے بغیر سیاست دانوں کو پیٹ بھر کے لیے Æ کرنے کی اجازت مل گئی تو یہاں بندر بانٹ شروع ہو جائے گی۔ اب آخری راستہ جو رائج نظام کے تحت انتظامیہ (Establishment) کے پاس رہ جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ " الدین کو سود سے خارج کرنے کا فتویٰ نکلوا لیں۔ مگر ہم نے باب دوم میں اپنے قارئین کو اچھی طرح باور کروا دیا ہے کہ یہ دونوں تصور Ü ل ہیں اور الگ نہیں ہو f ۔ پس آپ جس طرح سے بھی دیکھیں، کاغذی کرنسی نوٹ سود پر ہونے کی وجہ سے غیر اسلامی رہیں گے، اور اس کے حامیوں کے پاس دینار و درہم کو تسلیم کرنے کے علاوہ کاغذی کرنسی سے یہ سودی عنصر نکالنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں۔

عوام کے لیے متبادل نظام بننے سے پہلے تک اس سودی کاغذی کرنسی کو استعمال میں رکھنے کی رخصت دی جا سکتی ہے، مگر من " ا ,, م ہم پر یہ فرض Z یہ ہے کہ ہم اس نظام کو تبدیل کریں۔

کاغذی کرنسی پہ دیگر اعتراضات

ہماری نظر میں اوپر دیے گئے تینوں دلائل کاغذی کرنسی کے غیر اسلامی ہونے کو ناقابل تردید حد تک ثابت کر دیتے ہیں۔ البتہ، دینار تحریک سے وابستہ علما کرام نے کچھ اور بھی نکات اٹھائے ہیں جو اس مقد کو مزید Ç یت بخشتے ہیں۔ اب ہم ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

ا۔ عمر وڈلو نے %¥[3] ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت ۷۵ کے تحت × نوں کو Z ر کے ہاں امانتیں نہ رکھوانے کی تاکید کی گئی ہے۔ لہٰذا وہ کاغذی کر ییجس کا اجرا غیر ملکی کرنسی کے 'فاریکس ریزروز' کے تحت ہوتا ہے، وہ بھی غیر اسلامی ہے۔

---

http://www.dinarwakala.com/downloads/fatwaonbanking.pdf39

۲۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر کاغذی کرنسی کا " الدین کے تحت اجرا نہ ہو اور وہ اپنے پیچھے سونے اور چاندی کے ذخائر رکھتی ہو، تب بھی یہ کرنسی ایک قرض کی حیثیت رکھے گی، یعنی سٹیٹ بینک پر سونا لوٹانے کا قرض۔ اور قرض کو بطور تجارتی کرنسی استعمال کرنے پر امام ماMنے خصوصی طور پر بہت کڑی شرائط رکھی ہیں۔ سو اس صورت میں بھی کاغذی کرنسی کو عام استعمال میں نہیں لایا جاسکتا۔

۳۔ آج3/4بینکوں کا کرنسی نوٹ کے بدلے سونا نہ لوٹانا اپنے معاہدے سے انکار ہے لہذا اس کرنسی کی حیثیت ایک بے اثر معاہدے کی ہے۔

۴۔ عمر نے اپنے اسی مقالے میں کاغذی کرنسی کے 6 ی5ذ کی بھی کی ہے، جس پر ہم تفصیلی بحث پیش کر چکے ہیں۔

۵۔ عمر وڈلو نے ایک اور انتہائی اہم نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ کاغذی کرنسی میں زکٰوۃ ادا نہیں کی جاسکتی۔ یہ اس لیے کہ اپنے 'پرامیسری نوٹ' ہونے کی حیثیت سے یہ 'دین'، یعنی واجب الاداشے ہے، عین یعنی ٹھوس قدرتی قیمت رکھنے والی چیز نہیں۔ پس، جب تک کاغذی کرنسی جاری رہے گی، معاشرے میں اسلام کا تیسرا استون یعنی زکٰوۃ اپنے صحیح ó ں میں قائم نہیں ہو سکے گا۔

۶۔ عمران حسین نے اپنے مقالہ [þ] میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ عبیدہ بن ثابتؓ[1] کی حدیث کے مطابق اسلام نے چھ مخصوص اشیا ہی کو کرنسی بنانے کی مضبوط Qیت کی ہے، جس کی وسیع تر حکمت کے پیش نظر امت مسلمہ کو سونے اور چاندی پر واپس منتقل ہو جانا چاہیے۔

۷۔ ا / د نور محمد دیروس نے اپنے مقالہ[2] میں یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ کاغذی کرنسی اپنی قدر کھوتے رہنے کی وجہ سے سورہ الاعراف کی آیت ۸۵ کے مطابق 'بخس' کے حکم میں شامل ہے۔ اور شریعت میں کوئی بھی چیز جو لوگوں کے نقصان کا باعث Ú ، جس میں مالی نقصان بھی شامل ہے، وہ حرام ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے مقالے میں کاغذی کرنسی کے عدم سے وجود میں آنے، اور سودی بینکاری نظام کا لازمی حصہ ہونے کی وجہ سے بھی اسے حرام قرار دیا ہے۔

ہم نے کرنسی کی چار اقسام بتائی ہیں، یعنی ثمن خلقی، ثمن حکو 0 ، ثمن بینک نو اور ثمن چیک بک۔ کاغذی کرنسی پر دیے گئے اعتراضات ان میں سے ثمن حکو 0 اور ثمن بینک نو پر پورے اترتے ہیں۔ آWاب مروجہ

---

http://www.imranhosein.org/media/books/dinarbook.pdf40

http://hadithcollection.com/sahihmuslim/138-41
Sahih%20Muslim%20Book%2010.%20Business%20Transactions/12031-sahih-muslim-book-010-hadith-number-3853.html

http://www.dinarwakala.com/downloads/42
Judgment_on_Fiat_Currency.pdf

بینکاری نظام اور اس سے تخلیق کردہ ثمن چیک بک پر اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

باب پنجم

اسلامی بینکاری پر تنقید

باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اسلام میں نکاح حلال ہے اور زنا حرام۔ سرسری نظر سے دیکھیں تو یہ دونوں جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے کام آتے ہیں، مگر درحقیقت ان میں فرق محض تنظیمی ضابطے کا نہیں بلکہ بنیادی مقصد کا ہے۔

بنیادی مقصد اگر ایک ہی ہوتا تو ظاہری فرق کی کوئی زیادہ اہمیت نہ ہوتی۔ مگر قوانین میں ظاہری فرق دراصل قانون د B والے کی اس حکمت کے تحت ہوتا ہے کہ وہ اس قانون کے ذریعے کون سے سماجی و اخلاقی مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ زنا کا مقصد جنسی ضرورت پوری کرنا ہے۔ نکاح حالانکہ اس لیے بھی معاون ہے مگر اس کا اصل مقصد اس سے ماورئ معاشرے میں خاندانی اکائی کی بنیاد ڈالنا ہے، نہ کہ محض جنسی ضرورت پوری کرنا۔

یہ بات بہت اہم ہے۔ ظاہری قواعد وضوا ہی دراصل Œ مقصد کے محافظ اور معاون ہوتے ہیں۔ نیت، خلوص اور ارادہ بھی اہم ہیں، مگر قانون بنانے والے کی حکمت کی اصل § ٹی یہ ہے کہ کوئی بدٔ ۃ کے باوجود بھی ان قوانین کے مقاصد کو معاشرتی سطح پر پورا ہونے سے روک نہ سکے اور یہ قوانین اپنے مقصد کے حصول کے لیے بذات خود کافی ہوں، اور کسی تیسرے کی ٔ ۃ کے تابع نہ ہوں۔

اب فرض کریں کہ کوئی شخص کسی عورت سے کو وقتی طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مصنوعی اخلاص کا لبادہ اوڑھ کر اس کے ولی سے اس کا ہاتھ مانگ لے اور شادی کے بعد اسے یا تو وفا اور وقار سے اپنے ساتھ نہ رکھ سکے، یا جلد ہی طلاق دے دے۔ ظاہری طور پر اس عمل سے یہ لگے گا کہ یہ شخص شریعت کو ایک غیر شرعی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود، ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس بدٔ ۃ کی وجہ سے نکاح کا مقصد فوت ہو گیا، کیونکہ قوانین وضوا کے پورے ہونے سے یہ عمل زنا سے بہر طور بہت مختلف رہے گا، اور وہ شخص صحیح ó ں میں اپنے غیر شرعی مقاصد کبھی حاصل نہیں کر سکے گا۔

نکاح اگر بدٔ ۃ سے بھی کیا جائے تو اس کے بہت سی سماجی اثرات ہیں جو خالص زنا میں کبھی نہیں ہو f اور وہی شریعت کے مقاصد کے پاسدار ہیں۔ اول یہ کہ گواہ موجود ہونے کی وجہ سے یہ بات معاشرے سے i نہیں رہ سکتی۔ حق مہر مقرر ہونے کی وجہ سے عورت کو بہر طور کچھ مالی فائدہ بھی حاصل ہو جائے گا اور اولاد ہونے کی صورت میں عورت پر نہ کوئی حد ہو گی اور نہ ہی مالی بوجھ پڑے گا کیونکہ ولدیت پورے معاشرے کے سا g عیاں ہو گی۔ الغرض نکاح کے قوانین کی ¸ وی نیت اور خلوص کی شرط کے بغیر بھی اپنے سماجی مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اسلام کے دیے گئے مالی و اقتصادی قوانین بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حکمت کے علمبردار ہیں اور اپنے سماجی مقاصد کے حصول میں بینکاروں اور سرمایہ کاروں کے رحم و کرم اور ٔ ۃ کے Xج نہیں۔ بینکاری کا وجود، ! کہ ہم آگے سمجھائیں گے، بذات خود ایک غیر شرعی مقصد کے لیے پروان چڑھا۔ اور اسلامی قوانین بنانے والے

رب نے ایسے پر حکمت قوانین بنادیے ہیں کہ بینک اپنا غیر شرعی مقصدان قوانین کی پاسداری میں کبھی حاصل کر ہی نہیں f ۔اسے حاصل کرنے کی کوشش جوکہ اسلامی بینکاری کے نام پر ہو رہی ہے، اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی اسلامی کوٹھا ہو۔ آپ نکاح المتعہ، ال یار، اور طلاق کے باریک پہلوؤں کی چھان بین کر کے کچھ ایسا نظام بنا f ہیں جہاں مرد شرعی قوانین کے اندر رہتے ہوئے اپنے جنسی تقاضے پورے کر سکیں۔ شاید کوئی یہ فتوٰی بھی جاری کردے کہ رنڈی کے بالغ ہونے کی وجہ سے ولی کی ضرورت نہیں، دلال کی الگ B رکھنے کی بجائے حق مہر ہی میں سے کچھ رقم اس کو 6 جائے، اور کوٹھے پر ایک نکاح خواں اور دو چوکیدار تنخواہ پر موجود ہوں جو گواہ کا کام بھی دیں۔ الغرض ایک ایسا نظام بنادیا جائے جو قانونی طور پر اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہے، مگر مقصد میں وہی کام دے جو زنا کا ہے۔

مگر کوئی بدن ۔ سے ایسا کر بھی لے تو شریعت کی ظاہری پاسداری اسے اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے گی۔ یعنی قانون ایسی دشواریاں پیدا کرے گا کہ وہ شخص زنا کا مقصد حاصل نہیں کر سکے گا۔ سب سے پہلے ہر رنڈی کو عدت پوری کرنی ہو گی، جس کی وجہ سے کاروبار کبھی منافع I نہیں ہو سکے گا۔ پھر رنڈی کو نکاح کی وجہ سے ایسے حقوق حاصل ہو جائیں گے کہ دلال کی طاقت ختم ہو جائے گی اور کوٹھے میں طاقت کا توازن تبدیل ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ کہ جب تک اسلامی قوانین کی پاسداری ہوتی رہی، وہ اپنے سماجی مقاصد کی پاسداری کریں گے، چاہے منصوبے میں شامل لوگ ð ہی بدکردار اور بدنیت کیوں نہ ہوں۔ اس نظام کو اپنے غیر اسلامی مقصد کے لیے چلانے کا ایک ہی راستہ رہ جائے گا، اور وہ یہ کہ شرعی قوانین کی پاسداری چھوڑ دی جائے۔ یہ عمل قوانین میں تاویلوں کا الجھاؤ پیدا کر کے بھی کیا جاتا ہے، اور فتوٰی کی مدد سے بھی۔ مگر جہاں جہاں اصل شرعی قوانین برقرار رہیں گے، تو مقاصدِ شریعت ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔

بس اسلامی بینک کی مثال بھی ایسے ہی ایک اسلامی کوٹھے کی سی ہے۔ علما اور عوام بہت غور سے اس کوٹھے کو دیکھ رہے ہیں۔ کوئی اسے جدید دور کا تقاضا کہتا ہے، کوئی اسے 'لیسر ایول' (Lesser Evil) کہتا ہے، اور تنخواہ دار شرعیہ ایڈوائزر (Sharia Advisors) ایسے دقیق معاملات پر غور کرتے ملتے ہیں کہ اگر رنڈی کے حق مہر میں سے دلال کو B پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تو صارف سے زبردستی کچھ رقم 'کوٹھا چیریٹی فنڈ' کو دلوائی جاسکتی ہے یا نہیں۔ مگر یہ سب کے سب لوگ ایک بنیادی نقطے کو نظرانداز کر دیتے ہیں، کہ بینک اپنے بنیادی مقاصد میں اسلامی شریعت سے متصادم ہے۔ آپ کچھ بھی کر لیں، شرعی دائرے میں رہتے ہوئے شریعت اسے اپنے مقاصد حاصل نہیں کرنے دے گی، اور اس کے پاس شریعت سے اخراج کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ سو اس باب میں اول ہم اس کا ایک اجمالی ¢ یہ کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ بینک اپنی جوہری ترکیب میں کبھی اسلامی نہیں ہو سکتا، اور اسے اسلامی کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اسے بنیادوں سے اکھاڑ کر ایک متبادل ادارہ بنایا جائے جو اپنی ماہیت میں رائج بینکوں سے بالکل مختلف ہو۔

اس باب کا دوسرا اہم مقصد یہ بتانا ہے کہ بینک کہاں کہاں اسلامی قوانین کو توڑ رہا ہے۔ کیونکہ اگر وہ کوئی

شرعی قانون توڑے بغیر چل رہا ہے تو غیر شرعی مقصد رکھنے کے باوجود اس پر نکتہ چینی محض انفرادی نکتہ نظر کا ا C ف ہو گا۔ یہ لازم ہے کہ ہم ثابت کریں کہ بینک عملی طور پر کہاں غیر شرعی ہے، جو کہ چند مخصوص اور معروف تنظیمی صر ہیں۔ ہم بینک سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان شرعی قوانین کی خلاف ورزی بند کر دے۔ اس کے بعد جو مرضی کرے، کیونکہ ہمارے دین کے قوانین اتنے جا ہیں کہ ان کی پاسداری کے بعد بینک کی جو بھی شکل نکلے گی وہ عوام اور امت کے لیے بہتری کا سبب ہی Ú گی۔

یہ باب لکھتے ہوئے کچھ دوستوں نے رہ دیا کہ یہ کوٹھے والی مثال بہت ناموزوں ہے، اور اسلامی بینکاری سے منسلک بہت سے جید علما کی تحقیر کا موجب بن سکتی ہے۔ مگر ہمارا مقصد یہ قطعاً نہیں ہے اور علما کرام کی صداقت اور ٭ ی کی گواہی ہم پہلے دے چکے ہیں کہ ان سے محض بینکاری نظام سے ناواقفیت کی وجہ سے بھول ہو رہی ہے۔ ہم نے خود جو کچھ بھی سیکھا ہے وہ دینار تحریک کے علما کے بعد ان ہی روایتی اسلامی بینکاری سے منسلک علما سے سیکھا ہے، اور ہم تہہ دل سے ان کا بہت ا] ام کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود، بینکاری کے لیے کوٹھے کی مثال ذاتی نہیں بلکہ حدیث سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ربا کے ۷۰ درجے ہیں، اور ان میں سے سب سے ادنٰی درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے مترادف ہے۔ پس ربا یعنی سودی بینکاری کو زناکاری سے تشبیہ دینا دراصل اس حدیث رکہ کے عین مطابق ہے۔ اس شدید ا رے کا مقصد ہی بینکاری نظام کی نسبت آپ کے احساسات کو جھنجوڑ معاملے کی سنگینی کا احساس دلانا ہے۔

بینک کا مرکزی کردار

بینک معاشرے کو دو طرح کی خدمات دیتا ہے۔

ا۔ تجارتی و مالی خدمات جن میں سب سے اہم ہیں مال کی حفاظت اور رقوم کی موثر اور محفوظ منتقلی۔ ان کو ہم مال کی بابت انتظامی خدمات کہہ f ہیں۔

۲۔ بینک کا دوسرا بنیادی کردار کاروباری و انفرادی قرضہ جات کی فراہمی ہے جسے سرمایہ کاری یا فنا ٔ نگ (Financing) کہتے ہیں۔

ایک عام , ی کی زندگی میں بینک کا دخل عموماً انتظامی خدمات کے ذریعے ہوتا ہے۔ شرعی لحاظ سے اس میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں۔ آپ بینک کے پاس گئے اور اپنا روپیہ رکھوا دیا، کیونکہ ان کے پاس فولادی تجوریاں اور چوکیدار موجود ہیں جہاں آپ کا مال آپ کی خواب گاہ کی الماری سے زیادہ محفوظ ہے۔ بینک یہ حفاظت مہیا کرنے کی بجا طور پر B بھی لے سکتا ہے۔ اسی طرح جب آپ نے یہ رقم کسی کو کراچی بھیجنی ہو، تو بھی بینک آپ سے کچھ B لے کر وائر ٹرانسفر (Wire Transfer) کر دیتا ہے۔ عام لوگ یہ تاثر رکھتے ہیں کہ بینک یہی کام کرتا ہے، حالانکہ یہ خدمات بینک کی اصل ذریعہ آمدن نہیں ہوتیں۔ ایسی خدمات بینکاری کے علاوہ دیگر پیشوں میں بھی مہیا

کی جاتی ہیں۔ مثلاً گودام والا کسانوں کی پیداوار کو B کے بدلے محفوظ رکھ سکتا ہے۔اسی طرح مال کی ترسیل کی مثال ڈاکیے کی سی ہے، جو مال کی جگہ ؁ ط اور پارسل وغیرہ منتقل کرتا ہے۔ یہ سادہ سے عمل ہیں اور ہمیں بینکوں کی ان خدمات پر کوئی اعتراض نہیں۔

بینک جس وجہ سے عام تجارتی $ ں(Companies) سے مختلف ہوتا ہے اور جس وجہ سے اسے کام کرنے سے پہلے اسٹیٹ بینک سے لمبی چوڑی حفاظتی رقوم اور حوالہ جات د B کے بعد لا ٔ ینس (License) لینا پڑتا ہے، اور جس وجہ سے اس کے شرعی ہونے اور نہ ہونے پر اتنا کام ہو رہا ہے، وہ اس کی دوسری خدمت ہے، جو سرمایہ کاری سے متعلق ہے۔ یہی دراصل وہ پہلو ہے جو بینک کو بینک بناتا ہے، اور جس کے متعلق ہم نے کہا کہ اس پہلو سے بینک کے ادارے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔ جو نیا اسلامی ادارہ Ú گا، بھلے آپ اس کا نام بھی بینک ہی ر N ، یا اسلامی بینک ر N ، یا ہماری دینار تحریک کی طرح اس کا نام وکالہ یا وعدیہ ر N ، اس کی بنیادی نوعیت موجودہ بینکوں سے قطعاً مختلف ہو گی۔ موجودہ بینکوں کو سرمایہ کاری کی مد میں جو امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے، وہ انہیں حاصل نہیں رہے گی۔ سرمایہ کاری کے لیے بھی اسلامی نظام میں متبادل ادارے تخلیق کیے جائیں گے جو سود و ربا کے بغیر مضاربت اور مشارکت پر چلیں گے، مگر ان میں موجودہ بینکاری نظام والی خصوصیات نہ ہوں گی جو آج¾ ہیں۔ اس لحاظ سے وہ بینک کی روائتی d e پر پورا نہیں اتریں گی اور ایک عام تجارتی کی حیثیت سے کام کریں گی۔

آج¾ یہ تصور قائم ہے کہ جدید بینکاری نظام اقتصادی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ تصور توڑنے کے لیے صرف اتنا کافی نہیں کہ بینکاری کو Ûدی سازش قرار دے دیا جائے، بلکہ ہمیں اس کے اقتصادی اور شرعی پہلوؤں پر غور کر کے ان مسائل کے متبادل حل پیش کرنا ہوں گے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے بینکوں کا حامی طبقہ انہیں ناگزیر گرداX ہے۔

پہلا فائدہ-قرض کی فراہمی یا فنا ٔ نگ

بینکوں کا سب سے پہلا فائدہ جو عموماً پیش کیا جاتا ہے وہ قرض کی فراہمی یا سرمایہ کاری ہے۔

فرض کریں کہ میرے پاس سو روپے ہیں اور انہیں استعمال کرنے کے دو ذرائع ہیں، سودی قرض یا شرکت۔ پہلی صورت میں منافع مقرر کردہ ہے اور دوسری میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ سود کی حرمت سے فی الحال قطع نظر، ظاہر ہے کہ کوئی بھی معقول شخص پہلے لائحہ عمل پر چلے گا اور تجارت میں حصہ دار بننے کی بجائے سود کو ترجیح دے گا۔ مغربی دنیا کا اقتصادی نظام اس å وضے پر قائم ہے کہ اگر سرمایہ کار کے لیے سود کی راہ نہ ہو تو وہ سرمایہ کاری نہیں کرے گا اور یوں معیشت اس کے سرمائے سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گی۔ سرمایہ کار کو سود کی راہ سے منافع د B کے لیے بینک کا ادارہ سا g آیا جس نے یہ کام مالیاتی مصالحت (Financial Intermediation) کے طور پر

شروع کر دیا۔ یوں بینک سرمایہ دار سے روپیہ لے گا اور اس کو تجارت میں ڈال دے گا تاکہ معیشت h مصنوعات اور خدمات تخلیق کر سکے اور Œ طور پر نفع کما سکے جس سے سرمایہ دار کا سود اور بینک کا منافع نکل سکے۔

اس مالیاتی مصالحت کی ضرورت اس لیے پڑی کہ تجارت قدرتی طور پر پر خطر ہے اور قابل سے قابل تاجر یا منتظم کو بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے سرمایہ دار تجارتی سرمایہ کاری سے بھاگ کر سود کی طرف جاتا ہے تاکہ نقصان کے صورت میں بھی اسے سودی منافع مل جائے۔

دراصل سود سے منافع کمانے کے لیے بھی پیسا تو کہیں نہ کہیں سے آئے گا۔ سود کا مقرر کردہ منافع ادا کرنے کے لیے بھی کاروبار میں آمدن ضروری ہے، ورنہ سود کی قسط ادا کرنا ناممکن ہو جائے۔ اس لحاظ سے سودی نظام میں نقصان سے بر‪ات فرضی ہے، اور سرمایہ کار کو شرکت سے زیادہ µ نہیں دیتی۔

انفرادی سطح پر تو شاید سودی معاہدے سے سرمایہ کار اپنے نقصان کا ازالہ کروالے، مثلاً قانونی مداخلت سے قرض دار کے دیگر اثاثوں پر قابض ہو کر۔ مگر اجتماعی طور پر اقتصادی معاہدے شرکت کی بجائے سود پر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر بڑے منصوبے مثلاً @ ی میں نقصان ہو جائے تو ملک ذاتی اثاثوں سے اسے پورا نہیں کر سکتا۔ پس، سودی معاہدے اجتماعی طور پر معاشرے میں سرمایہ کاری کی M کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچاتے۔

ہر سرمایہ کار میں قدرتی طور پر اپنے مال میں اضافہ کرنے کی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اگر سودی منافع کا راستہ بند کر دیا گیا تو بھی سرمایہ کار اپنے مال میں اضافہ کی خاطر شرکت کو ضرور اپنائے گا اور سرمایہ کاری میں واقع نہیں ہو گی۔ یوں بینک کے سودی قرض کی فراہمی کی خدمت معیشت کے لیے قطعاً نا گزیر نہیں۔ یا یوں کہیں کہ سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کرنے والے کسی ادارے کی موجودگی تو نا گزیر ہے، مگر اسے انجام د B کے لیے بینک کا سودی طریقہ کار نا گزیر نہیں۔ ایک غیر سودی ادارہ بھی B لے کر سرمایہ کاروں اور کاروباری منتظمین کو ملوانے کا کام کر سکتا ہے، بالکل ایسے جیسے پراپرٹی ڈیلر مالکان اور گاہکوں کو ملاتے ہیں۔

دوسرا فائدہ - پیشہ ورانہ مہارت

بینکوں کی افادیت کی دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بینک اپنے تجربے کے تحت خوب چھان بین کر کے کسی منصوبے میں پیسا لگاتا ہے۔ اس کے بر عکس ہر وہ شخص جو مال رکھتا ہے اس میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ معاشرے میں موجود سرمایہ کاری کے تمام مواقع کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کر سکے کہ کس منصوبے میں خطرہ کم اور منافع زیادہ ہے۔ بینک پیشہ ورانہ طور پر اس شعبے میں مہارت رکھتا ہے اور اس کے تنخواہ دار ملازمین میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تجارتی منڈی پر گہری نظر رکھتے ہیں اور سرمائے کے بہترین استعمال میں معاون ہو f ہیں۔

اصولی طور پر یہ جواز درست ہے، مگر عملی طور پر بینکوں کی یہ افادیت ان کے سودی پہلوؤں کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ فرض کریں کہ میں درس و تدرسے رکھتا ہوں، اور سکول کھولنا چاہتا ہوں، یا ڈاکٹر ہوں اور

کلینک کھولنا چاہتا ہوں، یا انجینیر ہوں اور @ ی لگانا چاہتا ہوں، تو ان تمام سر گرمیوں کے منافع I ہونے اور قرض لینے کے اہل ہونے کا فیصلہ کرنے والا بینک کا ملازم ایک ہی انڈر رائٹر (Underwriter) ہوتا ہے، جسے نہ درس وتدر کی کچھ سمجھ ہے، نہ میڈیکل کی اور نہ ہی انجینیر نگ کی۔ اس شخص کی مہارت محض سرمایہ کاری سے متعلق ہے۔ بینک قرض د B کا فیصلہ محض منصوبے کے ^ پہلوؤں کو دیکھ کر نہیں کرتا بلکہ وہ یہ فیصلہ اس کے قرضے کے لائق ہونے یا کریڈٹ وردی (Credit Worthy) ہونے کے لحاظ سے کرتا ہے۔ بینک یہ د ¶ ہے کہ منصوبہ منافع دے رہا ہے، یا دے سکتا ہے، اور منصوبے کا ما M قرض لوٹا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کی چھان بین بھی بینک کسی تیسرے کو B دے کر کرواتا ہے۔ مثلاً مکان کی مار ٹگیج (Mortgage) کروانے کے لیے بینک مکان کی حالت کا تخمینہ کسی ٹھیکیدار سے لگوائے گا اور آپ کی مالی حالت کا تخمینہ کسی کریڈٹ بیورو (Credit Bureau) سے۔ یہ تمام معلومات لے کر آپ کو قرض د B کا فیصلہ کرے گا جس میں روپیہ ڈوب جانے کا خطرہ کم ہو اور منافع کا امکان زیادہ۔

ہمیں اس پورے عمل پر کوئی اعتراض نہیں۔ بینکوں کے متبادل جو اسلامی ادارے بنیں گے وہ بھی B لے کر سرمایہ کاروں کو یہ سہولت مہیا کر f ہیں کہ ان کی سرمایہ کاری کے بہتر مواقع کی طرف راہنمائی کریں اور چھان بین کر کے اچھے اور برے کی تمیز قائم کریں۔ پھر سرمایہ کار چاہے تو اپنے پیسے سے ان پسندیدہ منصوبوں میں شرکت یا مضاربت کر لے۔ پس بینکوں کی یہ خدمت کار آمد تو ہے، مگر اس کے لیے بینک ناگذیر نہیں۔ متبادل غیر سودی ادارے بھی یہ خدمت دے f ہیں۔

تیسرا افائدہ-مالیاتی مصالحت (Financial Intermediation)

بینکوں کا تیسرا افائدہ یہ ہے کہ وہ سرمائے کے بڑے پیمانے پر استعمال کو ممکن بناتے ہیں۔ اکثر بڑے منصوبوں پر اتنا خر W آتا ہے کہ کوئی شخص انفرادی طور پر اسے پورا نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر ہم نے دس کروڑ روپے کا بجلی گھر بنانا ہے تو شاید ہی کسی ایک شخص کے پاس اتنا پیسا ہو۔ مگر بینک کے پاس ہزاروں کی ? اد میں ایسے گاہک ہوں گے جن کے پاس لاکھوں روپیہ ہو گا، جس کو ملا کر اس منصوبے کی سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے۔

یوں مختلف سرمایہ کاروں کے لیے کسی ایک منصوبے میں یک جہتی کے ساتھ شرکت یا مضاربت کرنے کا انتظام کرنا بھی ایک کار آمد خدمت ہے۔ مگر ایک بار پھر، اس خدمت کو سرانجام د B کے لیے بھی بینک کو نہ ہی سود لینے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی شرعی پیچیدگی ہے۔ بینکوں کا نعم البدل اسلامی ادارہ بھی یہ کام کر سکتا ہے۔ آج ¾ بھی پبلک $ ں کے حصص فروخت کر کے اور وینچر کیپیٹل کمپنیاں (Venture Capital) اپنے کنسور شیم بنا کر بڑے پیمانوں پر سرمایہ کاری کر لیتے ہیں، جس میں بینک کے سودی عنصر کا کوئی خاطر خواہ کردار نہیں

ہوتا۔

چوتھا فائدہ- منافع اور فراکشنل ریزرو(Fractional Reserve)

اب ہماری بحث معاملے کی جڑ تک پہنچتی ہے، کیونکہ اوپر دیے گئے بینکوں کے تینوں فوائد کا انحصار سود خوری سے نہیں ہے، اور ان تمام خدمات کی فراہمی متبادل ادارے بھی کر f ہیں۔ بینکوں کی طرف سے بھی ان خدمات کی فراہمی میں کوئی خاص شرعی پیچیدگی نہیں، سوائے اس کے کہ ان میں جہاں جہاں سودی قرض موجود ہے اسے بدل کر اسلامی معاہدے طے کر لیے جائیں۔ مگر اب ہم بینکوں کی اس چوتھی خصوصیت پر بات کرتے ہیں، جو ان کے قانونی امتیازات اور پابندیوں کی اصل وجہ ہے، اور جس کا حصول سودی عنصر کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلامی بینک بھی اسی عنصر کے حامل ہیں، جس کے وجہ سے وہ سب بھی غیر شرعی ہیں، اور اس عنصر کا اسلام میں کوئی متبادل نہیں، جس کی وجہ سے ہم نے کہا کہ اسلامی نظام معیشت میں بینک ہوں گے ہی نہیں، یعنی ان میں یہ مخصوص عنصر موجود نہیں ہو گا جو مروجہ بینکاری نظام کا بنیادی ستون ہے۔

بینک واقعی سرمائے کے مکمل µ کی 1 نت دیتا ہے اور اس 1 نت کے تحت سرمایہ کار کو مال ڈو Ú کے خطرے سے بچاتا ہے۔ یہ نکتہ انتہائی اہم ہے، اور اس سے قبل کہ ہم اس کی وضاحت کریں، ہم چاہیں گے کہ پڑ œ والوں کے ذہنوں میں اوپر کی گئی باتیں دوبارہ دوہرا دیں۔ اگر آپ اسے سمجھ گئے تو بینکاری کے اس پہلو پر آپ بیٹھے بٹھائے جملہ اسلامی بینکوں کے شریعہ بورڈز کے ممبران کے مقابلے کا علم حاصل کر لیں گے، بلکہ شائد اکثر سے زیادہ، کیونکہ اگر وہ ان باتوں کو سمجھتے تو کبھی بینکوں کے اسلامی ہونے کا فتویٰ نہ دیتے۔

اب تک کی بحث میں ہم نے پہلے بینکوں کے Qیتیوں کا یہ دعویٰ پیش کیا کہ اقتصادی ترقی کے لیے بینک ناگزیر ہے، کیونکہ اگر بینک اپنی مخصوص خدمت پیش نہ کریں تو سرمایہ کار سرمایہ کاری کرنے سے گریز کریں اور یوں تر تی کاموں کے لیے سرمایہ مہیانہ ہو گا۔ ہم نے اس بات سے اتفاق کیا کہ سرمایہ کار قدرتی طور پر محفوظ سرمایہ کاری کو ترجیح دیتا ہے۔ اب ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ بینک بجا طور پر سرمائے کو µ دیتا ہے اور اپنے اس دعویٰ پر بخوبی پورا اترتا ہے۔ اب یہ دیکھنا رہ گیا کہ بینک یہ µ کیسے دیتا ہے، تا کہ شاید ہم وہی کام کسی اسلامی طریقے سے بھی کر سکیں۔ اس کا کھوج لگانے کے لیے ہم نے بینکوں کی تین بنیادی خدمات کا اوپر جائزہ لیا۔ اور یہ دیکھا کہ ان تینوں سے سرمایہ کاری کو کوئی حتمی µ نہیں ملتا۔ اگر کسی منصوبے میں نقصان ہو جائے، تو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ :

ا۔ منصوبے کے لیے قرض کی فراہمی شرکت پر ہوئی تھی یا سود پر

۲۔ منصوبے کے لیے بینک نے پیشہ وارانہ مہارت سے ¢ یہ کیا تھا

۳۔ منصوبے کے لیے مالیاتی مصالحت کے تحت اس کا پیمانہ بہت وسیع کر دیا گیا تھا یا نہیں

بینک کی ان تینوں مخصوص خدمات میں سے کوئی بھی بذاتِ خود اسے اس قابل نہیں بناتی کہ وہ مال کے µ

کی مکمل 1نت دے سکے۔ سودی معاہدے بھی نہیں، کیونکہ سود کی ادائیگی کی قابلیت کادارومدار بھی کاروبار کے منافع ا ہونے یاقرض دار کی آمدن سے ہے۔ تو پھر وہ کیا چیز ہے جس کے تحت بینک سرمائے کی گارنٹی دیتے ہیں اوراس گارنٹی کے تحت اپنے آپ کو سرمایہ کاری کے لیے ناگزیر گرداÕ ہیں؟

دراصل یہ بینک کی ایک اور مخصوص جہت ہے، جواسے سرمائے کے مکمل µ کے قابل بناتی ہے۔ یہی وہ اچھوتا عمل ہے جس کی وجہ سے انہیں عام تجارتی $ ں کے مقابلے میں کچھ قانونی امتیازات حاصل ہیں، اور جن کے لیےان پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے اوراسٹیٹ بینک سے انہیں لا ٔ ینس لیناپڑتا ہے۔ اس کانام فرایکشنل ریزرو بینکنگ (Fractional Reserve) ہے۔ اور یہی وہ عمل ہے جس کی وجہ سے جدید دور کے بینک بشمول اسلامی بینک کی شریعت سے مطابقت قطعاًناممکن ہے۔

اس عمل کی سادگی اس کے اچھوتے میں مزید اضافہ کردیتی ہے، کیونکہ جو پہلی بار سنتاہے وہ اس کی حقیقت جان کر حیران رہ جاتا ہے۔ فریکشنل ریزرو کا مطلب یہ ہے کے بینک کہ پاس - اصل ، موجوداور ٹھوس اثاثے (Reserves) ہیں، قانونی طور پر وہ اس کے کاغذی اثاثوں کا محض دس) یا—) ہو f ہیں، یعنی ا یزی میں اس کی ایک فریکشن (Fraction) ہو f ہیں۔ اس ا • کے تحت بینک کوایک طرح سے مال تخلیق کرنے کی قوت عطاہو جاتی ہے، اوراس قوت سے وہ بہت آسانی سے سرمایہ کار کو سرمائے کے µ کی مکمل 1نت دے سکتاہے۔

فرض کریں میں نے ایک منصوبے میں ۱۰۰ روپے لگانے ہیں۔ خدا کی طرف سے علم غیب عطاہونے کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں کہ میں بتاسکوں کہ ا منافع ہی ہو گااور نقصان نہیں۔ میں اور میرا بینک - بھی جتن کر لیں، نقصان کااندیشہ موجودرہے گا۔ بینک ا یہ 1نت نہیں دیتاکہ منصوبے میں نقصان نہیں ہو گا۔ بلکہ بینک یہ کہتاہے کہ میں وہ پیسہ خود منصوبے میں لگا کر نقصان کااندیشہ سہنے کی بجائے، وہ پیسہ بینک کو دے دوں اور بینک اسے منصوبے میں لگائے۔ پھر اگر نقصان ہو گیا، اور ۱۰۰ روپیہ ڈوب گیا، توبینک کاغذی طور پر مزید ۱۰۰ روپیہ تخلیق کر کے ا واپس لوٹادے گااور ا Ø س ہی نہیں ہونے دے گا کہ نقصان ہوا بھی۔ یہ کاغذی سوروپیہ کہاں سے آئے گا کیونکہ میراا صل سوروپیہ توڈوب گیا؟ بینک یہ پیسہ از خود بنالے گا، کیونکہ اسے فریکشنل ریزرو کے تحت اثاثوں کی ضرورت نہیں، وہ ۱۰ روپے دکھا کر بھی سوروپے جاری کر سکتاہے۔

یہی جدید دور میں بینکوں کی وہ اصل خصوصیت ہے، جوانہیں اس قابل بناتی ہے کہ سرمایہ کاراس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اسلام غرراور " العدوم کے اصولوں کے تحت ایسے فراڈ کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا، پس اسلامی بینک یاتو حتمی طور پراسلامی نہیں ہو پارہے، اور یا ï ض ہو گئے توروایتی بینکوں سے اس عمل میں مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔ یہی معاملے کی وہ اصل جڑ ہے جس کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کا تصور حلال شراب یا منکوحہ رنڈی کی طرح ایک اجتماعِ ضدین ہے جو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

آWاب اس اجمالی جائزے کے بعد، باری باری اسلامی بینکاری پراپنے اعتراضات کو باضابطہ \ بند کرتے

ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس فریکشنل ریزرو عمل کی تفصیل جا Õ ہیں۔

پہلا اعتراض- , کرنسی کا استعمال

ہم ایک باب میں یہ بحث تفصیل سے کر چکے ہیں کہ نظامِ زر اور بینکاری ایک ہی اکائی کے دو حصے ہیں۔ قومی یا سٹیٹ بینک کاغذی کرنسی جاری کرتا ہے اور دوسرے بینک اسے استعمال کرتے ہیں اور اسی میں مالیاتی خدمات مہیا کرتے ہیں۔ اسلامی بینکاری پر ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا ادارہ مکمل طور پر اسلامی نہیں ہو سکتا جو کہ ایک ایسی کرنسی استعمال کرے جو بذات خود غیر اسلامی بنیادوں پر $ ی ہو اور اس کا اجرا ہی سودی طریقے سے ہوا ہو۔ کاغذی کرنسی بذاتِ خود حرام عمل سے جنم لیتی ہے، اور کوئی بھی مالیاتی ادارہ جب تک اسکے ذریعے اپنے معاملات طے کرتا ہے وہ بھی اس حرام میں برابر کا شریک ہے۔

اب آپ یہ بھی کہہ f ہیں کہ اگر کاغذی کرنسی حرام ہے تو پھر ہم سب اسے استعمال کرتے ہیں اور یوں ہم سب حرام کام کر رہے ہیں۔ یہ بحث بھی ہم باب میں کر چکے ہیں، مگر یہاں ہمارا مقصد کاغذی کرنسی کو استعمال کرنے کے ثواب وƚہ کا ¢ یہ کرنا نہیں ہے بلکہ من " ا„ م اپنے اقتصادی نظام کے مستقبل کے لیے راہیں تلاش کرنا ہے۔ جب یہ طے ہو گیا کہ کاغذی کرنسی سودی نظام کا ایک حصہ ہے، تو پھر اسلامی بینک اگر اسے مجبوراً بھی استعمال کر رہا ہو، تو وہ اپنے بارے میں مکمل طور پر اسلامی ہونے کا دعٰوی نہیں کر سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اندرونی طور پر اسلامی بنیادوں پر قائم ہو، مگر خارجی طور پر سٹیٹ بینک کے ساتھ اپنے کی وجہ سے، اور اس سودی کرنسی نظام کا حصہ ہونے کی وجہ سے، اسلامی بینک اسلامی اقتصادی نظام کا 5 حصہ کبھی نہیں ہو f ۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی بینک یہ بھی دعٰوی نہیں کر سکتا کہ وہ اس نظام کا ایک مجبور یا لاچار رکن ہے۔ سٹیٹ بینک تمام بینکوں کے نمائندوں کے ہاتھوں ہے، اور وہ خود اس سودی کرنسی نظام کا مرکزی معاون ہے۔ پس، بینک بھی اس نظام کے بالوا Ò حصہ دار ہیں۔ اور کاغذی کرنسی کے استعمال کی وجہ سے ہم برملا کہہ f ہیں کہ فی الواقع کوئی بھی اسلامی بینک Œ ó ں میں اسلامی نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض-فریکشنل ریزرو اور " العدوم

فریکشنل ریزرو پر بینکاری نظام کی سائی آج ¾ عوام میں تیزی سے بڑھ رہی ہے، خصوصاً آسٹرین اکنامکس (Austrian Economics) کے ماہرینِ اقتصادیات کی بدولت، مگر پاکستان میں اب بھی اس کی آگاہی کا فقدان ہے۔ مصنف کے ذاتی تجربے میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ عام علمائے کرام تو دور کی بات، بینکوں کے شریعت

بورڈ کے ممبران تک اس اصطلاح اور اس کے مفہوم و محرکات سے بے ہیں۔

اس کو سمجھنے کا بہترین طریقہ اس کی عملی مثال دیکھنے میں ہے۔ ایک بینک لے لیں، جس کا نام ہے ویران بینک۔ اس بینک کو ایک سو روپے سے چارٹر (Charter) کروایا جاتا ہے، اور یہ ایک سو روپیہ اس کا پیڈ اپ کیپیٹل (Paid up capital) ہے۔

کھاتے کی تفصیل	ڈیبٹ بینک کے اثاثے	کریڈٹ دوسروں کے اثاثے یا قرضہ جات
ویران بینک کے مالکان کا حصہ		۱۰۰ روپے
ویران بینک	۱۰۰ روپے	
ویران بینک کے 3/4 اثاثے جو قرض میں دیے جا f ہیں	۱۰۰ روپے	

میں اس بینک کا پہلا صارف ہوں جو اپنا کرنٹ اکاونٹ کھلواتا ہوں اور ایک سو روپیہ اس میں جمع کروا دیتا ہوں۔ اب بینک کا اکاؤنٹ کچھ یوں نظر آئے گا جیسے نیچے دکھایا گیا ہے اور اس میں بینک کے 3/4 اثاثے ۲۰۰ روپے ہیں۔

کھاتے کی تفصیل	ڈیبٹ بینک کے اثاثے	کریڈٹ دوسروں کے اثاثے یا قرضہ جات
ویران بینک کے مالکان کا حصہ		۱۰۰ روپے
آصف		۱۰۰ روپے
ویران بینک	۲۰۰ روپے	
ویران بینک کے 3/4 اثاثے جو قرض میں دیے جا f ہیں	۲۰۰ روپے	

ایک اور شخص عثمان بینک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ I ۲۵۰ روپے قرض چاہیے۔ کیونکہ بینک کے پاس 3/4 ۲۰۰ روپے ہیں، اس لیے بینک اسے قرض د B سے معذرت کر لیتا ہے۔ مگر آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ یہی بینک ۲۵۰ روپے نہ ہونے کے باوجود عثمان کو کس طرح قرض د B میں کامیاب ہو جائے گا، جو کہ فریکشنل ریزرو کا ایک کرشمہ اور " العدوم کی کھلی مثال ہو گی۔

اب ایک اور شخص حارÉ آتا ہے اور وہ بینک سے صرف ۱۵۰ روپے قرض مانگتا ہے۔ ویران بینک کے پاس 3/4 ۲۰۰ روپے ہیں سو حارÉ کو ۱۵۰ روپے مل جاتے ہیں۔

غور کیجیے کہ ان ۲۰۰ روپوں میں ۱۰۰ روپے تو میرے ہیں، اور بینک کے اپنے صرف باقی ماندہ ۱۰۰ روپے ہیں۔ مگر پھر بھی بینک کے لیے ۱۵۰ روپے قرض دینا ممکن ہو گیا کیونکہ وہ پیسے کو امانت کے طور پر نہیں رکھتا۔ امانت آپ صاحبِ امانت سے پوچھے بغیر خرچ نہیں کر f ؔ اور بطور قرض نہیں دے f ؔ۔ بینک جان بوجھ کر اپنے اور صارف کے درمیان جو معاہدہ کرتا ہے، اسے 'امانہ' کی بجائے 'وعدیہ' کی بنیادوں پر کرتا ہے یعنی کہ بینک کا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ وہ آپ کو مانگنے پر آپ کے سو روپے لوٹا دے گا۔ اس معاہدے کے فائن پرنٹ (Fine Print) میں س یہ بھی % ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس مطالبے پر ادا کرنے کے لیے پیسے نہ ہوئے، یعنی اس نے آپ کے پیسے اڑا دیے، تو پھر بھی آپ اسے کچھ نہیں کہہ f ؔ، سوائے اس کے کہ حکومت اپنی طرف سے آپ کے پیسے لوٹائے، اور وہ بھی صرف اتنے - کہ رل ڈیپازٹ انشورنس (Federal Deposit Insurance) یا اس سے ملتی جلتی کسی قانونی شق میں متعین ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ لیں کہ بینک میں پیسا رکھنے سے آپ بینک کو اپنے مال کا امین نہیں بناتے، بلکہ بینک کو ایک Ó سود قرض دے رہے ہوتے ہیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ کی صورت میں بینک آپ سے Ó سود، قرض لیتا ہے اور سیونگ اکاؤنٹ کی صورت میں انتہائی سستے سود پر۔ بینک پھر اس K کے قرض کو آگے کئی Ŀ زیادہ سود پر قرض دیتا ہے اور یوں منافع کماتا ہے۔ یاد رہے کہ بینکاری نظام انتہائی پیچیدہ ہے اور ہم یہاں صرف موٹے موٹے اصول [ن کر رہے ہیں۔ عملی محرکات مختلف علاقوں کے قوانین کے لحاظ سے کچھ مختلف بھی ہو f ؔ ہیں۔

اس طرح بینک آپ کے پیسے کا ماM بن کر اسے اپنی مرضی سے مختلف کاروباروں میں لگاتا ہے، اور ان سے جو منافع کماتا ہے، وہ بینک کا منافع ہوتا ہے، جس میں سے عام طور پر آپ کو کچھ نہیں ملتا۔

اب آگے چلیے۔ یہ قرض د B کے بعد بینک کا کھاتا کچھ یوں دکھے گا۔

کھاتے کی تفصیل	ڈیبٹ بینک کے اثاثے	کریڈٹ دوسروں کے اثاثے یا قرضاجات
ویران بینک کے مالکان کا حصہ		۱۰۰ روپے
آصف		۱۰۰ روپے
حار É کی طرف سے واجب الادا قرض اکاؤنٹ ریسیویبل (Account Receivable)	۱۵۰ روپے	
ویران بینک	۵۰ روپے	
ویران بینک کے 3/4 اثاثے جو قرض میں دیے جا f ؔ ہیں	۲۰۰ روپے	

حارÉ کو یہ رقم گاڑی خریدنے کے لیے چاہیے تھی۔ وہ بینک سے وصول شدہ ڈرا — آٹو ڈیلر کو دے دیتا ہے اور اس سے گاڑی لے لیتا ہے۔

آٹو ڈیلر بھی اپنا اکاونٹ اسی بینک میں کھول لیتا ہے، اور عثمان سے ڈرا — لے کر واپس اسی بینک میں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیتا ہے۔

اب بینک کے کھاتے کی شکل کچھ یوں ہو جائے گی۔

کھاتے کی تفصیل	ڈیبٹ بینک کے اثاثے	کریڈٹ دوسروں کے اثاثے یا قرضاجات
ویران بینک کے مالکان کا حصہ		۱۰۰ روپے
آصف		۱۰۰ روپے
حارÉ کے نام جاری قرض اکاونٹ ریسیوبیل	۱۵۰ روپے	
آٹو ڈیلر		۱۵۰ روپے
ویران بینک	۲۰۰ روپے	
ویران بینک کے 3/4 اثاثے جو قرض میں دیے جا f ہیں	۳۵۰ روپے	

پس، آپ کے سا g ایک جادوئی عمل سے بینک، جو ۱۰۰ روپے سے شروع ہوا تھا، اب کتابوں میں ۳۵۰ روپے کے اثاثے ظاہر کر رہا ہے۔

ہم نے تیسرے باب میں دیکھا تھا کہ پیسے کی مختلف قسمیں ہیں اور ان میں سے ایک ہے جس کا نام ہم نے ثمن حکو O بتایا تھا، اور دوسرا ثمن چیک بک۔ ثمن حکو O تو وہ ۲۰۰ روپے ہیں جو آصف کے کھاتا کھولنے کے بعد بینک میں موجود تھے۔ بعد میں جو ۱۵۰ روپے مزید تخلیق کر کے بینک اپنے کھاتوں کو ۳۵۰ تک لے گیا، یہ ۱۵۰ روپے ثمن چیک بک کے زمرے میں آئیں گے۔ ثمن چیک بک فریکشنل ریزرو کے ذریعے تخلیق ہوتا ہے۔ فریکشنل ریزرو عمل کی اجازت دنیا بھر کے بینکاری قوانین دیتے ہیں، جس میں اسلامی بینک بھی اسی طرح شامل ہیں جیسے غیر اسلامی بینک۔

اس کا لبِ لباب کچھ یوں ہے کہ بینک کے پاس - اثاثے ہوں، وہ ان اثاثوں کے ایک فریکشن یعنی ایک چھوٹے سے حصے کو الگ رکھ کر، باقی مال کو اپنے ذاتی استعمال میں لا سکتا ہے۔ اسے سٹیٹ بینک کا ریزرو ر q (Reserve Ratio) متعین کرتا ہے۔ فرض کریں کہ سٹیٹ بینک کہتا ہے کہ ریزرو ر q ۱۰) ہے۔ اب جب بینک شروع ہوا، تو اس میں اصل کرنسی نوٹ ۲۰۰ جمع کیے گئے، ۱۰۰ مالکان کے اور ۱۰۰ آصف کے۔ ریزرو

ر q کے مطابق بینک کو صرف اس میں سے ۲۰ روپے سٹیٹ بینک میں جمع کروانے ہیں، اور باقی ۱۸۰قرض میں دیے جا f ہیں۔ ایک طرف تو بینک نے آصف کو اپنے کھاتے کے تحت یہ وعدہ دیا کہ وہ اسے ۱۰۰روپے مطالبے پر ادا کرے گا۔ مگر اس کے باوجود اس خوش فہمی پر کہ آصف کو مستقبل قریب میں اپنے سارے پیسے نہیں نکلوانے ہوں گے، بینک نے ان میں سے ۵۰ روپے اپنے استعمال میں لا کر اسی رقم کا دوہرا استعمال کیا، اور ۱۵۰روپے حارÉ کو قرض پر دے دیے۔

ہم نے پہلے بتایا تھا کہ اسلام میں "الععدوم کی ممانعت ہے، اور احادیث کی روشنی میں اس کی مثال پیش کی تھی کہ کوئی بھی ایسی چیز جو بیچنے والے کے قبضے میں نہیں ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ چیز وجود ہی نہیں رکھتی۔ اگر میں ایک کرسی بیچ رہا ہوں تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ایسی کرسی بیچ رہا ہوں جو بنی ہی نہیں، یا اگر بنی تھی تو اب چوری ہو ہے، تو اس کی فروخت "العدوم کے زمرے میں آئے گی۔ اب بالکل اسی طرح اس مثال کو دیکھیے کہ کرسی تو موجود ہے، جسے میں دو مختلف اشخاص کو الگ الگ بیچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پہلا شخص جو اسے خریدے گا اس تک تو معاملہ جائز ہے، مگر جب اس کے بک جانے کے بعد میں دوبارہ کسی اور کے ہاتھ بیچوں گا تو اب میں "العدوم کا مرتکب ہوں گا، کیونکہ میں ایک ایسی چیز فروخت کر رہا ہوں، جس کی ملکیت مجھ سے جا ہے۔

بینک کے معاملے میں جب آصف نے وعدیہ (Deposit) کے تحت بینک کے پاس پیسے رکھوا دیے، تو اب یہ رقم بینک کو منتقل ہو گئی۔ اصولی طور پر اب وہ خود اپنی چیک بک کے ذریعے اس رقم کو خرچ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ رقم تو وہ امانہ کے بجائے وعدیہ کے تحت بینک کو قرض دے چکا ہے، اور اس کا خرچ کرنا دراصل وم رقم کا استعمال ہے۔ بینک اس رقم کو آگے حارÉ کو قرض کے طور پر ڈرا — کی شکل میں ادا کر چکا ہے۔ حارÉ کا ڈرا — اور آصف کی چیک بک، دونوں ایک ہی رقم کے علمبردار ہیں۔ اگر اس رقم پر آصف کا حق ہے، تو پھر حارÉ کی گاڑی کی تجارت وم رقم کے ساتھ پیش آ رہی ہے، اور اگر اس رقم پر حارÉ کا حق ہے تو پھر آصف کا چیک بک کا استعمال ایک وم رقم کا استعمال ہے۔ دونوں میں سے کوئی ایک صورت شرعی اعتبار سے "العدوم کی مرتکب ضرور ہو گی، اور یہ ناجائز ہے۔

فریکشنل ریزرو کے اس معاملے میں اسلامی بینک بھی اسی طرح ملوÉ ہیں جیسے روایتی بینک۔ اسلامی بینک بھی لوگوں سے وعدیہ پر ڈیپازٹ (Deposit) لیتے ہیں اور پھر اس رقم کو خود اسلامیÓ سود سرمایہ کاری میں لگاتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری بھلے اسلامی ہو مگر دو فریقین کا ایک ہی رقم کو استعمال کرنا غیر اسلامی ہے۔

اسلامی بینکاری کے حامی اس ضمن میں ایک اور جواز پیش کرتے ہیں کہ معروف صحابی حضرت زF بن العوامؓ بھی لوگوں سے مال خصوصی طور پر وعدیہ بنیادوں پر لیتے اور اسے اپنے استعمال میں لاتے، بالکل اس طرح جیسے آج 3/4ل بینک اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ مگر وہ ایک بنیادی نکتہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جب لوگ حضرت زFؓ کو اپنا مال دے دیتے، تو پھر وہ خود اسی مال کی وعدیہ رسیدوں کو مال کے طور اپنے استعمال میں نہ رکھتے۔ پس، اسلامی تاریخ میں بینکاری کی اس روش کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

تیسرا اعتراض-مانیٹائزیشن اور غرر

فریکشنل ریزرو جہاں ایک جادوئی عمل نظر آتا ہے، وہاں اس کے پیچھے ایک سادہ سا اصول ہے، جسے مانیٹائزیشن (Monetization) کہتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ جب حارÉ نے ڈرا — آٹو ڈیلر کو دے دیا، تو اب ایک ہی ۲۰۰ روپے کی ابتدائی رقم میں سے آصف، بینک مالکان اور آٹو ڈیلر تینوں اپنا حصہ سمجھ رہے ہیں، جبکہ اصل رقم اتنی نہیں ہے۔ یہ زائد رقم جو فریکشنل ریزرو کے ذریعے تخلیق ہوئی، اس کا جواز یہ دیا جاتا ہے کہ جو اثاثے معاملات میں استعمال ہوئے، وہ خود بھی مالیت رکھتے ہیں اور ان کی مالیت کی علمبرداری کے لیے ثمن تخلیق کر لیا جاتا ہے، یعنی ثمن چیک بک جو کہ بینک ڈرا — کی شکل میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان اثاثوں کو مانیٹائز کر لیا جاتا ہے۔ ا یزی میں منی پیسے یا کرنسی کو کہتے ہیں، اور اس اسم سے جو مانیٹائزیشن بنتا ہے، اس سے مراد ہے کہ کسی بھی اثاثے کی مالیت کو کرنسی میں تبدیل کر لینا۔ یہ عمل مادی و غیر مادی دونوں قسموں کے اثاثوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

جب بینک آصف کے ڈیپازٹ کی رقم حارÉ کو قرض کے طور پر دیتا ہے، تو مانیٹائزیشن کے نظریے کے تحت وہ آصف کی رقم حارÉ کو نہیں دے رہا، بلکہ حارÉ کے ساتھ اس = معاملے میں شامل اثاثوں کو مانیٹائز کر رہا ہے۔ جو بینک ڈرا — جاری کیا گیا، یہ آصف اور باقی کھاتے داروں کی رقم نہیں لی جا رہی، بلکہ h رقم تخلیق کی جا رہی ہے، جس کا منبع درج ذیل میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔

ا۔ اول تو جو گاڑی حارÉ خرید رہا ہے، وہ بینک کے نام کر دی جاتی ہے تاوقتیکہ اس کی ادائیگی مکمل نہ ہو جائے۔ یوں جہاں کھاتے میں ہم نے دیکھا کہ ۲۰۰ روپے پر ۳۵۰ روپے کا مطالبہ واجب ہے، تو وہاں بینک ان ۲۰۰ روپوں کے علاوہ ایک عدد گاڑی کا بھی ماM بن گیا ہے، جس کی مالیت ۱۵۰ روپے ہے۔ یوں ثمن چیک بک، جو فریکشنل ریزرو کے ذریعے تخلیق ہوا، وہ عمل دراصل گاڑی کی مانیٹائزیشن کا بھی ہے۔ اس نظریے کے تحت، کیونکہ گاڑی موجود ہے، اس لیے کھاتوں پر مطالبے " ا لعدوم نہیں۔

۲۔ دوم، جن معاملات میں بینک کسی اثاثے سے متعلق معاملہ نہیں بھی کر رہا، مثلاً ذاتی ذمہ داری پر غیر (Unsecured) قرض جاری کر رہا ہے، تو وہاں بھی جو قرض دیا گیا، اس کے بدلے قرضدار کی مستقبل کی ادائیگیوں کی مانیٹائزیشن ہو رہی ہوتی ہے۔ چونکہ حارÉ نے بینک کو ادائیگی کرنی ہے اور بینک کسی حد تک فوجداری عمل سے اسے اپنے باقی اثاثوں سے بے دخل کر کے بھی اپنی رقم وصول کر سکتا ہے، اس لیے بینک اس رقم کو اپنا اثاثہ سمجھتا ہے۔ نہ صرف بینک، بلکہ روایتی کھاتے داری میں بھی اکاونٹ ریسیوایبل (Account Receivable) > ی سے ملتا جلتا ایک اثاثہ ہی سمجھا جاتا ہے۔

اس عمل کے حامی یہ کہتے ہیں کہ اس پورے معاملے میں کچھ وم نہیں، کیونکہ بینک کے کھاتے اور اس کی

بیلنس شیٹ ان وسیع تر ó ں میں ہمیشہ متوازن رہتی ہیں۔

آW اب اس کا ¢ یہ کرتے ہیں۔ یہ معاملہ تین مخصوص رخ اختیار کر سکتا ہے، جن کو ہم باری باری پیش کریں گے۔

اول یہ کہ جس گاڑی کو بینک نے اپنی ملکیت میں لیا، وہ ہمیشہ ۱۵۰ روپے کی نہیں رہے گی۔æ¾ں اگر گاڑی حادثے میں تباہ ہو گئی تو پھر مجموعی طور پر بینک کے اثاثوں کی مالیت اس سے جائے گی جتنی کہ ثمن چیک بک میں درج کر دی گئی ہے۔ نہ صرف یوں حادثاتی طور پر، بلکہ بینک تو جان بوجھ کر اثاثوں کی مالیت میں زیادتی کرنے اور ان کی غلط نمائندگی کرنے کے لیے بھی زمانے میں بدنام ہیں۔ یاد رہے کہ امریکہ میں ۲۰۰۷ کا مالیاتی Uان جسے ا یزی میں سبپرائم مورٹگیج کرائُ س (Subprime Mortgage Crisis) بھی کہا جاتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہی تھی کہ ایم بی ا (MBS – Mortgage Backed Securities) اور سی ڈی او (CDO – Collaterilized Debt Obligations) نامی تمسکات کے کھاتوں میں اصل سے بہت زیادہ قیمت لگائی جا رہی تھی۔ پس، بے پناہ کھاتے داروں نے اپنی رقم ائی یہاں تک کہ بڑے بڑے بینک دیوالیہ ہونے کو آ گئے اور حکومت کو مداخلت کرنا پڑی۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے پیسے ادیے۔ مگر اس کا زیادہ درست [ن یہ ہوگا کہ لوگوں کو جو یہ باور کروایا گیا تھا کہ وہ کھاتوں میں اتنے fl ں کے ماMہیں، وہ طلسم ٹوٹ گیا اور حقیقت آشکار ہو گئی۔ دراصل لوگوں نے پیسے ائے نہیں، بلکہ وہ ان fl ں کے کبھی ماM تھے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ پیسا وجود ہی نہیں رکھتا تھا، سوائے کمپیوٹر کے اندر ایک عددی اندراج کے۔ پس، فریکشنل ریزرو کا یہ جواز j ٹا اور ناکافی ہے کہ اس کے پیچھے بینک کے اثاثے موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان اثاثوں کی مالیت کا اندازہ لگانا ان کو فروخت کیے بغیر ناممکن ہے، اور یوں اگر " الْعدوم نہیں، تو یہاں بینک غرر کے مرتکب ضرور ہیں۔

دوم یہ کہ بینک ہمیشہ ٹھوس اثاثوں کے بدلے قرض جاری نہیں کرتا، بلکہ کبھی کبھی قرض دار کی طرف سے مستقبل کی متوقع ادائیگیوں کو بھی مانیٹائز کر لیتا ہے۔ اس کی ایک مثال حکو O بانڈ ہیں جن کا ¢ یہ ہم نے ابواب میں کیا۔ دوسری مثال جو ہم نے اوپر دی، کہ حارÉ نے بینک کے پیسے لوٹانے ہیں، اور بینک کے ساتھ کھاتا کھولنے کی وجہ سے بینک نے آٹو ڈیلر کے پیسے لوٹانے ہیں۔ تو بینک فرضی طور پر حارÉ کی طرف سے آنے والے قرض کو آٹو ڈیلر کو ادا کرنے والے قرض سے جوڑ دے گا، اور کھاتے داری میں توازن رکھے گا۔ روایتی طور پر یہ عمل حوالہ کہلاتا ہے، یعنی کسی ادائیگی یا معاملے کو طے کرنے کی خاطر ایک کے قرض کو دوسرے کے نام کر دینا۔ مگر اسلام میں اس کی ایک شرط یہ ہے کہ فریقین کو اس بات کا علم ہو اور ان کی رضا ' ی شامل ہو۔ یہاں اگر آپ آٹو ڈیلر کو یہ بتائیں کہ آپ کو جو ڈرا — دیا جا رہا ہے، اس کے پیچھے ۱۵۰ روپے نہیں بلکہ حارÉ کا قرض ہے، تو شاید وہ اسے کبھی قبول نہ کرے۔ یعنی ` اسلامی کی حوالہ کی شرط کے مطابق اگر اسے بتایا جائے کہ یہ حارÉ کا قرض تمlارے نام کیا جا رہا ہے، تو وہ کبھی اسے قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ صورت تو بینک کی جگہ اس کی اپنی جانب سے حارÉ کی

فنا ٔ نگ کرنے کی بن جائے گی۔ وہ بینک کے پاس گیا ہی اس لیے تھا کہ بینک اسے فوری رقم ادا کر دے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ بینک کی طرف سے رقم نہیں مل رہی، بلکہ حار É کے قرض کو ایک اور لبادے میں لپیٹ کر اسے دیا جارہاہے، سو یہ پورا عمل اس لحاظ سے بھی غرر کا حامل ہے۔ اس صورت سے نکلنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ فریقین کو حقیقت سے آگاہ کر کے ان کی رضا ' ی لی جائے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بینک جب آٹو ڈیلر کو اکاؤنٹ اسٹیٹمنٹ بھیجے تو اس کے اندر یہ نہ % ہو کہ وہ ۱۵۰ روپوں کا ما M ہے، بلکہ یہ کہ وہ حار É کی جانب سے واجب الادا ۱۵۰ روپے کا ما M ہے۔

سوئم یہ کہ یہی طریقہ ٹھوس اثاثوں کی نسبت بھی اپنانا پڑے گا۔ یعنی اگر بینک آٹو ڈیلر کے کھاتے کی رقم حار É کی مستقبل کی واجب الادا رقم کی بجائے اپنی ملکیت میں گروی رکھی ہوئی گاڑی کی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے، تو وہاں بھی اسے %ئی سے کام لینا ہوگا، اور اس کی اسٹیٹمنٹ میں ۱۵۰ روپے کی ملکیت کی بجائے گاڑی کی ملکیت کا اندراج کرنا ہوگا۔

الغرض، اگر بینک کے پاس رقم نہیں، تو I یہ باور کروانا کہ میں اس کے پاس موجود > رقم کا ما M ہوں، یہ " الْعدوم کے زمرے میں آئے گا۔ اور اگر اس کے پاس رقم ہے، مگر اثاثوں یا متوقع ادائیگیوں کی صورت میں ہے، تو پھر I یہ باور کروانا کہ میں اس کے پاس موجود > رقم کا ما M ہوں، یہ غرر کے زمرے میں آئے گا۔

ایک آخری نکتہ جو بینکاری کے حامی پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ تمام باتیں بینک کے لمبے چوڑے معاہدوں میں لکھی ہوتی ہیں، پس عوام جا ہے کہ بینک کے پاس رقم > ی میں نہیں بلکہ وعدیہ معاہدے کے تحت واجب الادا شکل میں ہوتی ہے۔ اول تو ہم یقین سے کہہ f ہیں کہ ۹۹ فی صد لوگوں کو ان لمبے چوڑے باریک حروف میں لکھی اس قانونی زبان کی سمجھ نہیں ہوتی، اور وہ سب یہی عملی تاثر رکھتے ہیں ہے کہ ان کی رقم موجود ہے۔ یوں کاغذوں میں درج حقیقت سے برعکس تاثر د B سے یہ پورا عمل اب صرف غرر کا مرتکب ہی نہیں رہا، بلکہ دھوکا دہی کے زمرے میں بھی آگیا۔ اس کے ساتھ ساتھ، اگر بینک اپنے معاہدوں میں یہ حقائق [ن بھی کر دیتا ہے، تو یہ ایک ایسا عمل ہے جو شریعت سے متصادم ہے، اور اب یہ ممکن نہیں کہ صارف کی رضا ' ی حاصل کر کے اسے جائز کر لیا جائے، کیونکہ معاملہ صارف کی رضا ' ی کا نہیں، بلکہ خالقِ کائنات کی رضا ' ی کا ہے۔ ربا، غرر اور " الْعدوم اگر ; کر کیے جائیں تو ﷽ہ کے ساتھ دھوکہ بھی ہیں، اور اگر بتا کر کیے جائیں تو صرف ﷽ہ ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں برابر حرام ہیں۔

چوتھا اعتراض- تجارت پر پابندی

اس جز کا نام پہلے ہم نے ð ا ï صر معاہدے سوچا تھا کیونکہ اسلامی بینکوں کا ایک نامی گرامی طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ ایک معروف اسلامی معاہدے کو اٹھاتے ہیں، مثلاً مرابحہ، پھر اس کو اپنی مرضی سے بدل لیتے ہیں اور

کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اسلامی ہے۔ حالانکہ وہ عملی طور پر اس معاہدے کے صر میں اتنی تبدیلیاں کر دیتے ہیں کہ وہ مرابحہ سے ہٹ کر کچھ اور ہی بن جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ میں ایک چھٹانک میدہ، آدھی چھٹانک چینی اور ایک انڈہ لوں اور کہوں کہ میں کیک بنا رہا ہوں۔ اور حقیقت میں یہ کیک ہی کے صر ہیں اور کیک ہی کا نسخہ ہے۔ مگر پھر میں اس میں ڈھیر سارا آٹا ڈال کر اس کے پراٹھے بنا لوں۔ اور کہوں کہ کیک تیار ہو گیا، ہم نے اس میں کچھ تبدیلی کی ہے، مگر یہ ہے کیک ہی۔

اس عمل کو جدید اقتصادی نظام میں فنا انجینیر نگ (Financial Engineering) کہتے ہیں، جہاں بینکار نت = 'فنا پراڈکٹس' بناتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اسلامی ہیں، کیونکہ اس کا نام ایک جائز اور معروف معاہدے پر رکھا گیا ہے۔

مگر معاملے پر مزید غور کرنے کے بعد ہم نے اس جز کا نام تبدیل کر کے تجارت پر پابندی رکھ دیا، کیونکہ دراصل یہ وہ حقیقت ہے جس کے تحت بینکار معاہدوں کا کچومر بنانے پر مجبور ہیں۔ کسی حد تک اس میں بدن‍ِ‍ٔ شامل ہو سکتی ہے، مگر ہمارا بنیادی مقدمہ بینکاری سے منسلک قابل ا] ام ماہرین اقتصادیات اور علما کے خلاف نہیں ہے، بلکہ بینکاری نظام کے خلاف ہے۔ اس لیے ہم اس اصل اور نظروں سے او جھل حقیقت کو سا g لانا چاہتے ہیں کہ بینکاری نظام جوہری طور پر ایسا غیر اسلامی ہے کہ اس میں کوئی اسلامی معاہدہ بھی اپنی اصلیت ابیٹھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کیک کا پراٹھا بن جانا کسی کی نیت کا فتور نہیں، بلکہ نظام کی مجبوری ہے۔ اسی طرح بینک جو اسلامی معاہدوں کو جوڑ توڑ کر h h ٔشکلیں دیتے ہیں، یہ محض مسئلہ کی ظاہری علامت ہے۔ دراصل وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ درحقیقت مسئلہ یہی ہے کہ مروجہ بینکاری نظام، بینکوں پر جائز تجارت کرنے پر پابندی لگاتا ہے۔

کچھ دیر کے لیے ہم آپ کو پیچھے لے جا کر دوبارہ قرآن پاک کی وہ آیات یاد کرواتے ہیں جہاں اللہ نے انتہائی حکمت کے تحت محض ربا کی حرمت کا اعلان نہیں کیا، بلکہ اس سے پہلے، تجارت کے صریح طور پر حلال ہونے کا اعلان بھی کیا ہے۔ مزید براں قرآنی آیات کا متن اس بات پر بھی دلیل ہے کہ وہ ربا اور تجارت کو باہم متصادم د ¶ ہے۔

اس تضاد کے تحت منافع کمانے کے دو طریقے ہیں، ایک تجارت اور ایک سود۔ اسلامی معاہدے مثلاً مشارکت اور مضاربت تجارت کرنے کے انداز ہیں، اور بنیادی طور پر تجارتی معاہدے ہیں۔ اس کے برعکس مغربی سودی بینکاری نظام میں آمدن سود سے آتی ہے۔ آمدن کے طریقے دو ہی ہیں، تجارت اور سود۔ اب اگر اسلامی بینک پر دونوں طریقے بند کر دیے جائیں تو وہ آمدن کہاں سے پیدا کرے؟

جب بینک کو اسلامی کرنے کی کوشش کی گئی تو ایک طرح سے بینک پر دونوں دروازے بند کر دیے گئے۔ تجارت کا دروازہ یوں بند ہو گیا کیونکہ یہ روایتی طور پر بینکاری نظام کے قوانین میں ہر بینک کے لیے بند ہی ہے۔ اور ربا کا دروازہ شرعی اعتبار سے بند ہو گیا۔ پس اسلامی بینک نہ ہی سود سے منافع کما سکتا ہے، اور نہ ہی تجارت سے۔ یہاں اسلامی بینکاری کے موجد حضرات سے کوتاہی ہوئی کہ انھوں نے اس مسئلہ کو گہرائی میں جا کر نہیں سمجھا، اور بینکاری

نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے دو راستوں میں سے غلط راستے پر چل نکلے۔ درست راستہ یہ تھا کہ اسلامی بینکوں کے منافع کمانے کے لیے تجارتی میدان کھول دیا جائے۔ اور غلط راستہ جس پر وہ چل نکلے، یہ تھا کہ منافع کے لیے سودی راستے ہی کو اسلامی بنانے کی کوشش کی جائے۔ حالانکہ مشارکت اور مرابحہ، فنانْ نگ (Financing) کے نہیں بلکہ تجارتی معاہدے ہیں۔

پس اسلامی بینکاری تجارتی معاہدوں کو پیچیدہ فنانْ نگ معاہدوں میں ڈھالنے کی ایک تخلیقی دوڑ بن گئی تاکہ ان سے ربا جیسے x ئج اسلامی لبادہ اوڑھا کر حاصل کر لیے جائیں۔ اس فنا انجینیرنگ کے عمل کا سب سے اہم عنصر مختلف معاہدوں کو جمع کرکے h h اشکال تخلیق کرنا ہے، یعنی ð ا ï صر معاہدے۔

پہلے ہم آپ کو مغربی اقتصادی سوچ میں اس پابندی کی وجہ بتائیں گے۔ پھر یہ دکھائیں گے کہ اسلامی بینکاری کے تجارتی معاہدے بھی اس سوچ کے حصار میں اپنی اصل روح کھو چکے ہیں اور محض فنانْ نگ کے معاہدے بن گئے ہیں۔

تجارتی پابندی کی وجہ

مغربی دنیا کے اقتصادی نظام میں بینک ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا کام محض مال کی حفاظت اور ترسیل نہیں بلکہ وہ حکومت اور مرکزی بینک کی جانب سے پوری معیشت کی انی اور نشو و نما کے آلہِ کار ہوتے ہیں۔ خصوصی طور پر یہ کہ وہ سٹیٹ بینک کے اشاروں پر ثمن چیک بک میں زیادتی و کرکے معیشت میں تیزی اور ' ی پیدا کرتے ہیں۔ اس کام کو سرانجام د B کے لیے انہیں کچھ مخصوص اختیارات دیے گئے ہیں، جن میں سب سے اہم فریکشنل ریزرو ہے۔ مال کو تخلیق کرنا اتنا حساس، مگر اس کے ساتھ ساتھ اتنا قوی اختیار ہے کہ اس کے استعمال کے لیے بینکوں کو عام $ ں سے زیادہ کڑی انی میں رکھا جاتا ہے اور بڑے لوازمات کے بعد بینک بننے کا لاُ ینس جاری کیا جاتا ہے۔

مال کو تخلیق کرنے ہی کے اس اختیار کی وجہ سے بینکوں کو تجارت کرنے سے روک دیا گیا ہے، تاکہ وہ محض معیشت کے انتظامی آلہِ کار بنیں اور خود معیشت کا حصہ نہ بن جائیں۔ وہ معاشی سرگرمیوں کے لیے سرمایہ مہیا کریں، مگر خود ان سرگرمیوں میں حصہ نہ لیں۔ مغربی نظام کی آنکھ سے دیکھیں تو یہ ایک اچھا نظریہ ہے۔ مثلاً اگر بازار میں دو دکاندار ہیں، تو ان کے درمیان ایک کاروباری مسابقت رہے گی۔ وہ اپنے اپنے ذرائع سے اپنا کاروبار o نے کی کوشش کریں گے جس کے لیے انہیں پیسہ درکار ہوگا۔ وہ اپنے خرچ پر باہر دکان کا سائن بورڈ لگائیں گے، اخبار میں اœ ردیں گے اور مال تھوک میں سستے سے سستا اٹھائیں گے۔ یہ سب کرنے کے لیے انہیں مال خرچ کرنا پڑے گا۔ اگر ایک فریق کو سرمائے کی بے پناہ یا نہ ختم ہونے والی مقدار فراہم کر دی جائے، یا اسے نوٹ چھاپنے کی Ñ دے دی جائے، تو مال تخلیق کرنے کے اس غیر منصفانہ اختیار سے باقی سب تاجروں پر سبقت لے جائے گا۔

مغربی نظام میں کرنسی جاری کرنا حکومت کا امتیازی اختیار سمجھا جاتا ہے، اور بینک کو محض حکومت کے اقتصادی معاون کے حیثیت سے یہ اختیار دیا جاتا ہے، تاکہ وہ ثمن چیک بک کے ذریعے معیشت کو سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کر سکے۔ ظاہر ہے کہ حکومت کا دیا گیا یہ اختیار عوام کی بہتری کے لیے ہے، جسے اپنے ذاتی کاروباری منافع کے لیے استعمال کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے مغربی نظام نے اس کا حل یہ نکالا کہ بینکوں کی کاروباری سرگرمیوں میں حصہ لینے کی قوت ہی سلب کر لی۔ مغربی نظام کے بنیادی فکری و ترکیبی اصولوں کا یہ ایک اہم ستون ہے کہ بینک، جو مال کی تخلیق کرتا ہے، اسے ان سرگرمیوں کی اجازت نہ دی جائے جو مال کی تخلیق کی بدولت باقی تاجروں پر برتری دے دے۔ ورنہ بینک اپنے کاروبار کو پھیلانے کے لیے اپنے آپ کو قرض دیتا جائے گا، اور دوسرے تاجروں کو قرض د B سے انکار کر دے گا۔ پس انہوں نے بینک کو قرض د B کے علاوہ باقی تمام سرگرمیوں سے روک دیا، تاکہ بینک ہر قرض خواہ کے ساتھ منصفانہ سلوک کرے، اور اس کی اپنی منفعت تجارت سے نہیں بلکہ قرضوں کی فراہمی کے T میں ہونے والے سود سے آئے۔

جب بے چارے سادے × ن اس بینکاری کو اسلامی کرنے چلے، تو وہ یہ بھول گئے کہ قومِ رسول ہا اپنی ترکیب میں مخصوص ہے اور اس پر س اقوامِ مغرب کے نظام سے نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں نہ ہی کاغذی کرنسی یوں عدم سے معرض وجود میں لائی جا سکتی ہے، اور نہ ہی اس کی معیشت میں داخلے کے لیے بینکوں کی ایسی مالیاتی مصالحت کی ضرورت ہے جو انہیں سنتِ نبوی کے تحت تجارت کرنے سے روک دے۔ نہ ہمیں ایسے ð ا ï صر معاہدوں کی ضرورت ہے جن کو خصوصی طور پر ربا سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے انجینیر (Engineer) کیا گیا ہو۔ لہذا جب بھی صحیح ó ں میں اسلامی بینک تخلیق ہوں گے تو انہیں تجارت کی پوری اجازت ہو گی، جس کی وجہ سے وہ آج ¾ کے بینکوں کی d e پر پورے نہیں اتریں گے، اور عام تجارتی ادارے کی طرح کام کریں گے۔ وہ مال کی حفاظت، ترسیل اور اسلامی سرمایہ کاری میں معاونت کریں گے، اور اس کے بدلے سود کے بجائے B یا پھر منافع میں سے حصہ لیں گے۔

اب مروجہ اسلامی بینکاری میں اس تجارتی پابندی کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلامی بینکاری معاہدے

پاکستان میں بینکوں کی قانونی شکل بینکنگ کمپنیز آرڈیننس ۱۹۶۲ء وضع کرتا ہے [3] ۔ اس کے پارٹ دوم، سیکشن نو کا عنوان ہے، تجارت کی ممانعت ۔ اس کا متن کچھ یوں ہے۔

"علاوہ ازیں ان تمام سرگرمیوں کے جو سیکشن سات میں درج ہیں، کوئی بینکار بالواÒ یاÓواÒ

The Banking Companies Ordinance, 196243

Part II, Section 9, Prohibition of Trading44

ایسی کسی سر گرمی میں حصہ نہیں لے سکتی جس میں کسی شے کی خرید وفروخت یا تبادلے کا عنصر ہو اور نہ ہی وہ یہ کام کسی تیسرے شخص کے لیے کر سکتی ہے، سوائے ان معاملات کے جن میں ان تجارتی اشیا کی قیمت کی ادائیگی کو مکمل کرنا ہو“R ۔

یہ تو معاملہ ہے روایتی بینکاری کا۔ سیکشن سات میں وہ تمام سر گرمیاں درج ہیں جن کا سرمائے کے لین دین سے ہے۔ پس بینک کو اس سیکشن کے تحت پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ صرف وہی کام کر سکتا ہے جن کا مال کی ترسیل یا سرمایہ کاری سے ہے۔ مغربی بینکاری کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو کر وہ بینکاری کو دیگر تجارتی سر گرمیوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ فرض کریں کسی نے موٹر سا S ڈیلر شپ کھولنی ہے اور بینک کے پاس رقم موجود ہے۔ تو بینک اس کو قرض پر رقم فراہم کر سکتا ہے تا کہ وہ موٹر سا S خرید سکے اور پھر انھیں بیچ کر منافع کمائے۔ مگر بینک اپنی اس رقم سے یہ نہیں کر سکتا کہ خود ہی موٹر سا S خرید کر بیچنا شروع کر دے۔ پس بینک محض فنا نسنگ کر سکتا ہے، تجارت نہیں۔ اور یوں روایتی بینک مجبور ہے کہ اپنا منافع اس تیسری کے تجارتی منافع سے سودی شکل میں لے۔

اب دیکھیے اسلامی بینکاری کا حال۔

اسی سیکشن سات میں ایک جز ہے جو اسلامی بینک کو کچھ مزید رعایت دیتا ہے کہ بینک اگر مضاربہ کے تحت کام کر رہا ہو تو اسے ان سر گرمیوں کی اجازت ہے جو مضاربہ آرڈیننس میں دی گئی ہیں ۔ ہمیں اعتراف ہے کہ مضاربہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک شخص رقم مہیا کرے اور ایک دوسرا شخص کاروبار کرے، اور منافع دونوں کو ملے، سو مضاربہ کی حد تک تو یہ تفریق درست ہے۔ اور مضاربہ آرڈیننس اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہماری مثال میں موٹر سا S بیچنے والی بینک سے الگ ایک مضاربہ بنا کر چلائی جائے۔ مگر اس کے برعکس، مشارکت میں بینک کو بھی تجارتی فریق کے حیثیت اختیار کرنا پڑے گی۔ مگر یہاں اسے یہ اجازت نہیں دی گئی۔ W۔آ

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی ویب سائٹ پر ان کے اپنے شریعت بورڈ کا منظورِ کردہ مشارکہ کا معاہدہ دیکھیں ۔

اس میں پہلی غور کرنے والی بات یہ ہے کہ مشارکین کو دو الگ کرداروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، ایک کو

Except as authorised under section 7, no banking company shall 45
directly or indirectly deal in the buying or selling or bartering of goods or
engage in any trade or buy, sell or barter goods for others, otherwise than in
.connection with bills of exchange received for collection or negotiation
Modaraba Companies and Modaraba (Floatation and Control) 46
Ordinance, 1980
http://www.sbp.org.pk/press/essentials/47
Musharaka%20Investment.htm(Retrieved Dec 2011)

معاہدہ،æ ئینٹ (Client) کہہ رہا ہے، یعنی کاروبار کرنے والا اور ایک کوانسٹی = شن (Institution) یعنی بینک۔ پورے معاہدے کے متن سے صاف ظاہر ہے کہ بینک اصل ó ں میں اس کاروبار کا شریک نہیں ہے بلکہ محض رقم فراہم کر رہا ہے، اور بینک پر اس پابندی کو تحریری شکل د B کے لیے آرٹیکل نمبر ۱۰ میں ایک شق ڈال دی گئی ہے جو کچھ یوں ہے ۔ ''فقط اس معاہدے کے نکات کے تحت، تمام انتظامی امور اور ان اختیارات æ ئینٹ کو دیے جاتے ہیں اور æ ئینٹ ہی ان امور کا ذمہ دار ہو گا''۔ پس اس معاہدے کے تحت اسلامی بینکاری لائی بھی گئی تو ان ہی بنیادوں پر کہ بینک کو محض فنا ٔ نگ کی اجازت ہو، نہ کہ کاروبار کرنے کی۔

اس کو ایک اور مثال سے یوں سمجھیے کہ اگر ایک ہی صنعت سے منسلک مختلف کاروبار بینک سے مشارکہ کے ذریعے سرمایہ کاری کرنا چاہیں، تو بینک راضی ہو جائے گا۔ کیونکہ بینک کاروباری سوچ نہیں بلکہ سرمایہ کاری کی سوچ رکھتا ہے۔ منافع کمانے کی فکر کاروبار چلانے والے خود کریں، بینک تو دونوں سے اپنا حصہ لے گا۔ یہ سچ ہے کہ پیشہ ورانہ سرمایہ کار، حر d کاروباروں میں بھی سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ یہاں ہمارا مقصد ان پر تنقید کرنا نہیں بلکہ بینک کہ زاویہ سوچ کو عیاں کرنا ہے کہ بینک کے کاروباری معاہدے بھی دراصل سرمایہ کاری معاہدے ہیں۔ وہ کبھی ایک کاروبار میں سرمایہ کاری کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ اس سے میرے دوسرے کاروبار کو نقصان پہنچے گا، کیونکہ اسے دوسرے کاروبار کے منافع سے نہیں، بلکہ صرف اپنی متعین شرح سود سے غرض ہے، جسے ایک اسلامی لبادے میں ڈھانپ دیا گیا ہے۔

اگلا معاہدہ مرابحہ کا ہے ¥ ۔ مرابحہ اسلامی بینکاری کا سب سے متنازعہ معاہدہ ہے اور بدقسمتی سے باقی تمام اسلامی معاہدوں کی نسبت سب سے زیادہ رائج بھی۔ شاید یہ بدقسمتی کم اور بینکاروں کی سوچی سمجھی پا زیادہ ہے، کیونکہ کچھ علما کے نزدیک رائج مرابحہ سب سے زیادہ سودی مشابہت رکھتا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ مرابحہ ایک جائز اسلامی معاہدہ ہے اگر اس پر اپنی اصل روح میں عمل درآمد کیا جائے۔ مگر ہمیں معاہدے کے T وS سے فی الحال زیادہ دلچسپی نہیں کیونکہ ہم صرف اسلامی بینک کی تجارتی سرگرمیوں پر پابندی کو عیاں کر رہے ہیں۔ اسلامی مرابحہ میں ایک شخص دوسرے کے پاس جا کر کہتا تھا کہ وہ اس کو اپنے وسیع تجربے کی بنیاد پر کوئی چیز خریدنے میں مدد دے۔ آج ¾ بھی ^ یا پیچیدہ چیزوں کی خرید و فروخت کے لیے آپ اس پیشے کے ماہرین کے پاس جاتے ہیں، مثلاً گاڑی خریدنے کے لیے مکینک کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں رائج مرابحہ کی شکل یوں سمجھ لیجیے کہ آپ اس مکینک یا ڈیلر کو کہیں کہ تم I گاڑی خرید دو، اور اپنی مہارت سے اچھی گاڑی دلوانے کی اجرت کے طور پر کچھ رقم خود رکھ لو (Markup)، اور یوں اس گاڑی کی قیمت آپ کے لیے دس لاکھ ہو جاتی ہے، جبکہ اصل میں وہ نو

Subject only to the express terms of this Agreement, management and 48 control shall primarily vested in the Client and the Client shall be responsible for the management and control of the business

http://www.sbp.org.pk/press/essentials/49 Murabaha%20Facility%20Agreement-1.htm(Retrieved Dec 2011)

لا کھ نوے ہزار کی ہے، جس میں سے دس ہزار مکینک نے رکھ لیے ہیں۔ اسلامی مرابحہ تاریخی طور پر فنا ٔنگ کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا، اور اس میں تمام رقم موقع پر ادا کر دی جاتی تھی۔ مغربی بینکاری نظام جب × نوں نے اپنایا تو اسے برائیوں اور اچھائیوں سمیت پورے کا پورا لے لیا۔ غیر اسلامی ہی سہی، مگر مغربی نظام میں صارف کو دھوکے سے بچانے کے لیے بینکاری نظام Œ سود کا صحیح تعین کرتا ہے جسے ا یزی میں ٹروتھ ان لینڈنگ (Truth in Lending) کہتے ہیں۔ چونکہ مشارکت اور مضاربت میں نفع نقصان کا تعین ناممکن ہے لہذا اس شق کو پورا کرنے کے لیے مرابحہ وہ واحد اسلامی معاہدہ ہے جس میں شرعی طور پر نفع کا تعین پہلے سے کیا جا سکتا ہے۔ پس اسلامی بینکاروں نے مرابحہ جیسے تجارتی معاہدے کو سودی فنا ٔنگ کا متبادل بنا لیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کا مرابحہ مکمل اسلامی ہے کیونکہ اس میں عام " یا تجارت ہو رہی ہے۔ بینک ایک چیز خرید رہا ہے، اور پھر اسے آگے بیچ رہا ہے۔ خریدنا بھی جائز ہے، بیچنا بھی جائز ہے، اور روایتی طور پر مرابحہ کا مارک اپ بھی جائز ہے۔ ادائیگی موجل کر کے قسطوں پر وصول کرنا بھی جائز ہے۔ ہمیں ان سب باتوں کا اعتراف ہے۔ عام طور پر وہ لوگ جو وجدانی طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ پورا معاملہ صحیح نہیں، وہ بھی Œ عذر سے ناواقفیت کی بنا پر مرابحہ میں مارک اپ (Markup) کو سود سے تشبیہ دیتے ہیں، جو کہ ایک Kور جواز ہے کیونکہ ! کہ ہم نے بتایا کہ قیمت کے تعین کی آزاد منڈی میں اجازت ہے۔ یہاں کوئی اصل قیمت اور مارکڈ اپ قیمت نہیں، کیونکہ تاجر اپنی O کے مطابق اشیا کی قیمت لگا سکتا ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ اگر سب جائز ہے تو مسئلہ کیا ہے؟

تو اصل اعتراض یہ ہے کہ " المرابحہ کی بنیادی شرط ہے " ۔ قانونی طور پر بینک " یعنی تجارت تو کر ہی نہیں سکتا۔ تو پھر یہ اصل " کیسے ٹھہرے؟ معاہدے کی شق میں سب سے پہلے یہ % ہے کہ "اس معاہدے میں وہ شرائط درج ہیں جن کے تحت انسٹی= شن نے کچھ اشیا خرید کرد B سے اتفاق کیا ہے" RP۔ یہ بہت دقیق اور اہم نکتہ ہے کہ اسلامی بینک کو یہ اشیا خریدنے کی، یعنی ان میں " کی اجازت بذاتِ خود نہیں ہے۔ وہ محض ایک æ ئنٹ کی درخواست پر اپنی فنا ٔنگ صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اشیا خرید سکتا ہے، مگر اسے طویل مدت تک اپنے مال نا (Inventory) کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ یعنی وہ ان اشیا میں Œ " نہیں کر سکتا۔ اور " المرابحہ میں اس کی یہ خرید و فروخت قرض کی فراہمی کا محض ایک بہانہ ہے۔

اسے ایک عملی مثال سے سمجھیے۔ میں نے گاڑی خریدنی ہے اور میں بینک سے مرابحہ کی درخواست کرتا ہوں۔ بینک کا عملہ گاڑی کا معائنہ کرتا ہے اور د ¶ ہے کہ h گاڑی انتہائی سستے داموں مل رہی ہے۔ مگر بعد کسی بھی وجہ سے میں وہ گاڑی نہیں لیتا اور مرابحہ کی درخواست واپس لے لیتا ہوں۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ بینک وہ گاڑی خود خرید لے اور منافع پر کسی اور کو بیچ دے، کیونکہ اس کے عملے نے یہ تو دیکھ ہی لیا کہ اچھی اور سستی گاڑی مل رہی ہے۔ یہی اصل " ہے کہ آپ منڈی سے کوئی چیز خریدتے ہیں اور پھر منافع پر بیچ دیتے ہیں۔ مرابحہ جو ایک سادہ سا " کا

This Agreement sets out the terms and conditions upon and subject to 50 which the Institution has agreed to purchase the Goods

معاہدہ ہے، روایتی طور پر کسی æ ئنٹ کی خاطر ہی کیا جاتا ہے۔ اگر بینک کا مرابحہ Œ ó ں میں '' ہی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے ایک '' کی اجازت ہے اور دوسرے کی نہیں۔ درحقیقت اصل '' کی قانونی طور پر اسلامی و روایتی دونوں بینکوں کو اجازت ہے ہی نہیں ہے۔

آپ نے لفظ فور کلوژر (Foreclosure) توسنا ہوگا۔ جو لوگ گھروں یا گاڑیوں کی قسطیں ادا نہیں کر f بینک ان سے اشیا واپس لے کر اونے پونے داموں ان کی نیلامی کر دیتے ہیں۔ نیلامی اس لیے کی جاتی ہے کہ بینک قانوناً ان اشیا کو طویل مدت تک اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ بینک کو مارکیٹ میں گاڑی فروش کے طور پر کام کرنے کی اجازت نہیں، سو وہ نیلامی کر دیتا ہے۔ پس بینک کی خرید و فروخت محض ایک دکھاوا ہے، اور اس کا مرابحہ بھی ایک دکھاوا ہے۔ مرابحہ کی شرط ہے کہ آپ کوئی چیز خریدیں اور پھر منافع پر بیچیں، لیکن جب آپ کو غیر مشروط طور پر کوئی چیز خریدنے کی اجازت ہی نہیں تو پھر مرابحہ ؟

اسلامی بینکوں پر تیسرا اعتراض یہی ہے کہ جب قانونی طور پر انہیں تجارت کی اجازت نہیں، تو پھر ان کا اسلامی تجارتی معاہدوں کو اپنانا محض ایک ڈھونگ ہے۔

صحیح ó ں میں اسلامی بینک بنانے کے لیے ضروری ہے کہ قرض سے منافع کمانے کی مغربی سوچ سے نکل کر بینک کو تجارت سے منافع کمانے کی سوچ میں ڈھالا جائے۔ اس کے لیے بینک کو تجارت کی کھلی اجازت دینا ہوگی، جو کہ کرنسی تخلیق کرنے کی امتیازی صلاحیت کے ساتھ یکجا نہیں کی جاسکتی۔ اور جب تک ایسا نہ ہو کوئی اسلامی بینک، صحیح ó ں میں اسلامی بینکنگ کا حامل نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ

ملک میں آج بھی بہت سے ایسے جید علمائے کرام موجود ہیں جو مروجہ اسلامی بینکاری کو تسلیم نہیں کرتے اور انہوں نے اس پر بہت سے اعتراضات قلمبند کیے ہیں جو سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مگر ان کی مرکزی توجہ ان معاہدوں کی طرف رہتی ہے جو اسلامی بینکوں کے شریعت بورڈ تخلیق کرتے ہیں۔ اس ضمن میں دونوں طرف سے بہت مفید کام ہو چکا ہے۔ علما کے اعتراضات بھی بجا ہیں، اور اسلامی بینکوں کی طرف سے پیش کردہ دلائل بھی علم و دانش اور اخلاص سے خالی نہیں۔ مگر ہم نے اس پوری بحث سے مکمل اجتناب کیا ہے، کیونکہ یہ ایک لاحاصل بحث ہے۔ مسئلہ بینکوں کے معاہدوں کا نہیں کہ انہیں تبدیل کر دیا جائے۔ مسئلہ خود بینکوں کا، اور اس پورے کے پورے نظام زر کا ہے، جس کا وہ ایک جز ہیں۔ اسلامی بینکاری، بلکہ ہر H کی بینکاری ہی کو ختم کرد B کے لیے اوپر دیے گئے دلائل کافی ہیں، سو ہمیں اسلامی بینکوں کی انتظامی پیچیدگیوں میں جانے کی مزید ضرورت نہیں۔ البتہ قارئین اگر چاہیں تو اوپر دیے گئے تین بنیادی اعتراضات میں ان تمام اضافی اعتراضات کو بھی شامل کر f ہیں جو وقتاً فوقتاً علمائے کرام اٹھاتے رہتے ہیں۔ مثلاً جسٹس تقی عثمانی صاحب نے % ہے کہ اسلامی بینکاری کی دنیا میں جاری ہونے

والے ۸۰ فی صد سکوک غیر اسلامی ہیں[R1]۔رائج مرابحہ کے خلاف عمران حسین کے دلائل بھی موجود ہیں۔اسی طرح دیگر بہت سے مالیاتی آلات،اسلامی بینکوں کے زیرِاستعمال ہیں جن پر بجاطور پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔

مگر ہماری نظر میں بینکوں پر تین بنیادی اعتراض یہ ہیں۔

ا۔کاغذی کرنسی کا استعمال جو کہ بذات خود سودی عمل سے بنتی ہے۔

۲۔ " الِعدوم اور غرر سے بھرپور فریکشنل ریزرو کا عمل جو ایک ہی رقم کی ملکیت بیک وقت مختلف مالکان کو دیتا ہے۔

۳۔بینکوں پر تجارت میں حصہ لینے کی ممانعت کی وجہ سے ایسے معاہدے جو تجارت کا شائبہ پیدا کرتے ہیں مگر اصل میں تجارت کی شرائط پوری نہ کرتے۔

اس , نظام زر اور اسلامی بینکاری کے خلاف دلائل د B کے بعد ہم ایک ایسے متبادل کو رو س کرواتے ہیں،جو قرآن وسنت کی حکمت،ہزاروں سال پر مشتمل تاریخی استقرار،اور جدید دور کے ماہرینِ معیشت کی توثیق پر مشتمل ہے۔اور وہ ہے،کاغذی کرنسی اور اس سے منسلک بینکاری نظام کو ترک کر کے اسلامی طلائی دینار کو ایک آزاد اور اختیاری کرنسی کے طور پر اپنانا۔آWاب آپ کا دینارِ نبوی اور اسلامی نظام معیشت سے تعارف کروائیں۔

---

http://www.arabianbusiness.com/islamic-bond-market-wrecked-by-51 critical-remarks-83923.html (Retrieved Jun 2012)

باب ششم

اسلامی معاشیاتی نظام

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

اب ہم اسلامی طلائی دینار اور ئی درہم کو رو س کروائیں گے، جن کی بابت ہم نے کتاب کے عنوان میں دعویٰ کیا تھا کہ یہ سود سے نجات، قومی اقتصادی استحکام اور انفرادی خوشحالی کا باعث بنیں گے۔

اسلامی معاشیات

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ معاشیات، فزکس(Physics)اور کیمسٹری(Chemistry) جیسے دوسرے علوم کی طرح ایک سائنس ہے، جس کے کچھ آفاقی قواعد وضوا ہیں جو دریافت ہو چکے ہیں۔اور ان میں دین کے نام پر کسی مداخلت کی ضرورت نہیں، بالکل اسی طرح جیسے اسلامی یا غیر اسلامی انجن(Engine) کا کوئی تصور نہیں۔

یہ نظریہ اس بنیادی غلط فہمی پر ہے کہ معاشیات ایک طبعی علم کی طرح ہے، جبکہ درحقیقت یہ انسان کے بنائے گئے تصورات اور نظریات کا ایک مجموعہ ہے۔ معاشیاتی علوم ہمارے اپنے بنائے ہوئے مالیاتی اداروں کی کارکردگی، انسانی ˇ تی رجحانات اور معاشروں کی مادی ترقی و پستی کے تاریخی مطالعے سے جنم لیتے ہیں۔تاہم انسانی علم محدود ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم وحی(Divine Guidance) کی روشنی میں وضع کیے گئے اصولوں کو ایک بار پھر اپنے معاشیاتی نظام میں شامل کرلیں، جن پر انحصار کر کے ہمارے اسلاف نے ترقی و کمال کی بلندیاں حاصل d ۔ہم اسلامی تاریخ میں رائج معاشیاتی اصولوں اور انتظامی اداروں کو بنیاد بنا کر ایک جدید اسلامی معاشیاتی ڈھا » کو ; دے f ہیں، جس میں مغربی معاشیاتی افکار اور تجربات کے بہترین پہلو بھی شامل ہوں۔

اسلامی معاشیاتی نظام کے بنیادی اصول

اس کتاب میں ہماری توجہ اسلامی معیشیت کے سب سے اہم اور بنیادی پہلو، یعنی غیر سودی مالیاتی نظام پر مرکوز ہے۔تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی معیشت کے حصول کے لیے دینار تحریک کا پروگرام صرف کرنسی اصلاحات تک محدود ہے۔لہذا یہاں ہم کرنسی کے علاوہ چند دیگر پہلوؤں کو بھی ا R رسے [ن کرتے ہیں۔

ا۔پرائیویٹ پراپرٹی(Private Property)

کیپیٹل ازم (Capitalism)میں ہر چیز کی ملکیت نجی سطح پر ہوتی ہے، جبکہ کمیونزم(Communism) میں ہر چیز اجتماعی ملکیت میں ہوتی ہے۔ان کے برعکس اسلامی نظام میں ایک خوبصورت امتزاج یہ ہے کہ وہ صرف چند مخصوص، مگر انتہائی اہم اشیا کی ملکیت عوام الناس کو اجتماعی طور پر عطا کرتا ہے، اور باقی

سب میں ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے۔ حدیث ر کہ میں تین اہم اشیا کی ملکیت اجتماعی سطح پر رکھنے کا حکم ہے جن میں پانی، آگ اور چراگاہیں شامل ہیں[R2]۔ علما نے یہاں آگ سے مراد ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والے قدرتی وسائل مثلاً تیل اور گیس بھی لیے ہیں۔ مگر اس اسلامی اصول کے برعکس مغربی دنیا × ن ں میں ایسے قوانین رائج کروانا چاہتی ہے جن سے ہمارے قدرتی وسائل کی ملکیت ان کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل $ ں (Multinational Companies) کو مل جائے۔ اہم قدرتی وسائل کے ایسے غیر فطری مالکانہ حقوق کے ذریعے یہ چند ملٹی نیشنل کمپنیاں بے پناہ اثر ورسوخ اختیار کر ہیں اور نہ صرف عالمی سیاست اور ماحولیاتی آلودگی پر مضر اثرات ڈال رہی ہیں، بلکہ ایسے ہی مالکانہ حقوق کو دوسرے ں پر P کر کے ان کے وسائل پر بھی قابض ہونا چاہتی ہیں۔ پس، اسلامی معیشت کے لیے ضروری ہے کہ ہم نجی و قومی وسائل کے استعمال کے لیے اسلامی اصولوں کے مطابق قوانین بنائیں جو غیر ملکی مداخلت سے ہمارا دفاع کر سکیں۔

۲۔ G (Tax) اور زکوٰۃ

مغربی دنیا میں بظاہر ہر شخص کو معاشرتی آزادی مہیا ہے، مگر ایسے بنیادی اصولوں پر پابندی لگادی گئی ہے جو ان کی حکومتوں کو ناپسند ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص چاہے کہ عراق یا افغان جنگ جیسے ہولناک سیاسی کھیل میں حصہ نہ لے، تو وہ ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اسے G ضرور دینا ہے جس کا استعمال ان جنگوں پر بھی ہوتا ہے۔

اس کے برعکس زکوٰۃ اور عشر کا استعمال بادشاہوں کے فرمان کے تابع نہیں، بلکہ اس کو خرچ کرنے کے مخصوص شعبے اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے خود متعین کر دیے گئے ہیں۔ زکوٰۃ کے علاوہ حکومت کو کچھ مخصوص اقسام کے محصول لینے کی اجازت ہے، مگر شرعی قواعد وضوا کے دائرے میں رہتے ہوئے۔ ان کے علاوہ حکومت لوگوں کو کسی اور G پر مجبور نہیں کر سکتی۔

مغربی G کے نظام میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ امیر اور غریب ہر شخص سے وصول کیا جاتا ہے۔ یہ G کیونکہ آمدن پر ایک خاص شرح سے لیا جاتا ہے، اس لیے کم آمدن والے لوگ بھی اسے د B پر مجبور ہوتے ہیں۔ بسا اوقات غریب لوگوں سے لیے گئے G کی اس رقم کو حکو > بڑے بڑے بینکوں کو 'بیل آوٹ' (Bailout) کرنے کے لیے بھی استعمال کرتی رہی ہیں۔ مغربی نظام کی اس Kوری کو ان مماM کی مجموعی امارت نے ; رکھا ہے، البتہ خود امریکہ میں ایک چھوٹے سے امیر طبقے اور عام عوام میں دولت کا فرق اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ نظام مال کی مساوی تقسیم میں قطعاً معاون نہیں۔

دوسری طرف اسلامی زکوٰۃ، ماہانہ آمدن پر ا G (Income Tax) کی بجائے 3⁄4 مالی اثاثوں پر ویلتھ G (Wealth Tax) سے مشابہ ہے۔ مغرب میں امیر آدمی کروڑوں کی جائداد پر کوئی G نہیں دیتا، مگر غریب آدمی جو Ñ کی طرح کام کر کے تنخواہ کماتا ہے، اس پر بھی G لے لیا جاتا ہے۔

Sunan Abu Dawud 3470 52

۳۔ لاء(Company Law)

مغربی نظام معیشت "ٹریکل ڈاون'(Trickle Down) کے à وضے پر ہے، یعنی جب امیر آدمی امیر تر ہوتا جائے گا تو غریب کو بھی اس کے مال سے کچھ نہ کچھ ملتا رہے گا۔ پاکستان کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے اسے یوں [ن کیا کہ "کیک'(Cake) کو اتنا بڑا کرتے جاؤ کہ ہر کسی کو کچھ نہ کچھ مل جائے۔ البتہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آخری ایام میں وہ بھی اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ کیک کو بڑا کرنے کی بجائے کیک کی مساوی تقسیم معیشت کے لیے زیادہ فائدہ ' ہے۔

مغربی نظام میں معیشت کو پھیلانے کی اہمیت عدل وانصاف سے زیادہ ہے، جس کی وجہ سے وہ $ ں کو ایسی مخصوص اور امتیازی مراعات دیتے ہیں جو عام آدمی کو نہیں ملتیں۔ اس کی اولین مثال لاء ہے جو کمپنیاں بنانے اور ان کو چلانے کے قوانین پر ہے۔ پاکستان میں ان قوانین کو V سیکیوریٹیز ا# ایکسچینج کمیشن (Securities & Exchange Commission) لاگو کرتا ہے۔ ان قوانین میں بہت سی ایسی شقیں ہیں جن پر شرعی اعتبار سے نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

الف۔ محدود ذمہ داری(Limited Liability) کا تصور عدل وانصاف کے منافی ہے، جہاں ایک غریب آدمی کرے تو اس کے لیے fi اہے مگر کرے تو اس کی fi ابھی عوام ہی کو ملتی ہے یعنی عوام کے G کی رقم سے نقصان پورا کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں اس قانون کو استعمال کر کے بڑی بڑی $ ں کو جان بوجھ کر دیوالیہ ہونے دیا جاتا ہے، کیونکہ چلانے والے اپنے بونس اور تنخواہیں لے چکے ہوتے ہیں، اور باقی نقصان ان کے قانون چیپٹر الیون(Chapter 11) کے تحت عوام بھرتے ہیں۔

ب۔ کے اثاثوں میں قرض کو بھی شامل کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے کی خرید وفروخت ایک طرح سے "الدین کے زمرے میں آجاتی ہے۔

پ۔ کو ایک قانونی فرد کی حیثیت عطا کر دی جاتی ہے جس کی مد میں اسے ایسی مراعات مل جاتی ہیں جس کے ز کے مالکان بذات خود نہیں ہوتے۔ اس کی ایک مثال امریکہ کا یہ قانون ہے کہ صدارتی الیکشن کے امیدواروں کی Qیت میں افراد سے زیادہ خرچ کر سکتی ہے، جس کی وجہ سے بڑی $ ں کے لیے امیدواروں کی وفاداریاں خریدنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

ت۔ لاء بہت سے ایسے کاروباروں کی بھی اجازت دیتا ہے جو غرر اور قمار کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان میں ہاؤسنگ سکیموں کے Dٹ بھی شامل ہیں، جن کی بابت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ زمین کے حصول سے پہلے ہی اس کی فائلیں بیچنا شروع کر دیں۔ البتہ ایک عام , ی اگر کاغذوں میں زمین دکھا کر بیچ دے تو اسے قید ہو سکتی ہے۔

ٹ۔ سٹاک مارکیٹوں کے قوانین میں بہت سی اہم چیزیں شریعت سے متصادم ہیں مثلاً $ ں کے حصص "شارٹ'(Short) کرنا، اور سود کی ایک H 'بدلے'(margin) پر خرید وفروخت کرنا۔

É ۔اسلام میں کاروباری معاہدے مشارکت اور مضاربت کی بنیادوں پر چلتے ہیں۔ان کا صرف فنانگ (Financing) کے طریقہ کار سے نہیں بلکہ منافع کی تقسیم اور کے نظم ونسق نہ لنے سے بھی ہے۔مغربی طرز کی کمپنیاں سرمایہ داروں یعنی رب المال کے حق میں جھکاؤ رکھتی ہیں، جبکہ اسلامی معاہدے مضارب اور محنت کش کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔اسلامی نظام $ ں کے میمور #م(Memorandom)اور آرٹیکلز(Articles) میں بھی چند دقیق مگر بہت دوررس تبدیلیاں لائے گا جس سے منافع کی زیادہ مساوی تقسیم ممکن ہوگی۔

۴۔پیٹنٹ لاء(Patent Law)

مغربی نظام معیشت کا ایک اور جز، پیٹنٹ لاء ہے جو انٹلیکچوئل پراپرٹی(Intellectual Property) کی حفاظت کے لیے بنایا گیا ہے۔اسلام جائز حد تک اس کی اجازت دیتا ہے۔ مگر مغرب میں کمپنیاں اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے اسے ایسی غیر فطری حد تک لے گئی ہیں جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ اگر ہم پاکستان میں خود کرکے کوئی Ñ بنائیں، تو یہ قانون ہمیں اس Ñ کو بنانے اور اس سے مستفید ہونے سے صرف اس لیے روک سکتا ہے کیونکہ مغرب میں وہ Ñ کوئی اور بنا کر اس کا پیٹنٹ پاکستان میں بھی لے چکا ہے۔یہاں ہم کسی اور کی چوری نہیں کر رہے، مگر یہ نظام صرف پہلے اور پیچھے ہونے کی وجہ سے ایک آدمی یا کو اس معاملے میں اجارہ داری د B کے کام آتا ہے۔تاریخ میں ان قوانین کے مضر اثرات نمایاں ہیں، جن میں جیمز واٹ(James Watt) کے سٹیم انجن کی کہانی[R3] معروف ہے۔کچھ معاملات میں تو یہ قوانین انسانیت سوز حد تک بھیانک شکل اختیار کر لیتے ہیں، جیسے مغربی فارماسیوٹیکل $ ں(Pharmaceutical Companies) کی طرف سے اپنے پیٹنٹ حقوق کی حفاظت میں جان لیوا بیماریوں کی ادویات بنانے کی اجازت بھی نہ دینا [R]۔

۵۔مارکیٹ

ہم جا Õ ہیں کہ پیغمبر نے مدینہ ° رہ میں سب سے پہلے ایک مسجد کی۔ مگر کم لوگ جا Õ ہیں کہ مسجد کے بعد دوسری ایک مارکیٹ کی تھی۔اسلام تجارت کو عبادت کی طرح ایک مقدس عمل سمجھتا ہے، جس کے حصول کے لیے مارکیٹ کا م معاشرے کا ایک اجتماعی فرض ہے۔اسلامی معاشرے میں ہر شخص کی مارکیٹ تک دسترس اس کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ جس طرح آپ مسجد میں کسی کو نماز پڑ œ سے نہیں روک f ، اسی طرح مارکیٹ میں تجارت سے بھی نہیں روک f ۔ مگر جدید مغربی نظام میں مارکیٹ تک رسائی اور آزادانہ تجارت کے اوپر بہت سی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ان میں حکو O اور دیگر اداروں کے اجازت نا ، ٹیکسوں کا پیچیدہ نظام اور مارکیٹ کے انتظامات کی نجی شعبے میں منتقلی شامل ہیں۔ حالانکہ قرآن نے تجارت کو سود کی ضد کو طور پیش کر کے آزادانہ تجارت پر بہت زور دیا ہے۔اور مارکیٹ اس آزادانہ تجارت کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک ناگزیر ذریعہ ہے۔

---

53 http://mises.org/daily/3280/

54 http://cyber.law.harvard.edu/people/tfisher/South%20Africa.pdf

۶۔ قومی قرض

مغربی نظام معیشت کا ایک اور تصور 'قومی قرض' کا ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ایک شخص پر واجب الادا قرض وہی ہے جو اس نے خود لیا۔ اگر حکمران قرض لیتا ہے، تو اس ملک کی آنے والی p ں کو مقروض نہیں بنایا جاسکتا۔ اول تو حکمران کو یہ حق حاصل ہی نہیں تھا کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف سودی قرض کا معاہدہ کرے، اور اگر اس نے قرض لے بھی لیا، تو اس کے چکانے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ اسلامی معیشت عوام الناس پر یہ بوجھ ڈالنے کی اجازت نہیں دیتی۔

۷۔ بینکاری و کرنسی نظام

ان کے علاوہ مغربی نظام معیشت کی سب سے نمایاں باطل صفت تو اس کا بینکاری و کرنسی نظام ہے، جس کو ہم ابواب میں اچھی طرح بے نقاب کر چکے ہیں۔ آW اب اس کرنسی نظام کے اسلامی متبادل پر مزید تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

اسلام میں کرنسی نظام

اسلام میں عوام کو اجازت ہے کہ وہ کسی بھی موزوں شے کو کرنسی کا درجہ دے f ہیں۔ مگر اس کے ساتھ سونے اور چاندی کو شریعت نے ثمن خلقی ہونے کی ابدی حیثیت بھی عطا کر دی ہے، اگر وہ سرکاری سکہ رائج الوقت نہ بھی ہوں، تو بھی دین اور ` میں کرنسی ہی تصور کیے جائیں گے۔ اسی وجہ سے ابن < ون نے تو دینار و درہم جاری کرنے کو حکمران کی اہم ذمہ داری قرار دیا ہے۔

پس اسلامی کرنسی نظام رو س کروانے کے لیے ہمارے پاس دو راستے ہیں۔ اول یہ کہ سونے اور چاندی کی کرنسی Pل کر دی جائے۔ اور دوم یہ کہ کسی بھی ٹھوس یا قدرتی قیمت رکھنے والی شے کو عوام اپنی O سے کرنسی کے طور اپنا لیں۔

اگر عوام نے سونے اور چاندی کے علاوہ کسی دوسری چیز کو کرنسی کے طور [، تب بھی انہیں شریعت کے قوانین کی پاسداری میں کوئی ایسی چیز اپنانی پڑے گی جس پر سب ¨ طور پر راضی ہوں، اور اس کے پیچھے کوئی فوجداری لیگل ٹینڈر یا قانون کا 6 نہ ہو۔ ایسی صورت میں تاریخ شاہد ہے کہ عوام ہمیشہ ٹھوس اور قدرتی قیمت رکھنے والی اشیا پر ہی اکتفا کرتے ہیں، جنہیں مغرب میں ساونڈ منی (Sound Money) کہتے ہیں۔ حکو 0 6 کے بغیر عوام کبھی کسی ایسی چیز کو کرنسی نہیں بناتے جس پر کسی کی اجارہ داری ہو، یا جس کی قدر قدرتی نہ ہو بلکہ F ونی قوت سے عطا کی گئی ہو۔ پس عوام جس بھی شے کو اس مقصد کے لیے چنیں گے، اس میں یہ خصوصیت ضرور ہو گی کہ کوئی اسے غیر منصفانہ طور پر پیدا کر کے افراط زر کا باعث نہیں بن سکے گا۔ اور اس خصوصیت کی وجہ سے اس کا معیشت پر ویسا ہی اثر پڑے گا ! کہ سونے اور چاندی کا۔

البتہ دینار تحریک پیغمبر کی سنت رکہ اور تاریخ کی روشنی میں اس T پر پہنچی ہے کہ سونے اور چاندی کو Pل کرنا ہی آج کے دور میں اسلامی کرنسی نظام قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس کی کچھ وجوہات تو ہم باب اول میں بھی دیکھ چکے ہیں کہ یہ وقت کے ساتھ خراب نہیں ہوتیں، پوری دنیا میں ان کی قدر کی جاتی ہے، وزن کم ہونے کی وجہ سے ان کی منتقلی آسان ہے، اور ان کو کسی بھی شکل میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ مگر ان کے علاوہ اس کے دیگر بھی بہت سے معاشی اور سماجی فوائد ہیں، جنہیں اب ہم پیش کرتے ہیں۔

ا۔ سود سے نجات

سود عملی طور پر ہمارے معاشرے میں دو مختلف طریقوں سے لیا جاتا ہے۔ ایک چھوٹے پیمانے اور انفرادی سطح پر، جیسے کسی ساہوکار یا بینک کا کسی صارف کو سودی قرض دینا۔ اور دوسرا بڑے پیمانے اور 'انسٹی = شنل' سطح پر جیسے بینکوں کا فریکشنل ریزرو کے تحت چیک بک منی پر سود لینا، اور سٹیٹ بینک کا حکومت پاکستان سے سود لینا۔ سونے اور چاندی کی کرنسی اپنانے سے بینکاری نظام کا 'انسٹی = شنل' سود ختم ہو جائے گا، جو کہ رائج سودی معاملات کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔

اول تو حکو > سٹیٹ بینک کے ساتھ مل کر سودی قرض کے ذریعے افراط زر پیدا نہیں کر سکیں گی، کیونکہ سود کے ذریعے کاغذی کرنسی تو جاری کی جاسکتی ہے، مگر سونا تخلیق نہیں کیا جاسکتا۔ دوم، اس کی وجہ سے بینک بھی چیک بک منی تخلیق نہیں کر سکیں گے، کیونکہ مال کی d e ٹھوس شے سے ہوگی نہ کہ کمپیوٹر میں کھاتے اور برقی نمبروں کے کھیل سے۔ یوں سود کے دو بہت بڑے ذرائع ختم ہو جائیں گے۔

سود کے خا کے لیے سونے اور چاندی کا ایک اور فائدہ بالواÒ ہوگا جب افراط زر ختم ہونے کی وجہ سے مال وقت کے ساتھ اپنی قدر کھونا چھوڑ دے گا۔ مال کی قدر کا (گھٹنا ہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر اسلامی بینک بھی سود کے چور دروازے ڈھونڈتے ہیں، اور ماہرین معاشیات اس کا بہانہ بنا کر سود کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔

۲۔ قومی اقتصادی استحکام

سونے اور چاندی کی کرنسی کا دوسرا اہم فائدہ قومی سطح پر معیشت میں استحکام پیدا کرنے کی صورت میں ہوگا۔ روپیہ عالمی منڈی میں اپنی قدر کھوتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے پاکستان کے لیے Fونی ممالM سے اپنی ضرورت کی اشیا درآمد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، اگر ہماری کرنسی سونے کی ہو، تو پاکستانی طلائی دینار بھی ڈالر کی طرح دنیا کی اہم ترین کرنسیوں میں شامل ہو جائے گا، اور ہر ملک اسے ہاتھوں ہاتھ قبول کرے گا۔ اس کی وجہ سے قومی خزانے میں موجود مال کی قدر بھی بڑ گی، اور پاکستان کا کاروباری طبقہ بھی اس قابل قدر اور مضبوط کرنسی کی وساطت سے باقی دنیا سے مقابلہ کر سکے گا۔

۳۔ انفرادی خوشحالی کا ضامن

طلائی دینار اور ئی درہم کی تیسری اہم خصوصیت انفرادی سطح پر لوگوں کے مال کی قدر و قیمت کی حفاظت

کرنااوراس کی قوت خرید میں وسعت پیدا کرنا ہے۔ جنوری ۲۰۱۱ء کے ایک ¢ یے کے مطابق اگر کوئی شخص ۱۹۷۰ ء میں امریکہ کے معروف ا این پیج ٹا نڈیکس (SnP Stock Index)اور سونے میں مساوی سرمایہ کاری کرتا تو ۲۰۱۱ء میں سٹاک انڈیکس اسے ۱۳۰۰ فی صد منافع دیتا، جبکہ سونا ۳۷۲۸ فی صد۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اشیاخورد کے نرخ اگر سونے اور چاندی میں ناپے جائیں، تو وں سالوں میں بھی ان میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا۔ مغرب میں بہت سے لوگ سونے اور چاندی کو سرمایہ کاری کا ایک بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں، جس سے اپنے اثاثوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ پس، اگر کوئی شخص دین یا معیشت کے نقطہ نظر سے دینار و درہم کا قائل نہ ہو، تب بھی اپنی انفرادی خوشحالی اور مال کی قدر میں اضافے کی خاطر وہ سونے اور چاندی کی کرنسی اپنانے کی طرف ضرور مائل ہو گا۔

۴۔ دعوت و

شریعت کے وہ قوانین جو کاغذی کرنسی کو ″ دکر کے ٹھوس اجزاپر کرنسی کے آزادنہ انتخاب کی اجازت دیتے ہیں، اسلام کی اشاعت کا بھی بہترین ذریعہ بن f ہیں۔ اہل مغرب صدیوں کے اقتصادی تجربات سے گذر کر اب کاغذی کرنسی نظام کے نقا سے واقف ہو رہے ہیں اور سونے اور چاندی کے نظام کو واپس لا رہے ہیں[RR]۔ وہ یہ جان کر بہت متاثر ہوتے ہیں کہ اسلام میں ۱۴۰۰ سال سے ایسے قواعد وضوا موجود ہیں جو اس نا نظام کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ یہی نکتہ استعمال کر کے امریکہ میں ایک معروف فام نو ویل کولی (Will Coley)اپنے ادارے 'مسلمز فار لبرٹی'(Muslims For Liberty) [R] کے ذریعے کامیابی سے امریکی عوام کو اسلام کی طرف لا رہے ہیں۔ اگر ہم مغرب کے مقابلے میں ایک زیادہ موثر اقتصادی نظام کو اپنے ملک میں جاری کر لیں تو یہ عمل بھی دعوت اسلام کے لیے نہات مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

۵۔ا دبین ا

''ایک ہوں حرم کی پا i نی کے لیے''، محض علامہ ا ل ہی کا خواب نہیں تھا بلکہ امت مسلمہ کا ہر فرد بھی دل میں یہی رکھتا ہے۔ اس ضمن میں بھی کرنسی ایک کہ خت قائم کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ وہ یورپی قوتیں جو جنگ میں ایک دوسرے کے خون سے ہولی نظر آئیں، انہیں آج یورو (Euro) کرنسی نے ایک ی میں پرو دیا ہے، اور قوم پرستی سے بڑھ کر ایک ک خت عطا کر دی ہے۔

اہل اسلام میں کریم کی وا نہ کی بنیاد پر ہم آسانی سے نبوی دینار و درہم کے معیار کو دوبارہ بطور کرنسی رائج کر f ہیں اور یہ کرنسی نہ صرف عملی طور پر ہمیں ایک کہ خت عطا کر کے سیاسی ا دکا باعث بن سکتی ہے، بلکہ اقتصادی تعاون اور تجارت میں فروغ کے لیے بھی بہت معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

---

55 http://www.goldmoney.com/gold-research/sound-money-returns-to-utah.html

56 http://www.muslims4liberty.org

آئندہ ت میں ہم اپنے اس تابناک ماضی پر نظر ڈالتے ہیں اور اسلامی تاریخ اور سونے اور چاندی کی کرنسی کے مابین گہرے ر... کا جائزہ لیتے ہیں۔

باب >

دینار و درہم کی تاریخ

اپنی پر س اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہا

وزن کے پیمانوں کا آغاز

زمانہِ قدیم میں جب انسان نے ناپ تول کا / رحاصل کیا تو اسے احساس ہوا کہ مختلف چیزوں کا تول متعین کرنے کے لیے اسے ایک ایسی مرکزی شے درکار ہے جو اس معاملے میں § ٹی، یعنی ر ینس ویٹ (Reference Weight) کا کام دے۔ تاکہ دوسری چیزوں کا وزن اس کے مقابل کیا جاسکے۔ وقت کے ساتھ انسان نے یہ مشاہدہ کیا کہ کچھ اناج ایسے ہیں، خصوصاً خروب Rیعنی وب Rاور جو (Barley)، جن کے ں کا وزن قدرتی طور پر قدرے ü ں ہوتا ہے۔ جدید دور کے سا تقاضوں کے لحاظ سے نہ÷ ی، مگر قدیم دور کی ضرورتوں کے تنا میں یہ بات اہم اور کارآمد تھی کہ دیکھنے میں وہ ایک جیسے Õ تھے۔ پس لوگ اپنے گاؤں سے خروب کے لے جاتے اور جائے تجارت پر ان کے ذریعے وزن کرتے تھے تاکہ دوسری جگہ کا تاجر اپنے وزن کے آلات میں ردوبدل نہ کرسکے R¥۔

یوں زمانہِ قدیم سے اناج کے ں پر ناپ تول کے میعار قائم ہوگئے اور جدید دور میں سونے اور چاندی کے دو O ل ترین نظام انہی سے نکلے ہیں۔ سنار جو سونے، چاندی اور ے جواہرات کو ٹ (Carat) میں نا ہیں، تو یہ لفظ وب یعنی خروب سے نکلا ہے، جس کے اس کام کے لیے استعمال ہوتے تھے Þ۔ اسی طرح بڑی مقدار میں قیمتی دھاتوں کو تولنے کا ایک وزن ٹرائے اونس (Troy Ounce) ہے، جو دنیا بھر میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی جو کے ں سے نکلے ہوئے ا : ں ٹرائے نظام کا حصہ ہے۔ ٹرائے نظام میں سب سے چھوٹا وزن گر (Grains) کہلاتا، جو کہ ا یزی میں کو کہتے ہیں اور ایک گرین سے مراد ایک جو کا دانہ ہوتا۔ پس ایک

Latin name Ceratonia siliqua57
Ibid58
Turnbull L.A, Santamaria L, Martorell T, Rallo J, Hector A 2006 Seed 59 size variability: from carob to carats. Biol. Lett. 2, 397–400
Ibid60

ٹرائے پاونڈ میں ۵۷۶۰ گر   ہوتے، اور ایک ٹرائے اونس میں ۴۸۰ گر [1] ۔جو کے   میں ایک اور خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ وزن کے علاوہ اور بھی بہت سے معیار اس پر قائم ہیں، مثلاً : ن میں بادشاہی فرمان کے مطابق ایک انچ (Inch) تین جو کے دانوں کو   ئی میں رکھ کر بنتا تھا[2] ۔

بر   پاک و a میں سونے اور چاندی کو تولنے کے لیے ایک الگ نظام رائج ہے، جس کا ذکر کرتے وقت ہمیں اپنے علاقے کے مشہور صوفی بزرگ حضرت سلطان باہو کی ا [ت یاد آجاتی ہیں، جہاں وہ ایک خوبصورت انداز میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

نہ میں ﻟ ، نہ پاء چھٹا کی، نہ پوری سر سائی ھو
نہ میں تولہ نہ میں ما ، رتیاں تے آئی ھو
رتی ہو واں و رتیاں تلاں، اوہ وی پوری نائی ھو
تول پورا و ہو سی باھو جداں الٰہی ھو

یہ بات کم لوگ جا Õ ہیں کہ رتی بھی دراصل ایک پودا[3] ہوتا ہے جس کے   کے اوپر رتی کا وزن رکھا گیا ہے۔آ 1 رتیاں مل کر ایک ما   بناتی ہیں اور سولہ ماشے سے ایک تولہ بنتا ہے۔ جدید دور میں ایک تولہ تقریباً ساڑے گیارہ گرام کے برابر مقرر ہے   ۔

Hallock, Wade (1906). Outlines of the evolution of weights and 61
measures and the metric system. The Macmillan companyp 123
Ibid62
Latin name Abrus precatorius63
Tola = 11.663 8038grams 164

اسلامی دینار اور ل

عربوں کے ہاں وزن کا قدیم معیار ل تھا، اور یہ ! کے دانوں پر ہی تھا۔ پیغمبرِ اسلام نے ناپ تول کے معاملات کی بابت فرمایا کہ ''تول # کا اور ناپ مدینہ کا''۔ مور " اس قول کی حکمت یوں بتاتے ہیں کہ اہلِ # تاجر تھے اور وزن کرنے کے معاملات میں مہارت رکھتے تھے، جبکہ اہلِ مدینہ پیشے کے لحاظ سے ناپنے کے معاملات میں ماہر تھے۔ یوں اسلام میں سونے اور چاندی کو تولنے کے معیار، # میں رائج ل اور رتل پر قائم ہوئے۔ یہ دونوں وزن بھی جو کے ہی پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 'جو' ان چھ اشیا میں سے ایک ہے جن کے بارے میں پیغمبرِ اسلام نے کرنسی ہونے کے لحاظ سے مخصوص قوانین وضع کیے ہیں[R] اور جن کی تفصیل باب دوم میں پیش کی جا ہے۔

ل زمانۂ قدیم سے ایک بنیادی وزن رہا ہے۔ ابنِ > ون کے مطابق ل ۷۲ جو کے دانوں کے وزن کے برابر ہوتا ہے ۔اور $ عِ اسلام سے پہلے عرب میں رائج دینار ایک ل سونے کے برابر رہا ہے ۔اس لحاظ سے یہ بات بہت اہم ہے کہ اسلامی دینار محض ایک کرنسی نہیں بلکہ ایک وزن ہے۔ یعنی ایک مخصوص وزن کے سونے کو دینار کہتے ہیں، چاہے آپ اسے گھر میں —— کر اس وزن پر لے آئیں، یا پھر وہ کسی حکومت نے سرکاری p سے تخلیق کروایا ہو۔ لفظ دینار کو یوں کرنسی کی بجائے وزن کے طور پر استعمال کرنے کی شہادت ہمیں سنت نبوی سے بھی ملتی ہے۔ مثلاً ایک حدیثِ رکہ میں آپ نے یہ [ن کیا کہ مت کے دن اللہ سبحانہٗ وتعالی ان بندوں کو دوزخ سے نکال لینے کا حکم دیں گے جن کے دلوں میں ایک دینار برابر بھی نیکی موجود ہو گی۔ حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ ''ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار من خير فاخرجوه''۔ یہاں ظاہر ہے کہ دینار سے مراد کرنسی نہیں بلکہ ایک وزن ہے۔ دینار کی یہ حیثیت اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ کرنسی کو صرف حکومت تخلیق کر سکتی ہے، مگر دینار صرف کرنسی ہی نہیں بلکہ ایک وزن بھی ہے۔ جس طرح آپ ایک کلو چاول اکٹھا کر کے کہہ f ہیں کہ یہ ایک کلو چاول ہے، اسی طرح آپ ایک ل سونا اکٹھا کر کے کہہ f ہیں کہ یہ ایک دینار ہے۔ یہ ہمارے اس نظریے کی تائید کرتا ہے کہ اسلام میں کرنسی، یعنی دینار، محض ایک تجارتی شے (Commodity) ہے، اور اس کی آزادانہ تجارت کا ہر کسی کو حق ہے۔ فاریکس (Forex) کے نام پر الگ

Sahih Muslim #3853 65

The Numismatic Chronicle, Third Series Vol. IV. London: John Russel 66 .Smith, 1884. 74

Maqrizi, Ahmed bin Ali. Ighathat al-Umma bi-Kashf al- 67 Ghummah.Trans. Adel Allouche, University of Utah Press 1999-01. 61

Sahih Muslim #0349 / #0361 68

قوانین بنا کر عوام الناس کو اس میں تجارت کرنے سے روکنا دراصل سودی نظام کے م اور فروغ کا ایک اہم ستون ہے جسے گرانے کی ضرورت ہے۔

میں رائج دوسرے اہم وزن کے معیار کا 2 درہم، او& اور رتل پر تھا۔ ایک رتل ۱۲ او& پر مشتمل ہوتا، ایک او& ۴۰ درہم پر، اور پھر ایک درہم میں چھے دا ' ہوتے۔ درہم کے اس وزن کا تذکرہ موطا امام ماM میں بھی ملتا ہے ¥ اور معروف مؤرخ ا ةا یزی کی کتاب اغا ة الامہ میں بھی، جہاں وہ یہ تک لکھتے ہیں کہ اسلام میں دینار و درہم کے معیار طوفانِ نوح کے کچھ عرصہ بعد سے رائج ہیں اور سب سے پہلے ان کی تخلیق فالغ بن غابر بن شا (بن ارخشاد بن سام بن نوح + ا * م نے کی b ۔ زمانہ قدیم سے ان کے رواج کی شہادت خود قرآن حکیم بھی دیتا ہے۔ سورۃ یو ¥ کی آیت ۲۰ میں درہم کا ذکر یوں آتا ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

اور بیچ دیا انہوں نے اسے تھوڑی سی قیمت پر، چند در f ں کے بدلے، اور تھے وہ اس سے (ار۔(سورۃ یو ¥ :۲۰)

یہاں نہ صرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ درہم حضرت یو ¥ + ا * م کے دور میں رائج تھے، بلکہ ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہو گئی کہ یہ دینار کے ساتھ وہ دو کرنسیاں بن گئیں جن کا ذکر قرآن میں نام لے کر کیا گیا۔ منطقی طور پر یہ امر بذاتِ خود انھیں اپنانے یا استعمال کرنے کے حکم کے مترادف نہیں، مگر اہلِ دل کے لیے ان کے اس تذکرے میں ایک مستحکم اشارہ ہے کہ اللہ سبحا% و تعالیٰ نے ان کے کرنسی ہونے کے درجے کو تسلیم کیا ہے اور یوں انھیں باقی تمام کرنسیوں کے اوپر ایک فو - حاصل ہو گئی ہے۔ اسی لیے فقہا نے بھی انہیں ثمنِ خلقی کہا ہے۔

دینار کا ذکر قرآن پاک میں سورۃ آل عمران کی ۷۵ آیت میں آیا ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

ترجمہ: اور اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک خزانہ امانت رکھو تو وہ تمہارا مال تم کو ادا کر دے۔ اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملے میں بھی اس پر بھرو â کرو تو وہ ادا نہ کرے گا۔ الا یہ کہ

Malik. Muwatta Book 58, Number 58.2.1169

Maqrizi, Ahmed bin Ali. Ighathat al-Umma bi-Kashf al- 70
Ghummah.Trans. Adel Allouche, University of Utah Press 1999-01. 56

تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "امیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے"۔ اور یہ بات وہ محض i ٹ . کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے۔
(آل عمران: ۷۵)

دینار و درہم دو الگ میعار نہیں بلکہ ان کا آپس میں بھی ایک گہرا رشتہ ہے جو کہ قبلِ اسلام سے قائم ہے۔ وہ یہ کہ دس درہم سات ل کے برابر ہوتے ہیں[1]۔ ماہرین نے / ئب خانوں میں موجود قدیم دینار و درہم کے — نے دیکھ کر اور گزشتہ صدیوں میں مغربی اور عرب Meteorology کی ترقی اور اس سے دریافت حقائق کی روشنی میں اسلامی دینار کا وزن ۴٫۲۵ گرام اور درہم کا وزن ۲٫۹۷۵ گرام معلوم کیا ہے[2]۔

نبوی کرنسی

ایک 1 عاشقِ رسول کے لیے جہاں مدینہ و نجف کی خاک تک آنکھ کے سر کی حیثیت رکھتی ہے، وہاں اس امر کی کیا مثال کہ دینار و درہم 2 ِ خدا کے رک ہاتھوں سے گزرے ہیں اور کرنسی کے طور پر زیر استعمال رہے ہیں۔ ان ہی سکوں سے آپ + نے ام Ü Ý خد 3 m ا ئ کے سامان کی تجارت کی ہو گی۔ ان ہی دینار و درہم سے آپ 4 کے غریب لوگوں میں صدقات تقسیم کرتے ہوں گے، اور > ی کی اسی ماہیت سے اپنے اہل 6 کی Z لت کرتے ہوں گے۔ دورِ حاضر میں جو قلیل ا 5 اد مقربین موجود ہیں، ان کے لیے نبوی کرنسی کو P ل کرنے کی یہی دلیل کافی ہے کہ یہ سنتِ نبوی ہے۔ باقی سب لوگوں، یعنی اصحاب ا 7 ، کے لیے ہم نے یہ پوری کتاب لکھی ہے تاکہ وہ اقتصادی، شرعی اور انتظامی لحاظ سے بھی اس کے فوائد معلوم کر لیں۔

شرعی کرنسی

ایک طرف جہاں قرآن نے دینار و درہم کا ذکر کر کے انہیں حیاتِ ابدی عطا کر دی ہے، تو دوسری طرف پیغمبرِ اسلام نے بھی انہیں اسلامی شریعت کا ایک ناگزیر حصہ بنا دیا ہے۔ ہم سب جا Õ ہیں کہ زکوٰۃ اسلام کا ستون ہے اور خالقِ کائنات کی طرف سے دیے گئے ضابطۂ حیات کا لازمی حصہ ہے۔ زکوٰۃ کے رکن کو دو زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے، یا یوں 8 کہ اس رکن کو مکمل طور پر قائم کرنے کے لیے دو مختلف جزدر کار ہیں۔ ایک زکوٰۃ کی ادائیگی،

Ibn Khaldun, Abdul Rehman Bin Muhammad. Al Muqaddimah. Trans. 71
.Franz Rosenthal. Chapter 3, Section 34

G.C. Miles, “Dirham”, Encyclopaedia of Islam, volumes I-XI (Leiden, 72
E.J. Brill, 1965, second edition), II:39

یعنی امیر لوگوں کا اسے ادا کرنا، اور دوسرا وصولی، یعنی غریب لوگوں کا اسے وصول کرنا۔ جو لوگ درمیان میں ہیں، نہ بہت امیر ہیں اور نہ بہت غریب، ان سے زکوٰۃ لی جائے، یا انہیں دی جائے؟ یہ فیصلہ بہت اہم ہے اور اس رکن کی مکمل ادائیگی کا دار و مدار اس سوال پر ہے۔ اس لیے شریعت نے زکوٰۃ کے نصاب کا ایک تصور رو س کروایا ہے۔ نصاب ایک مال و دولت کا مقرر کردہ اندازہ ہے جو اسلام کی نظر میں یہ طے کرتا ہے کہ آیا آپ پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں۔ اگر آپ صاحبِ نصاب ہیں، یعنی اتنا مال رکھتے ہیں جتنا کہ نصاب میں متعین ہے، تو پھر آپ کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

اور ! کہ آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا، شریعتِ محمدی میں یہ نصاب اسلامی دینار و درہم میں متعین کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب پیغمبر + ا9لوۃوا * م نے ۲۰۰ درہم مقرر کیا[3]، اور حضرت : وجہ نے اس کو دینار میں ۲۰ دینار مقرر کیا ۔ سو اسلام کا لازمی رکن زکوٰۃ، اور زکوٰۃ کا لازمی رکن اس کا نصاب، اور نصاب کا مقرر کردہ معیار، اسلامی دینار و درہم۔ پس یہ دونوں کرنسیاں رہتی دنیا تک اسلامی شریعت کا حصہ بن کر حیاتِ ابدی حاصل کر گئیں۔

کچھ علما اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نصاب وقت کے ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے، یعنی اس میں ا ; دکی گنجائش ہے۔ مگر آ â کے ہاں اکثریتی رائے یہی رہی ہے کہ زکوٰۃ کا جو نصاب آقائے نامدار نے [ن اور متعین کر ر دیا، اب مت تک وہی نصاب شریعت کا قانون رہے گا۔ اور یہ نصاب دینار اور درہم میں متعین ہوا ہے۔ اگر با ï ض یہ مان بھی لیں کہ حکومتِ وقت یہ نصاب تبدیل کر سکتی ہے، تو پھر بھی نصاب کا نبوی معیار آئندہ دور کے ا ; د کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھے گا، اور اس صورت میں بھی قرآنی و نبوی دینار و درہم کو ایک مرکزی کردار اور ابدیت حاصل رہے گی۔

زکوٰۃ کے علاوہ شریعت میں دیگر مالی ا م بھی دینار و درہم ہی میں متعین ہیں جن میں دیت کی رقم اور چوری پر ہاتھ کا کے لیے چوری کیے گئے مال کی مقدار شامل ہیں۔

دینار و درہم کی تاریخ

! کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، درہم کا لفظ قرآن پاک میں حضرت یو ¥ + اسلام کے زمانے کے حوالے سے آیا ہے، اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ چاندی کا درہم زمانۂ قدیم سے تجارت کا ذریعہ رہا ہے، البتہ اس کا وزن وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوا ہے۔ قدیم مصر میں فرعونوں کے دور میں کرنسی کے طور پر ایک معیار رائج تھا جس کا نام دN تھا، جو کہ چاندی اور تا b دونوں کا ہوتا تھا[R]۔ قرآن میں شاید اسی چاندی کے دN کو اس زمانے کا درہم کہا گیا ہے۔

.Muslim #2134. Hadith mentions Uqiyas, which is equal to 40 dirhams 73

Muwatta Imam Malik Book 17, Number 17.2.774

Bob Brier, A. Hoyt Hobb, Daily life of the ancient Egyptians. The 75

سونے اور چاندی کو اللہ سبحانہ کی طرف سے ثمنِ خلقی بنانے کی ایک اور شہادت یہ بھی ہے کہ مختلف تہذæں نے مختلف ادوار میں جداگانہ طور پر انہیں اپنی کرنسی بنایا۔ پس تقریباً اسی زمانے میں جب مصر میں فرعونوں کی حکومت تھی، تو قدیم یونان میں ڈریکما کے نام سے ایک چاندی کا سکہ رائج تھا ۔ > نے یہاں تک % ہے کہ کانسی کے دور کے قدیم مائسینی (Mycenia) یونان میں بھی اسی نام سے ذرائع تجارت رائج تھے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اتنے پرانے دور میں محض یہ نام استعمال ہوتا ہو اور کرنسی بذات خود سونے اور چاندی کی نہ ہوتی ہو کیونکہ قدیم مورخ ہروڈو (Herodotus) نے سونے اور چاندی کے سکے سب سے پہلے =Ń (Lydian) تہذیب میں تخلیق ہونے کا % ہے ۔ مگر بعد میں اسی نام سے یہ کرنسی یونان سے روم بھی پہنچ گئی، اور روم کیونکہ Óدا>م یعنی لیوینٹ (Levant) کے ذریعے ایران سے تجارت کرتا تھا، اس لیے یہ رومی ڈریکما یا؟ خر $ ع اسلام کے وقت @ نوی ڈریم (Sasanian) یا درہم کے نام سے عربوں میں بھی رائج ہو گیا¥ ۔

دینار کی کہانی کچھ یوں ہے کہ قبل A + ا * م میں چاندی کے سکے سونے کے مقابلے میں زیادہ رائج تھے۔ رومیوں کے ہاں ایک چاندی کا سکہ ہوتا تھا جس کا یونانی نام دینار Ḃ تھا[þ] ۔ ایسے ۲۵ دینار Ḃ (Denarius) مل کر ایک سونے کا رومی سکہ، اور Ḃ (Aureus) بناتے تھے[1] ۔ کیونکہ روزمرہ کے استعمال میں چاندی کا دینار Ḃ ہی زیادہ استعمال ہوتا تھا، لہٰذا رومیوں اور عربوں کے تجارتی C ت کے باعث عربوں کے ہاں سونے کے سکے کا نام دینار Ḃ سے بگڑ کر دینار پڑ گیا۔ اصل دینار Ḃ ایک کم مالیت کے چاندی کے سکے کا نام تھا مگر یہ نام ایک طرح سے اس کرنسی کے نظام کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ کسی زمانے میں دینار Ḃ ہی کے وزن کا کوئی سونے کا سکہ بھی موجود ہوتا ہو۔ البتہ D ی دور کے آغاز میں جو سونے کا سکہ رائج تھا، اس کا نام اور Ḃ تھا، اور اس کا وزن اسلامی دینار سے تقریباً دو ٹا تھا[2] ۔

---

greenwood Press. 2008

Sir William Smith, Dictionary of Greek and Roman antiquities. C.C. 76 Little and J. Brown, 1853. 438

Shelmerdine, C. W. Bennet, J., Two New Linear B Documents from 77 .Bronze Age Pylos. Walter Dd Gruyter 1995

.Herodotus. The Histories, Book I, 9478

D. H. Bivar, Achaemenid Coins, Weights and Measures. Camb. Hist. 79 Iran II. 610-39

William Smith, D.C.l., LL, D.,A Dictionary of Greek and Roman 80 Antiquities, John Murray, London 1875. 393-4

Daniel Sperber, Roman Palestine, 200 – 400: money and prices. Bar- 81 Ilan University Press, 1991. 62

Sir Robert Harry Inglis Palgrave, Dictionary of political economy, 82 .Volume 3. 445

اشیااوران کے ناموں کے ارتقاکی نسبت ایک د   بات دیکھیے کہ بظاہرا   یزی الفا E (Alphabets) کا نام یونانی حروف ایلفا (Alpha) اور F (Beta) سے نکلا ہے، مگر عربی حروف الف، ب سے ان کی مما ^ ایک اور ہی کہانی بتاتی ہے۔ دراصل خود یونانی حروف بھی عرب علاقے کی ایک قدیم تہذیب فونیشیا کی زبان سے نکلے ہیں۔ پس ا   یزی اور یونانی حروف بھی قدیم تاریخ میں عربوں کی V یمیٹک (Semetic) زبانوں سے مل جاتے ہیں، جس کی شاخوں میں عربی اور H انی بھی شامل ہیں۔ اسی طرح، دینار ودرہم کی بابت بھی قوی G ن ہے کہ یہ معیار قدیم V یمیٹک تہذ æ ں سے شروع ہو کر یورپی اور باز I علاقوں میں پہنچا۔ اور اسی وجہ سے اسلامی تاریخ دانوں نے اس کے اجرا کو حضرت نوح سے ملایا ہے اور قرآن نے حضرت یو ¥J کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ جزیرہ عرب میں ابتدا پانے والے یہ معیار ر   دوسری تہذ æ ں میں بھی داخل ہو گئے ہوں گے۔ $ ع اسلام کے وقت عرب میں جو سکے معروف تھے ان میں رومی بادشاہ کا ' ٹیین K کا سا = س (Solidus) بھی شامل تھا جو اس ۳۱۲ء میں اور B کو تبدیل کر کے رو   س کروایا تھا۔ اس کا وزن اور B سے کم، اور روایتی میعار کے مطابق دوبارہ سے تقریباً ایک   ل کے برابر تھا[3]۔ آگے چل کر یہی اسلامی دینار کی بنیاد بنا۔ خصوصی طور پر عہدِ نبوی   میں عربوں کے ہاں سا = س کی ایک مخصوص H، بیذانٹ (Bezant) رائج تھا، جو باز I حکومت نے جاری کیا تھا۔

عہدِ رسالت میں پیغمبر   نے یہی @ نوی درہم اور رومی دینار استعمال کیے، اور یوں اسلام کے اقتصادی پہلو کی اساس انہی پر ٹھہری۔ اسلام نے تجارت کو سنتِ نبوی کے ذریعے ایک نیار   عطا کیا، یہاں تک کہ حلال طریقے سے حاصل ہونے والے منافع کو خدا کا   کہا[R]۔ پھر ایک طرف تو اللہ سبحانہ وتعالی نے ایک اقتصادی عمل یعنی زکوٰۃ کو اسلام کا مرکزی ستون بنا دیا، اور دوسری طرف مال ودولت سے متعلق سرگرمیوں پر لگے L کو اتار کر حلال تجارت کو باعث ثواب بنا دیا، یہاں تک کہ دین کے کچھ معاملات بھی اہلِ # کے تجارتی ا   روں میں [ن کر دیے گئے

Ibid83

842002 International Conference on Stable and Just Global Monetary System: viability of the Islamic Dinar : proceedings, August 19 & 20, 2002, Putra World Trade Centre, Kuala Lumpur, Malaysia

Al-Quran 2:198 85

Al-Quran 9:111 86

اسی ضمن مولاناOل الدین رومی اپنی N ی میں لکھتے ہیں کہ قرآن جہاں کہے انفقو، یعنی خرچ کرو، تو تم اس کا مفہوم محض یہ مت P کہ خرچ کرو، بلکہ یہ کہ کماؤ اور خرچ کرو ۔الغرض آگے چل کر اسلامی سلطنت نے جو ترقی کی اس میں بڑا کردار اسلام کے اس نظریے کا تھا کہ اللہ سبحانہ% و تعالی کی عبادت اور اس کے بتائے گئے روحانی پروگرام کے تحت زندگی گزارنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرہ اپنی بنیادی ضرورتیں خوش اسلوبی سے پوری کر سکے۔اس کے لیے ایک پرامن ماحول اور معاملاتِ دنیا نے کے لیے ایک معاون نظام کی ضرورت تھی۔اس لیے اسلام نے جتنی توجہ عبادات کے ا م وضع کرنے پر دی ہے، اتنی ہی لین دین اور تجارتی معاملات وضع کرنے پر بھی دی ہے۔اس کا عملی nت ہم آ âا رRکی تصا Q سے لے f ہیں، جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ پورے پورے ابواب محض قوانینِ صرف اور تجارتی معاملات کے لیے مختص کر دیے گئے ہیں ۔

اقتصادی ترقی اور تجارت کے فروغ کے لیے کرنسی کا ایک بنیادی کردار ہوتا ہے اور اسے اقتصادی S میں خون کی سی اہمیت رکھنے سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے۔پس اسلام نے شرعی ا م نازل کر کے اس بات کو بنادیا کہ اسلامی سلطنت میں مالی نظم و نسق قائم رہے۔امام ابو اللہ قر T نے سورۃا کی ۵۸ آیت کی U میں امیر کی سات ذمہ داریوں میں سے ایک دینار و درہم کے معیار کی حفاظت اور سرکاری سطح پر ان کے اجرا کو قرار دیا ہے¥ ۔

عہدِ خلافت اور اسلامی سکوں کا اجرا

اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے سکوں کو اسلامی انداز · ئے راشدین کے عہد میں عطا ہوا۔امیر اÜ Ý سیدنا عمر بن V بؓ نے سب سے پہلے دینار و درہم کے معیار کو سرکاری سطح پر وضع کیا¥Þ، جسے جدید زمانے میں W رڈائزیشن (Standardization) کہتے ہیں۔دینار و درہم کا جو معیار چودہ سو سالوں سے عالمِ اسلام میں رائج ہے، اور جسے آج دینار تحریک کی کاوشوں سے دوبارہ متعارف کروایا جا رہا ہے، وہ اسی فاروقی معیار کے مطابق ہے۔ورXاسلامک Þ (WIM) کی کے مطابق یہ وزن ۴۲۵۴ گرام Y بق ایک ل ہے۔ › عمرؓ نے سکوں کو مکمل طور پر تبدیل کرنے کی بجائے ان کی ساخت اور شکل بالکل ویسے ہی رہنے دی جیسے پہلے تھی، صرف ان کے اوپر لفظ Z اللہ C ادیا¥1۔بعد میں آنے والے · میں بھی یہی رواج رہا کہ وہ سکوں کے @ نوی یا رومی

Rumi, Mathnawi.Book V, 579-58087

.Shaykh Abdulqadir As-Sufi. Root Islamic Education 88

Imam Abu Abdullah al-Qurtubi, Al-Jaami li-Ahkaam al-Qur'an. Dar Al 89 Fikr, Beirut Lebanon, 2008

Ibn Khaldun, Abdul Rehman Bin Muhammad. Al Muqaddimah. Trans. 90 .Franz Rosenthal. Chapter 3, Section 34

Michael Mitchiner, The ancient & classical world, 600 B.C.-A.D. 650. 91

نقش ویسے ہی رہنے دیتے جیسے تھے، مگر اوپر کوئی نہ کوئی ایسی تحریر لکھ دیتے جس سے سکوں کا اسلامی سلطنت سے عیاں ہو جاتا۔ [\ › معاویہ بن ابی] ن نے سکوں پر پہلوی زبان میں اپنا نام C ایا، جب کہ › اللہ بن ز F نے ان کے اوپر امیر ا Ü Ý C ایا[¥2]۔

اموی حکمران ا » بن مروان کے دور میں جب حکومت میں قدرے استحکام آگیا تو باقاعدہ طور پر اسلامی سکوں کے اجرا کی ضرورت Ø س کی گئی۔ اس کے پیچھے بھی تاریخ میں ایک د روایت موجود ہے[¥3]۔ کہا جاتا ہے کہ ا » جب باز I فرمانرواؤں کو [\ تو اسلامی طرز پر سب سے پہلے Z اللہ \ ، پھر کریم کا اسمِ رک اور آخر میں تاریخ ڈال کر [کا متن۔ × نوں اور باز ^ ں میں عداوت کی بنا پر یہ بات انھیں پسند نہ آتی اور C ت میں ایک خصوصی اتار کے دوران یہ د _ بھی × نوں تک پہنچی کہ باز I اپنے دینار کے اوپر پیغمبر کی شانِ رک میں کوئی ' خانہ تحریر لکھنے کا سوچ رہے ہیں۔ × ن ان باز I دیناروں کو ہی استعمال کرتے تھے، اس لیے ا » نے فوراًا ب سے رہ کیا کہ باز ^ ں کو تو b ِ رسالت کے ار a ب سے کیسے روکا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر بھی ناموسِ رسالت کی پاسداری کی خدمت خانوادہ رسول ہی نے سرانجام دی، اور امام محمد ابن : الباقر نے اپنی c ل یا þ لگا کر خود سکے بنانے کا رہ دیا۔

اسلامی دینار و درہم کا اجرا ایک طرح سے اس دور کی دو بڑی قوتوں کی کرنسی کی جنگ تھی، جیسے آج ¾ دو بڑی قوتوں یعنی امریکہ اور چین کے درمیان کرنسی کی جنگ چل رہی ہے[¥]۔ پہلی بار ایک × ن › اس وقت کی دنیا میں جانے e نے بیذانٹ سکے سے مکمل d گی اختیار کر کے اپنی کرنسی جاری کرنے والا تھا۔ مگر بیذانٹ کی جانی e نی ساخت کی وجہ سے × نوں نے بھی بالکل اس سے ملتا جلتا سکہ بنایا تا کہ ü نیت کی بنا پر عوام میں قبولیت آسان ہو جائے۔

اس دور کے باز I سکوں پر بادشاہ کی شکل بنائی جاتی جو کہ Ý ئی نشان g بس کرو f (Globus Cruciger) اٹھائے ہوئے دکھایا جاتا۔ دوسری طرف ایک h ھی پر کراس پو i (Cross Potent) ساخت کا k بنا ہوتا۔ اسی کی دیکھا دیکھی ا » بن مروان نے دینار پر بھی اپنی j پر ایک خاکہ بنایا جس میں ایک باریش شخص تلوار پکڑے $ اہے۔ دوسری طرف h ھی ویسے ہی رہنے دی گئی مگر اوپر سے k ہٹا دی گئی۔ یہ سکہ جب مدینہ ° رہ پہنچا تو وہاں جو صحابہ کرام ابھی حیات تھے، انہوں نے اس کے اوپر بنی تصویر پر اعتراض کیا[¥R]،

.Hawkins Publications 1978

Dr. Nasreddin Farfour, The Islamic Coins & Numismatics. King Faisal 92 .Center for Research and Islamic Studies

Maqrizi, Ahmed bin Ali. Ighathat al-Umma bi-Kashf al-93 Ghummah.Trans. Adel Allouche, University of Utah Press 1999-01. 59

.Song Hongbing, Currency Wars. China 2007 94

Maqrizi, Ahmed bin Ali. Ighathat al-Umma bi-Kashf al-95

جس کی وجہ سے اس کی تخلیق فوراً ہی بند کروا دی گئی، اس سے پہلے کہ یہ عوام میں رائج ہو پاتا۔

اس کے بعد جو سکے بنائے گئے، ان کو مکمل طور پر h طرز سے بنایا گیا اور تصاویر ہٹا کر I ت لکھ دیے گئے۔ یہی اسلامی دنیا کے پہلے دینار و درہم کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ذریعے دینار و درہم کے وزن ایک سرکاری معیار کے طور پر اپنی اصل شکل میں رائج کر دیے گئے۔ اس سے پہلے عربوں کے ہاں قانونی دینار و درہم کا تصور رائج تھا، جس کا ایک متعین وزن تھا، اور جس وزن کے تحت زکوٰۃ اور دیگر امور طے کیے جاتے تھے ¥۔ مگر عملی طور پر ضروری نہیں تھا کہ ہر سکہ اسی وزن کا ہو۔ لہذا عرب اکثر سکوں کو m کی بجائے وزن کر کے قبول کرتے تھے۔ ان = اسلامی سکوں نے اس قدیم معیار کو عملی شکل دے دی جس کے تحت دینار کا وزن ۰ ادرہم کے برابر ہوتا اور ایک درہم کا وزن ٦دا ' ہوتا۔

= دینار و درہم کے اوپر قرآنی آیات C ائی گئیں، خصوصاً n 'لا الہ الا اللہ' اور 'محمد رسول اللہ'۔ ان مقدس I ت کی موجودگی کی وجہ سے اس دور میں بھی وہی سوال اٹھا جو آج بھی لوگ ہم سے کرتے ہیں، کہ جب قرآن کو وضو کے بغیر ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے تو پھر ایسے سکے کیسے جاری اور استعمال کیے جا f ہیں جن پر اللہ اور رسول کا نام% ہو؟ کبھی انسان جنابت کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی خواتین o میں۔ پھر سکوں کا زمین پر اور p جگہ پر گر جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے، اور تجارت میں انہیں غیر بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر ان سب مسائل کے باوجود اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مقدس I ت کے ساتھ سکے جاری کیے جاتے رہے ہیں اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان سکوں کو وضو کے بغیر عام استعمال میں لانے میں کوئی ہرج نہیں۔

Ghummah.Trans. Adel Allouche, University of Utah Press 1999-01. 60
Ibn Khaldun, Abdul Rehman Bin Muhammad. Al Muqaddimah. Trans. 96

q ی میں تخلیق ہوا یزدگیرد سوئم کے دور کا @ نوی درہم۔ غور کیجیے کہ اس کے کنارے پر کچھ بھی نہیں % ہوا۔ ۲۲
Source: Classical Numismatic Group www.cngcoins.com

q ی میں تخلیق ہوااموی گورنر حجاج بن یو ¥ کے دور کا @ نوی درہم۔اس سکے کی شکل وساخت یزد گرد کے نقش پر رہنے ۸۳
دی گئی، مگر کنارے پر Z اللہ C ادی گئی۔

Source: Classical Numismatic Group, Inc.
www.cngcoins.com

q ی میں تخلیق ہوا ا » بن مروان کا پہلا اسلامی دینار جس میں › ایک تلوار اٹھائے دکھایا گیا اور دوسری طرف ۷۶
h ھی ویسے ہی رہنے دی گئی مگر اوپر سے k ہٹا دیا گیا۔

Source: Admiral (R) Dr. Samir el-KhademPresident of the Numismatics Society in the Arab and Islamic World www.numisoc.org

q ی میں مصر میں تخلیق ہوافا v یرو u سلطان صلاح الدین یو ¥ بن ایوب کے دور کا دینار۔ ۵۷۳

Source: Bibliotheca Alexandrina Antiguities Museum/M. Sohby antiquities bibalex org

q ی میں جاری ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے فلوس۔ ۵۹۳

Source: The Maskukat Collection
islamiccoins.ancients.info

q ی میں غزنی سے جاری ہونے والا سلطان یامین الدولہ | دبن ⁷بکتیمین ا { وف | دغزنوی کا دینار۔ ۳۹۷

Source: The Barakat Gallery barakatgallery.com

دو

Source: Osmanli

} ہ اور z یب عالمگیر کی مہر اشرفی جو ۱۱۱۳ q ی میں جاری ہوئی۔

Source: Reserve Bank of India Monetary Museum
www.rbi.org.in

جب یہ سو
ہو کہ دو
بھی جب
نہ ہی میں
روزمرہ
د
ہوتا ہے۔
لگا۔ [\

} ہاور Z یب عالمگیر کے دور کا چاندی کا درہم، جسے شیر شاہ سوری کے دور سے روپیہ یادام کہا جانے لگا۔
Source: Contribution from private collection to Wikimedia Commons

سب سے
اور اس۔
ہونے وا

فلوس

فلو
اسلامی تار
روایات ہیں
قبول کرنا پ
رکھا کیونکہ
اس لیے غریب لوگ جو اس تھوڑی سی > ی کے ماM ہوتے ہیں، وہ بھی ان سے زکوۃ کے تحت نہ لے لی جائے۔ یہ
فلوس کی بر

سلطنتِ رسے ۱۱۹۸ q ی میں جاری ہونے والا y : خان سلطان بہادر کا طلائی سکہ۔ سکے کے اوپر ح کا حرف ر : کے نام کا ہے۔
Source: Marudhar Arts Auction www.marudhararts.com

نہیں ہوتی
پر نہ تو زکو
کیوں نہ ہو۔

---

97 http://www.mortonandeden.com/news050411.htm as retrieved in March 2012.

98 Al-Mawsu'ah al-Fiqhiyyah. Kuwait: Ministry of Awqaf 1995.

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ چھوٹے پیمانے پر بہت سے روزمرہ لین دین کے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کی قیمت درہم سے بھی کم ہوتی ہے، اور وہ سونے اور چاندی میں طے نہیں کیے جا f ۔اس لیے معاشرے کو ایسی کرنسی کی ضرورت بھی ہوتی ہے جو قیمت میں بہت کم ہو۔ کہا جاتا ہے کہ مصر میں اسلامی حکومت نے پہلی بار اس وقت فلوس جاری کیے جب ایک بوڑھی عورت نے $ ے ہو کر سے سوال کیا کہ کیا پانی پینے کی اسلام میں اجازت ہے۔ نے کہا بالکل ہے، یہ سوال ہے؟ تو عورت نے کہا: I سے پانی لینا مشکل ہو گیا ہے کیونکہ درہم اس کے لیے بہت زیادہ ہے اور اس سے چھوٹا کوئی سکہ نہیں ہے۔ تب مصر کے سلطان نے فلوس جاری کرنے کا حکم دیا¥¥۔

فلوس کی ایک اور خصوصیت یہ رہی ہے کہ ان کی قیمت ان کے وزن یا ان کے اندر استعمال ہونے والے تا b کے حساب سے نہیں ہوتی تھی، بلکہ قیمت ان کے اوپر لکھ دی جاتی تھی یا کسی اور طرح عطا کر دی جاتی تھی۔ ان کا بنیادی مقصد ہی چھوٹے لین دین کے معاملات میں معاونت کرنا تھا، نہ کہ مال جمع کرنے کا ذریعہ ۔ ہم جا Õ ہیں کہ ذخیرہ شدہ مال پر زکوۃ لازم ہے، جس کے لیے اس کی Œ مالیت ہونا بھی لازم ہے۔ فلوس کو جدید ا یزی اصطلاح میں ٹوکن (Token) کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں دینار و درہم

اسلامی مما M میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ تک دینار و درہم کا معیار ہمیشہ قائم رہا۔ مختلف علاقوں اور حکمران خاندانوں کے دور میں سکوں کے وزن میں کچھ بھی آئی۔ کچھ اموی حکمرانوں کے دور میں سکوں کا وزن گھٹایا گیا مگر اس کا زیادہ تر سیاسی محرکات سے ہوتا تھا، جبکہ قانونی دینار و درہم ہمیشہ اپنے معیار پر قائم رہے۔ کچھ اس بات کا بھی اثر تھا کہ کون سا > معیاری سکوں کے اجرا پر توجہ دیتا ہے۔ پس اموی دور کے ی، خالدی اور یو سکے اس زمانے میں عالمِ اسلام کے بہترین سکے مانے جاتے تھے۔

عباسی حکمرانوں کے زمانے میں جب اسلامی حکومت سیاسی اور اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ فت اور نِ Ø میں بھی اپنا نام قائم کر رہی تھی تو یہ دینار و درہم بھی اس ابھرتی ہوئی اسلامی تہذیب و ن کے جزوِ لازم تھے۔ ی شیرازی جب اپنی ن و بو / ن میں > ہارون الرشید کے شاہی دربار سے متعلق د یات لکھتے ہیں تو ان میں دینار و درہم کا تذکرہ بھی نمایاں طور پر شامل ہوتا ہے۔ [\ ایک مزا یت میں ی ایک شخص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اسے فرا فوجیوں نے قید کر لیا تو اس پر ترس کھا کر ایک شخص نے دس دینار کے عوض خرید لیا، اور پھر آزاد کر کے سو دینار مہر کے عوض اپنی اسے نکاح میں دے دی۔ مگر وہ کی انتہائی بدمزاج

Maqrizi, Ahmed bin Ali. Ighathat al-Umma bi-Kashf al-99
.Ghummah.Trans. Adel Allouche, University of Utah Press 1999-01. 69

اور زبان دراز ۔ایک دن ے کے دوران کہنے لگی کہ تم وہی شخص نہیں ہو جسے میرے باپ نے دس دینار میں خریدا تھا۔اس شخص نے جواب دیا،ہاں خریدا تو دس دینار میں تھا مگر خوب منافع پر تمہارے ہاتھ سو دینار میں بیچ دیا[1ÞÞ]۔اسی طرح کچھ ہ انداز میں بھی ی حضرت موسیٰ + ا * م کی قارون کو نصیحت ایک میں قلمبند کرتے ہیں[1Þ1]۔

آ ر دیۃ رودرم ۃیۃ وخت
سرعا اندر سر دیۃ رودرم کرد
خوا ₵ ر اتۃ شوی ازدیۃ و
با £ ،کرم کن چو خدا با تو کرم کرد

اسلامی مملکت جب مختلف دھڑوں میں تقسیم ہوگئی تو ہر علاقے کے اپنے دینار و درہم ان کی خود / ری کی دلیل کے طور پر جاری ہوتے رہے۔تاریخ میں ہمیں مصر میں فا § حکمرانوں کے دینار،اند f میں امارۃ قر ¥ کے دیناراور ایران و ترکی میں r ق مملکت کے دینار ملتے ہیں۔

۵۸۳ q ی میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے یرو u کو دوبارہ y کیا۔کہا جاتا ہے کہ یرو u کے Ý ئی محافظ بیلیئن آف ایبیلن (Balian of Ibelin) نے سلطان کو L رڑالنے اور یرو u کے Ý ئیوں کو امان عطا کرنے کے عوض ¤ ہزار دینار د B کا وعدہ کیا[1Þ2]۔یہ ادائیگی Ý ئی حاکم کی طرف سے بیذانٹ سکے میں ہونی تھی۔سلطان صلاح الدین ایوبی کی اپنی حکومت میں بھی دینار و درہم جاری کیے گئے۔ان دیناروں پر متن فا § طرز پر دائروں کی شکل میں % جاتا،اور تحریر کچھ یوں ہوتی۔سب سے پہلے Z اللہ اور پھر تخلیق کرنے والی þ کا , اور تاریخ۔پھر لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک۔اس کے بعد حکمرانوں کے نام۔دوسری طرف سورۃ صف کی نویں آیت:

هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ

پھر درود شر d صلی اللہ + والہ و , اور آخر میں سلطان کا نام ا » الناصر عالم یو ¥ بن ایوب۔

مصر میں ' ک خاندان کے ایک حکمران الاشرف " الدین بر » نے ایک مخصوص H کا دینار جاری کیا،جس کا وزن عام دیناروں سے قدرے مختلف تھا۔کہا جاتا ہے کہ اس کا وزان اطالوی ریاست وینس سے جاری

---

100 Seikh Mosleh al-Din Saadi Shirazi, The Golestan of Saadi. Iran Chamber Society.

101 Ibid

102 Goeffrey Hindley, Saladin: Hero of Islam. Pen and Sword. 2007

ہونے والے یورپی سکے ڈیوکاٹ (Ducat) سے مقابلہ کرنے کے لیے اس کے برابر رکھا گیا[1þ3]۔اس سکے کا نام بادشاہ سے منسوب ہو کر اشرفی دینار اور بعد میں صرف اشرفی پڑ گیا۔

دولتِ عثمانیہ کے دور میں تجارت و فت اپنے عروج پر پہنچی اور سرکاری سطح پر سکوں کی تخلیق کے لیے مختلف علاقوں میں p کے ادارے وقف بنیادوں پر قائم کیے گئے۔ ترک دیوانی و تجارتی قوانین کی معروف کتاب المجلۃ، آج بھی اسلامی اقتصادی قوانین میں رہنمائی کرنے کے لیے ایک اہم ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ سلطنت عثمانیہ میں سلطان محمد ثانی الفاv اور سلطان › ن اول ا { وف قانونی کے سکے زیادہ دلچسپی کے حامل ہیں۔ ترکوں کے ہاں دینار کو سلطانی کہا جاتا تھا اور چاندی کے سکوں میں درہم کی جگہ یہ اپنے مخصوص وزن کے سکے کو آ › کہتے تھے، البتہ سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ اثر دوسرے علاقوں میں درہم بھی تھا جس کی وجہ سے اسے عثمانوی درہم کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے × ن مما M میں جہاں علاقائی سطح پر سکوں کے نام اور اشکال میں کچھ تبدیلی کی گئی، لیکن ان کی بنیادی خصوصیت کہ وہ سونے اور چاندی سے Ú ہوں، قائم رہی، اور کم از کم اس پہلو سے دینار و درہم کی سنت جاری و ساری رہی۔

بر پاک و a میں بھی × ن حکمرانوں کے ہاتھ اسلامی دینار رو س ہوتے رہے ! کہ ہم نے تصاویر کے حصے میں سلطان | دغزنوی کے دینار اور درہم دکھائے ہیں۔ fi حکمرانوں کے دور میں ترک رسم و رواج کے تحت سونے کے یہ سکے پہلے اشرفی کے نام ہی سے جانے جاتے، مگر بعد میں ان کو مہر بھی کہا جانے لگا، کیونکہ ان پر شاہی حکمران کی مہر لگی ہوتی، جیسے } ہ اور z یب عالمگیر کے سکوں پر بادشاہ کا نام، p یا c ل کا نام اور تاریخ ہوتی مثلاً احسن آباد ۱۱۱۳ q ی۔ دراصل لفظ سکہ خود اس fl کی مہر کو کہتے ہیں جس سے نقش دھات کے اوپر منتقل کیا جاتا ہے، مگر بعد میں یہ نام اس عمل سے بننے والے سکے کا بھی پڑ گیا۔ یہ وجہ ہے کہ اردو محاورے میں سکہ بٹھانا استعمال کیا جاتا ہے، جس کا ˘ مطلب اپنی مہر لگانا ہے۔

نو آبادیاتی نظام اور کاغذی کرنسی

اس باب میں ہمارا مقصد قارئین کو دینار و درہم کی د تاریخ سے آگاہ کرنا اور یہ عیاں کرنا تھا کہ سونے اور چاندی کے سکے متواتر امتِ مسلمہ میں جاری رہنے کی وجہ سے ہماری اقتصادی اساس اور دینی خت کا ایک اہم رکن ہیں۔

با؟ خر ۱۸۵۷ء میں a و / ن ا یزوں کے ' میں آ گیا اور ۱۹۱۷ء میں دوسری جنگ کے بعد ترکی بھی × نوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۱۹۲۴ء میں سلطان ا ° دوم کے ساتھ عالمِ اسلام میں تقریباً ۱۳۰۰ سال کا طے

John F. Richards, Precious metals in the later medieval and early 103 modern worlds. Carolina Academic Press, 1983

کرنے والی خلافت † کر دی گئی۔ مگر اس سے کئی سال پہلے ہی × ن آہستہ آہستہ مغربی نظام کا اثر لے چکے تھے۔ حکمران اپنے ‡ دات کی وجہ سے سکوں کی دھات میں ملاوٹ اوران کے وزن میں توتاریخ کے مختلف ادوار میں کرتے ہی رہے تھے، مگر ا · یں صدی میں یورپی مما M کے دباؤ میں آکر انہوں نے بھی بینکاری نظام اپنانا شروع کر دیا۔ پس ۱۸۵۶ء میں فرا بینک کے تعاون سے سلطنتِ عثمانیہ میں بھی 'عثما µ بینکاسی' کے نام سے ایک قومی بینک $ اکر دیا گیا [1Þ]۔ بہرحال بینک کی کے باوجود سلطنتِ عثمانیہ میں سکے دھاتوں ہی کے چلتے رہے۔ با؟ خر ¶ 'کمال اتاترک کے ہاتھوں جب خلافت † ہو گئی تب مغربی بینکاری کو منظم طریقے سے اسلامی دنیا میں جڑیں پکڑنے کا موقع ملا اور پہلی بار ¶ 'کمال نے ۱۹۲۷ء میں اپنی تصویر کے ساتھ ترکی کی پہلی کاغذی کرنسی جاری کی۔

a و / ن میں بھی ۱۸۶۳ء میں نیشنل بینک آف انڈیا قائم کیا گیا، اور ا یز حکومت کے ہاتھوں ۱۸۶۱ء میں پہلی بار روپے کے کاغذی نوٹ جاری ہوئے۔

کاغذی کرنسی کا اجرا × نوں کے لیے ایک h بات تھی، سو علمائے کرام فوراً ہی میدان عمل میں آ گئے اور اس کے شرعی پہلوؤں پر غور شروع کر دیا۔ اللہ بن الر • ابسام لکھتے ہیں[1ÞR] کہ علمائے وقت نے کاغذی کرنسی کی نسبت چار مختلف آرا پیش d ۔

۱۔ اول تو یہ کہ کاغذی کرنسی سرے سے ہی حرام ہے۔ یہ اس وقت کی سب سے نمایاں اور اکثریتی رائے تھی۔

۲۔ دوم یہ کہ اسے سونے اور چاندی کی طرح سمجھا جائے کیونکہ یہ سونے اور چاندی سے تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اس وقت بینک ایسا کرتے بھی تھے مگر آج یہ رائے قابلِ اطلاق نہیں کیونکہ کوئی بھی بینک اب کاغذی کرنسی کے عوض سونا اور چاندی نہیں دیتا۔

۳۔ سوئم یہ کہ اسے عام اجناس کی طرح سمجھا جائے، مگر یہ بھی اب قابل اطلاق نہیں کیونکہ ہم نے ایک باب میں یہ واضح کیا ہے کہ لیگل ٹینڈر قوانین کاغذی کرنسی کے اس طرح کے استعمال پر پابندی لگا دیتے ہیں۔

۴۔ U رم یہ کہ اسے فلوس کی طرح سمجھا جائے، مگر یہ بھی اب ممکن نہیں کیونکہ فلوس پر زکوۃ نہیں ہوتی۔ فلوس سونے اور چاندی کے ساتھ ساتھ چھوٹے معاملات اور کم مالیت کی خرید و فروخت نے کے کام آتے۔ مگر کاغذی کرنسی سونے اور چاندی کے ساتھ جاری نہیں ہوئی بلکہ اس کی جگہ لے ہے۔ لہذا یہی اب مال کی قائم مقام ہے جبکہ فلوس روایتی طور پر مال کی d e میں نہیں آتے تھے۔

Ottoman Bank Archives and Research Center. 104
.http://www.obarsiv.com as retrieved on March 2012

Abdullah bin Abdur Rahman bin Saleh al Bassam, Tayseer al A'alam 105
.Sharah Umdat al Ahkam. Arab World Publishing House

کاغذی کرنسی کوایک ç یت جدید دور کے کچھ علمائے کرام نے اس اصول پر دی ہے کہ یہ ثمنِ عرفی کادرجہ حاصل کر ہے۔ بہر حال ! کہ ہم پہلے دکھا چکے ہیں، کوئی بھی چیز بجاطور پر ثمنِ عرفی بن سکتی ہے p o وہ اسلامی طور پر حلال اور جائز ہو۔ مگر کاغذی کرنسی کے اجراپر ہم جو اعتراضات پیش کر چکے ہیں، ان کی روشنی میں یہ کسی طور پر جائزاور اسلامی نہیں۔ اور ہمارے لیے واحد لائحہ عمل یہی ہے کہ ہم اپنی اصل اساس کی طرف لو , اور طلائی دینار اور ئی در ہم کو Pل کریں۔

ایک طرف جہاں کاغذی کرنسی کا یہ سودی نظام پوری امتِ مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، تو وہاں کچھ ایسے روشن خیال صا نِ نظر بھی موجود ہیں جو اس ,, ں کو توڑ کر ہماری اقتصادی اُ ح وخود / ری کی جنگ رہے ہیں۔ آW اب دور حاضر کی ان شخصیات کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں علامہ ا ل نے کہا:

کشتیِ حق کا زمانے میں " راتو ہے

... نو، رات ہے د « لاسا / رہ تو ہے

باب ‰

اسلامی دینار تحریک

À ِ برگِ نہ ٖبنالے گا قا¾مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو ` کش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

اس باب میں ہم اسلامی دینار کے فروغ کے لیے کام کرنے والی مختلف شخصیات کا تعارف کروائیں گے۔

ا درا فی

جدید دور میں علما کی اکثریت رائج بینکاری نظام ہی کے ڈھا » کو اسلامی قوانین کے تحت استوار کرنے میں مصروف ہے۔ مگر چند اہلِ نظر نے معاملے کی تہ تک پہنچ کر اس پورے بینکاری اور اقتصادی نظام کو بنیادی طور پر اسلام سے متصادم پایا، اور اسے مکمل طور پر تبدیل کرنے کی بات بھی شروع کر دی۔ اس ضمن میں آواز اٹھانے والی ابتدائی شخصیات میں سب سے اہم جناب ا درا فی ہیں۔

ا در × ن ہونے سے پہلے برطانیہ کی ^ دنیا میں ایان ڈ ´ کے نام سے منسوب تھے 1Þ۔ ۱۹۶۷ء میں وہ × ن ہو گئے اور pلی افریقہ آ کر انہوں نے ا دری الدر قاوی ا<ذلی ¯ میں ˜ کر لی، اور اسی ¯ کا آگے چل کر انہیں خرقہ بھی عطا ہو گیا۔

۱۹۸۲ء میں ا : ن کے , ناروچ میں ما ˘ ` کے مایہ ناز علمائے کرام کی ایک کانفرنس Óئی گئی، جس میں ا در نے اس سودی کرنسی نظام کو بے نقاب کیا۔ ان کی ایک کتاب روٹ اسلامک ا ¨ ˙ (Root Islamic Education) اثر و رسوخ کے لحاظ سے بیسویں صدی کی اہم ترین تصا Q میں سے ایک ہے۔ انہی کی مختلف تصا Q پر آگے چل کر ان کی مرابطون 1Þ تنظیم کی نظریاتی بنیاد رکھی گئی، اور اس تنظیم سے منسلک ان کے شاگردوں نے دینار و درہم کو عملی طور پر دنیا میں رو س کروایا۔ ۱۹۹۲ء میں جب جدید دور میں اسلامی دینار کو ° نیہ کے , غرناÉ(Granada) سے پہلی بار دوبارہ جاری کیا گیا تو اس کے پیچھے بھی ان ہی کے شاگردوں کی کاو ¸ شامل تھیں۔

ا در کی ایک اور نمایاں خت یہ ہے کہ انہوں نے عالمِ اسلام کی فکری اساس میں ایک مخصوص جہت کو رو س کروایا، جسے ان کے ہاں مد B کا عمل کہا جاتا ہے۔ امام ماM سے متاثر اس نظریے کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اہلِ مدینہ وہ لوگ تھے جن کو ß ر کا ہمہ وقت کا ساتھ اور انی Ì ہوئی، جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگیاں اسلامی سا » میں ڈ ˝ گئیں۔ اس لیے اگر کوئی عمل اہلِ مدینہ کے ہاں رائج پایا جائے، تو اس کی

.http://www.imdb.com/name/nm0198037 as retrieved on March 2012106

Murabitun World Movement, an Islamic movement founded in the 107 1980s

اہمیت اس امر سے زیادہ ہو گی کہ اس عمل کی Qیت یاا c ف میں رسول اللہ کی کوئی حدیث موجود ہو، کیونکہ حدیث کی صحت اور تاویل میں کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت ر ؒ جن سے امام ماM نے احادیث نقل کی ہیں، ان کا ایک قول اس کی بہترین ترجمانی کرتا ہے کہ ہزاروں افراد میں رائج عمل جو انہوں نے ہزاروں صحابہ کی دیکھا دیکھی اپنایا ہو، اسے میں ایک فرد کے قول پر ترجیح دوں گا جو اس نے ایک صحابی سے سنا ہو [1Þ]۔ امام ماM کی ` میں بھی یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔

قرآن پاک کی متر ˇ [1Þ¥] اور ا در کی شاگرد، محترمہ عاÑ بیولی نے اپنے ـــ کی دینی خدمات کو سورۃ Ò کی آیت ۱۹ کے خوبصورت ا رے میں پیش کیا ہے کہ ٖ کے اس پار سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم کے لوگو، ٖ وی کروان رسولوں کی۔ لکھتی ہیں کہ Ôتا Ó کے دور کے بعد جب دارالاسلام کے مرکز سے جاری علم و دانش کا × کچھ Ö پڑتا نظر آیا، تو بسا اوقات امت مسلمہ کی Õ ہوئی حدود سے بےpر Ø اٹھے، جنہوں نے روحِ اسلام کو پھر سے Ł اب کر کے . . . ِ جدید سے ہم آہنگ کر دیا۔ سو ا در کے × ن ہو جانے سے بھی اسلام کو ایسی ہی ç یت ملی جیسی کہ پہلے Ú، Ùرا اور a و / ن سے آنے والے علما سے ملتی رہی ہے۔

عمران حسین

جنوبی امریکہ کی ریاست ٹرÛ اڈ (Trinidad) سے رکھنے والے عمران حسین دینار تحریک کی ایک اور معتبر ترین Ü ہیں، جن کی دینار و درہم کے احیا میں بیش بہا خدمات ہیں۔ شیخ عمران نذر حسین کراچی میں جاß علیہ ‹اسلامیہ کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں۔ ان کی تصا Q علامہ ا ل، Þ رامام Ý ی اور بین الاقوامی صیہونیت کے ساتھ دینار و درہم اور اسلامی نظامِ زر و معیشت کے متعلق خصوصی کا احاÉ کرتی ہیں۔ ان کی ایک معروف تصنیف 'اسلام اور نظامِ زر کا مستقبل' (Islam and the Future of Money) عوام میں بہت Oل ہے۔ آج ان کے شاگرد دنیا بھر میں اپنے اپنے مقام پر دینار و درہم کو رو س کر وا رہے ہیں۔ عمران ملائشیا میں à سالانہ رِبا کانفرنس میں بھی عموماً مدعو کیے جاتے ہیں، جہاں اپنے مکاÜں کے ذریعے انہوں نے کاغذی سودی کرنسی کو بے نقاب کرنے میں بہت خدمات انجام دی ہیں۔

---

108 http://bewley.virtualave.net/amalmadina.html as retrieved on March 2012.

109 Abdalhaqq Bewley, Aisha Abdurrahman Bewley, The Noble Quran: A New Rendering of its Meaning in English. Ta-Ha Publishers Limited. 2011

ایک 1 عالم کی طرح عمران اپنی ذاتی Æ پسند نہیں کرتے، جس کی وجہ سے مصنف کو ان کی زندگی اور خدمات سے متعلق زیادہ معلومات نہ مل سکیں، البتہ یہ طے ہے کہ دینار و درہم کی تاریخ میں ان کا نام â ے حروف میں % جائے گا۔

عمرابرا a وڈلو

عمر وڈلو کا ° نیہ سے ہے اور یہ ۲۱ سال کی عمر میں اسلام قبول کر کے ا درا فی کے زیرِ تعلیم آ گئے۔ یہ اپنے جناب ا در کے نظریات کو لے کر آج سے تین دہاäں پہلے میدانِ عمل میں داخل ہوئے اور ورX اسلامک þ کی بنیاد ڈالی جو دینار و درہم کے وزن و معیار کا ایک ال ادارہ ہے۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا میں دینار تحریک کو ان ہی کی کاوشوں سے استحکام ملا، اور یہ ریاست Ň å (Kelantan) میں قائم شدہ Ň å گوXن ٹریڈ ادارے کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں۔ ۲۰۱۱ء میں ا درا فی نے انہیں 2 در قادویہ کا خرقہ بھی عطا کر دیا، جس کے بعد انہیں ° نوی باسک نسل سے رکھنے والے دنیا کے پہلے ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

دیگر شرکائے تحریک

ا درا فی کے دیگر بہت سے شاگردوں نے دینار و درہم تحریک میں عملی کردار ادا کیا جن میں انڈونیشیا میں اسلامک þ نسنتارہ سے رکھنے والے جناب احمد ادجی اور جناب عباس فرمان صاحب شامل ہیں۔ ادGیورپی وامریکی نو Ø ں میں امل ڈ Ł ، ا ç æرک، احمد تھا æ وراسماعیل برائنٹ شامل ہیں۔ اسماعیل برائنٹ کا کردار دینار و درہم کو امریکی سیاہ فام نو آبادی میں رو س کروانے میں نمایاں ہے، اور ان کی معاونت بھی مصنف کی اس کاوش میں شامل تھی جہاں ہم نے امریکی براŒ میں پہلی بار اسلامی دینار کی تخلیق کی۔

تحریک کا آغاز

دینار تحریک دراصل روایتی ó ں میں کسی تنظیم کا نام نہیں۔ یہ ایک h سوچ ہے جو آہستہ آہستہ امت مسلمہ میں جڑ پکڑ رہی ہے، اور اس کی معاونت کرنے والے لوگ اپنے آپ کو دینارِ نبوی کوPل کرنے کی تحریک سے منسوب کرتے ہیں۔ اس تحریک کی تاریخ اور فکری اساس پر مصنف نے ۲۰۱۰ء میں ایک ا یزی ڈاکو º ی

ویڈیو[11] بھی تخلیق کی جو یو=ب(youtube.com)اورواۓیو(vimeo.com)پر موجود ہے۔

عملی طور پر دینار کا کام ا درا فی کے شاگردوں نے شروع کیا، جو مرابطون کہلاتے ہیں۔ بعد ازاں تحریک کادائرہ مرابطون اور اہل تصوف سے بڑھ کر پوری امت تک گیا، اور اب ان تمام لوگوں کی نشاندہی کے لیے دینار تحریک کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔

فکری سطح پر سب سے پہلے ا درا فی اور عمران حسین نے اس پر کام شروع کیا۔ ا در کی تصا Q اور ì ت کی بدولت ان کے شاگردوں نے ° نیہ کے , غرناÉ میں جدید دور کا سب سے پہلا دینار ۱۹۹۲ء میں تخلیق کیا۔

عملی سطح پر عمرابرا a وڈلو نے ایک ادارہ عالمی اسلامی þ کے نام سے تخلیق کیا، جس کا کام دنیا بھر میں دینار کے فروغ اور اس کے W رڈز(Standards) کا تعین کرنا ہے۔ اس موضوع پر ان کی کچھ تصا Q بھی موجود ہیں جن میں 'ریٹرن آف گو X دینار'[111] شامل ہیں۔

مرابطون تحریک نے × ن دنیا کے قائدین کو اس معاملے کی معاونت پر قائل کرنے کی کوشش کی، جن میں مراکش کے فرمانروا ð اï نی مرحوم اور ترکی کے وزیرا Œ î الدین ار أ ن مرحوم نے دلچسپی ظاہر کی، مگر حالات نے دونوں کو کسی عملی æ فت کا موقع نہیں دیا۔

جنوب مشرقی اõ

۱۹۹۸ء میں انڈونیشیا میں جناب عباس فرمان اور احمد ادجی نے ایک ادارے آئی ایم این، یعنی اسلامک þ نسنتارہ کی بنیاد ڈالی، جس نے عمرابرا a وڈلو کے ساتھ مل کر ó میں دینار و درہم کو رو س کروایا۔ ان میں سے جناب احمد ادجی نے بعد ازاں مصنف کی بھی دینار و درہم کے ˆ پہلوؤں میں بہت رہنمائی کی۔

ایک طرف آئی ایم این نے انڈونیشیا میں کام شروع کیا اور دوسری طرف ملائیشیا کے وزیرا Œ مہا ' محمد کے ساتھ رابطے قائم کیے۔ جناب مہا ' محمد اپنی قوم کے ایک دوراندیش اور کامیاب قائد تھے، جنہیں ان ہی دنوں جارج سوروس(George Soros) جیسے Û دی سرمایہ کاروں کے ہاتھوں مالیاتی منڈی کی بے ضا ô ں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ کر اس کے قائل ہو گئے اور دنیا میں پہلی بار سرکاری سطح پر امریکی ڈالر کی جگہ اسلامی دینار کو استعمال کرنے کی تجویز پیش کی۔ البتہ اندرونی اور F ونی دباؤ کی وجہ سے عملی طور پر کچھ نہ کر سکے۔ عالمی اقتصادی نظام سے واقفیت رکھنے والے اس بات کا بخوبی اندازہ کر f ہیں کہ اسلامی دینار، ڈالر اور یورو کے مقابل آکر اسلامی دنیا کے مالیاتی ا ل کا مکمل ö ا کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی دینار کی P لی ہمارے نزدیک

---

http://www.youtube.com/playlist?list=PL25A89140D5F33087110

Umar Vadillo. The return of Gold Dinar. Bookworks. 1996111

امتِ مسلمہ کی اولین ترجیح ہونی چاہیے، کیونکہ یہ صرف اقتصادی ہی نہیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی امتِ مسلمہ کے ا دکا علمبر دار اور خلافت کی Pلی کی طرف ایک اہم قدم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہا ' محمد کے یوں بر ملا دینار کی Qیت کرنے پر عالمی طا 4 فوراً حرکت میں آ گئیں۔

ڈاکٹر ٹ الر ! ایک معروف مصری ماہرِ اقتصادیات ہیں جنہوں نے امریکہ میں اسلامی بینکاری کی بنیاد ڈالی[112] اور اس پر ایک کتاب بھی لکھی[113]۔ ایک نجی ø میں مہا ' محمد کے الفاظ نقل کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جب میں نے اسلامی دینار کی سرِ عام Qیت کی تو I بین الاقوامی اقتصادی ß ں سے ایک مراœموصول ہوا کہ، سوچ لو ü ملائیشیا زیادہ عزیز ہے یا اسلامی دینار۔

پھر بھی اتنا ضرور ہوا کہ ان کے دورِ حکومت میں دینار تحریک کو بے خطر ملائیشیا میں عوامی سطح پر قدم جمانے کی اجازت مل گئی۔ یوEر ý ں نے بھی اقتصادیات کے اس پہلو پر باقاعدہ شروع کر دی، جن میں پر و ø احمد þیل میرا کے کئی مقالے شامل ہیں۔

ملائیشیا کے ایک تجارتی ó ÿ ان میں تحریک کے ایک صاحبِ ثروت رکن، جناب 2 دا « ن نے دینار و درہم پر مشتمل آن لائن (online) تبادلے کی سہولت ای دینار (e-dinar) بھی قائم کر دی۔ دوسری طرف انڈونیشیا میں ۲۰۰۰ء میں ایک نیا ادارہ، ڈبلیو آئی این، وکالہ اندک نسنتارہ بھی قائم ہوا، جو آج ¾ عمر ابرا a وڈلو اور امیر زائم زیدی کی سربراہی میں تحریک کو خوب فروغ دے رہا ہے۔

ریاستی اور سلاطینی تائید

ورXاسلامک þ کو ایک کامیابی ۲۰۰۷ میں حاصل ہوئی جب ملائیشیا کی ریاست Ň å کے سلطان نے دینار و درہم کی تائید کر دی، اور مرکزی بینک کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ریاست میں دینار و درہم کو سرکاری سطح پر رائج کر دیا۔ Ň å میں سرکاری ملازمین کو تنخواہوں کا کچھ حصہ دینار و درہم میں ملنے کی سہولت دی گئی۔ بازاروں میں بھی ریاستی حکومت کے یہ سکے چلنے لگے۔ Ň å کے بعد اب دیگر سلاطین بھی جنوب مشرقی ا ò میں دینار و درہم کو اپنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، جن میں سے فلپائن کے خود /ر × ن علاقے سولو دارا * م کے سلطان نے ۲۰۱۲ میں عمر ابرا a وڈلو کے ساتھ مل کر سولو کا دینار بھی جاری کر دیا۔ اس کے علاوہ قازق تان میں بھی اقتصادی سیمیناروں کے ذریعے اس نظریے کو رو س کروایا جا چکا ہے۔

---

https://www.lariba.com112

The Art of Islamic Banking, Wiley Finance, 2010113

The Dinar
Granada 1992

The Dirham
Granada 1992

ا درا فی اوران کی بائیں طرف عمرابرا a وڈلوÆ d فرماہیں

عمران نذر حسین ایک دینی محفل میں تقریر فرماتے ہوئے

۱۹۹۲ء میں ° نیہ کے , غرناÉمیں تخلیق ہونے والے جدید دور کے پہلے دینار و درہم

جدید دور کے پہلے معروف دینار جو کہ ملائیشیا اور انڈونیشیا میں بہت O ل ہوئے

Ň å کے سلطان کی طرف سے جاری کردہ پہلے ریاستی دینار و درہم

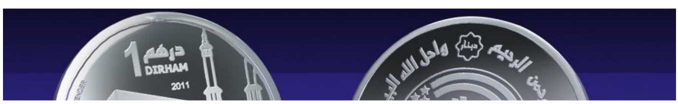

ملائیشیا کے سابق وزیر اŒ جناب مہا ' محمد ۲۰۰۷ء میں اسلامی دینار پر ایک کانفرنس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے

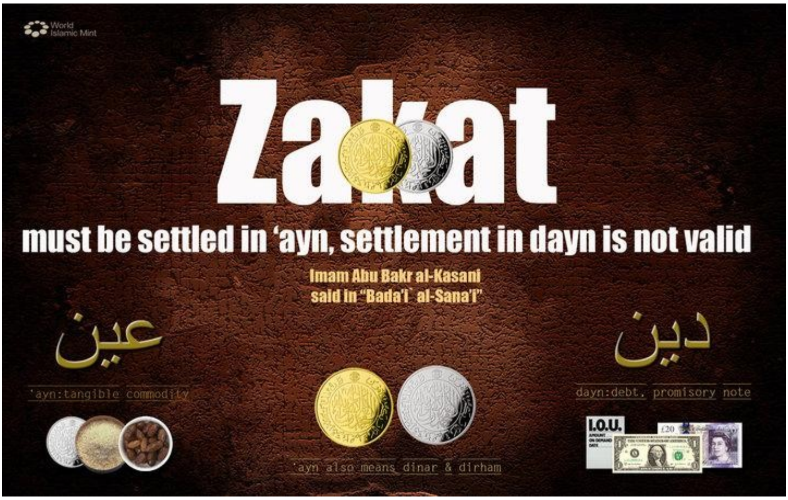

سولودالا * م کے سلطان کی طرف سے جاری ہونے والا اسلامک p کا h طرز کا دینار جس پر ہولو گرام کے ذریعے اضافی حفاظتی اقدام لیے گئے ہیں۔

ورXاسلامک p کی طرف سے جاری کردہ ایک پوسٹر

اسلامک p نستتارہ کی طرف سے جاری کردہ تصویر جس میں دینار ودرہم کا ایک خوبصورت انداز پیش کیا گیا ہے

کونسل آف امیریکن ریلیشنز کی طرف سے عید میلے پر مصنف کی طرف سے لگایا گیا دینار ودرہم کا سٹال

نارتھ آسٹن کمیونٹی مسجد کے احاطے میں مصنف کی طرف سے لگایا گیا دینار ودرہم کا معلوماتی سٹال

۲۰۱۱ء میں دینار وکالہ کی طرف سے تخلیق ہونے والا امریکہ کا پہلا اسلامی طلائی دینار

امریکی دینار و درہم کا ایک اور زاویہ

امیر اسماعیل برائٹ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ

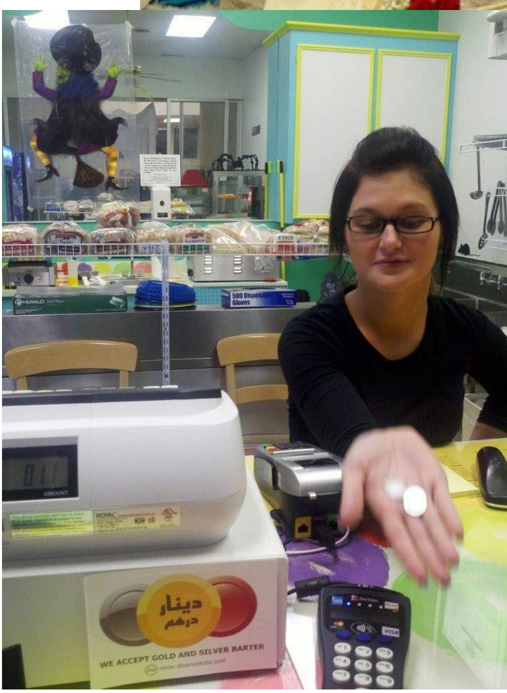

ریاست نارتھ ولینامیں ی
گر ڈیلی کی مالکہ اپنے ریسٹورنٹ
میں درہم قبول کرتے ہوئے

انڈونیشیاء میں جذبہ ایمانی سے سرشار ایک نوجوان ڈاکٹر   اللہ اشرف اپنے نکاح کا حق مہر اپنی اہلیہ کو اسلامی دینار میں پیش کرتے ہوئے

اسلامک p کے = فلوس، درہم اور دینار جن پر عالم اسلام میں پہلی بار سکیورٹی کے لیے ہولو گرام بنایا گیا ہے

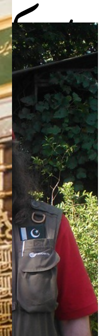

بارے
اسماعیل
نظام کا ا

صار * سے امانت کے طور پر لیں گے ہم اور انہیں آیدہ کبھی اسلامی نظام درہم برہم کرنے کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ ہمارا اصار * سے

---

http://www.dinarwakala.com114

معاہدہ وعدیہ کے طور نہیں، بلکہ ان کے وکیل کے طور ان کے مال کی حفاظت اور ترسیل کے لیے ہو گا۔

ہمارا پہلا قدم امریکہ میں دینار اور درہم کی مقامی تخلیق تھی۔ دینار تحریک کا ایک مقصد یہ ہے کہ مستقبل میں مختلف × ن علاقوں میں دینار رائج ہو جائیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ تجارت بھی انہی میں کی جائے۔ تجارت کے لیے ضروری ہے کہ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے سکوں پر اعتبار کر سکیں۔ اس لیے دینار وکالہ نے امیر اسماعیل برائنٹ کے تعاون سے ورX اسلامک þ کی تصدیق (Certification) بھی حاصل کر لی جس کے تحت ہمارے سکے وکالہ اندک نسنتارہ، ریاست Ň å ، اور ای دینار کے مدینہ سکوں کے ساتھ چوتھے تصدیق شدہ سکے بن گئے۔ چونکہ تینوں ادارے براہِ راست عمر وڈلو کے زیر سایہ کام کر رہے ہیں، لہذا دینار وکالہ ہی کے ذریعے وم سرٹفی · (WIM Certification) کے بین الاقوامی معیار کا تصور عملی طور پر پورا ہوا۔

باب اول میں ہم نے آسٹرŃ- سکول آف اکنامکس کا ذکر کیا تھا جو کہ ماہرینِ معاشیات کی ایک جماعت ہے جو سونے اور چاندی کو کرنسی کے طور پر اپنانے کی حامی ہے۔ یہ لوگ رائج معاشیاتی سوچ کی خامیوں کو بے نقاب کر کے نہایت کامیابی سے امریکہ کی h نسل کو اپنا گرویدہ بنا رہے ہیں۔ اسی تصور کے سب سے معروف حامی، امریکی کا کے رکن جناب ران پال (Ron Paul) ہیں، جو کہ ۲۰۱۲ء میں ری پبلکن پارٹی (Republican Party) کی طرف سے نامزدگیِ صدارت کے امیدوار بھی تھے۔ ران پال کے سیاسی نظریات کو H ٹیرŃ- (Libertarian) یا آزاد خیال کہا جاتا ہے، جس کے بنیادی نکات حکو 0 ڈھا » کی تخفیف، لیگل ٹینڈر قوانین اور ا G کی تحلیل، اور امریکی فوجوں کا F ونی مما M سے فوری اور مکمل انخلا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ران پال h × ن نسل کے بھی محبوب سیاسی راہنما ہیں، جنہوں نے ہمیشہ فلسطین کے حق میں آواز اٹھائی ہے۔ یہی H ٹیرŃ- سوچ رکھنے والے چند امریکی باشندوں نے ڈ ´ , میں ایک ادارہ او کرنسی[11R] کے نام سے ; دیا ہے۔ یہ ادارہ امریکہ میں مختلف جماعتوں کے ساتھ مل کر انفرادی طرز مگر ک معیار کے سکے تخلیق کرتا ہے، جو بعض صار * تجارت میں ڈالر کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

امریکہ میں اقلیت ہونے کی وجہ سے ہم نے Ø س کیا کہ عملی مقاصد کی ü نیت کی بنا پر ہم ان کے ساتھ مل کر کام کر f ہیں۔ دینار وکالہ نے بھی اس جماعت سے رابطے قائم کیے اور اب ہمارے دینار، ورX اسلامک þ کے ساتھ ساتھ اے او سی ا (AOCS) [11] سے بھی تصدیق شدہ ہیں۔ لہذا ہم اپنے دیناروں کو غیر امریکی منڈیوں میں بھی استعمال کر f ہیں۔ مستقبل میں جب یہ دونوں تحر مزید پھیلیں گی، اس وقت پاکستان اور امریکہ کے درمیان سونے اور چاندی میں تجارت کرنے کا یہ ایک غیر سرکاری راستہ بھی بن سکتا ہے۔

---

http://www.opencurrency.com115

http://www.opencurrency.com/the-standard/guarantee116

امریکہ میں دینار و درہم رائج کرنے کے بعد اب ہمارے ادارے کا اگلا ہدف ان پر ترسیلِ زر کے نظام کا م ہے، جس کے لیے اس کتاب کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد ہی ہم دینار ڈیبٹ کارڈ جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم ایک آزادانہ منڈی بھی تخلیق کر رہے جہاں لوگ ہر H کی سونے اور چاندی پر کرنسی میں خرید و فروخت کر سکیں گے۔ اس پراجیکٹ کا نام دینار بازار ہے [11]۔

امریکہ میں دینار و درہم کا فروغ پورے عالمِ اسلام کے لیے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ امریکہ کو ایک طرف تو اقتصادی دنیا کا انجن کہا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ تمام عالمِ اسلام کے نہایت ہنر ' اورا :' تعلیم یا سپوت یہاں آکر آباد ہو چکے ہیں۔ ۹/۱۱ کے بعد اب مقامی لوگ بھی تیزی سے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ پس، امریکی × نوں میں دینار و درہم کو رائج کرنا ایک انتہائی اہم کامیابی ہو گی جو باقی دنیا میں اس کو متعارف کروانے میں معاون ثابت ہو گی۔

پاکستان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پوری تاریخ میں با / رافراد سود و ربا کے نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں ۱۹۸۰ء میں رل شریعت کورٹ میں سود کے خلاف ایک پٹیشن دائر کی گئی۔ اس کی سماعت کئی سال تک ^ رہی اور با؟ خر ۱۴ دسمبر ۱۹۹۱ء کو شریعت کورٹ نے سود کو قانونی طور پر حرام قرار دے دیا۔ بینکاری نظام کے حامیوں نے فوراً اس y کے خلاف اپیل کر دی اور معاملہ مزید کئی سال قانونی الجھاؤ کا شکار رہا۔ البتہ خوش قسمتی سے سپریم کورٹ کے بینچ پر اس وقت جسٹس تقی عثمانی اور جسٹس وجیہہ الدین احمد جیسے لوگ شامل تھے، جنہوں نے فیصلہ بینکاروں کی بجائے دین کے حق میں دیا، اور ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو عدالتِ عظمیٰ نے حکومتِ پاکستان کو ایک محدود مدت کے اندر تمام سودی قوانین کو بدلنے کا حکم دے دیا۔

سپریم کورٹ نے اپنے y میں انتہائی علم و دانش اور جا z کے ساتھ جدید بینکاری نظام پر سود و ربا کے اطلاق کی وضاحت کی، جس میں ہمارے موضوع کی مناسبت سے ' رجہ ذیل نکات بہت اہم ہیں۔

"معاشیات کی ابتدائی سطح کی بھی بینکوں کے پیسے تخلیق کرنے کے عمل کی منظورِ نظر انداز میں وضاحت کرتی نظر آتی ہیں۔ بینکاری نظام کا یہ طلسماتی عمل معاشرے میں اقتصادی ترقی کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ مگر جدید بینکاری کے حامی اس نظریے میں پوشیدہ دھوکے اور سراب کو کبھی از خود بے نقاب نہیں کرتے۔" [11]

---

http://www.dinarbazaar.com117

Even the introductory books of economics usually explain, often …" 118 with complacence, how the banks create money. This apparently miraculous function of the banks is sometimes taken to be one of the factors that boost

"بادشاہوں کا پیسہ تخلیق کرنے کا عمل عوام کے مال کو L سازی سے غصب کرنے کا ایک طریقہ تھا، مگر اس دھوکہ دہی کو آج 3/4 کے بینکاری نظام نے فریکشنل ریزرو کے نام پر ایک معمول کی مشق اور فائدہ ' عمل بنا کر دکھانا شروع کر دیا ہے۔"[11¥]

اس y کے بعد سودی نظام کے ہ وکار اس پر عمل درآمد روکنے کے لیے فوراً حرکت میں آ گئے۔ فیصلہ صادر کرنے والے اصل بینچ کے جسٹس صا ن میں سے ایک کچھ عرصے بعد ہی ریٹائر ہو گئے، ایک نے پرویز مشرف کے این آر او کی میں استعفیٰ دے دیا اور ایک صاحب کو نیشنل سکیورٹی کونسل کا رکن بنا کر جسٹس کے عہدے سے تبدیل کر دیا گیا۔ با؟ خر ایک شاطرانہ سازش کے تحت یونائیٹڈ بینک کی طرف سے y کے خلاف اپیل کی بجائے نظرِ ثانی کی درخواست دی گئی، اور = ; ہونے والے بینچ نے ۲۰۰۲ء میں پہلا فیصلہ مکمل طور پر تبدیل کر کے سودی نظام کو ایک h زندگی ا دی[12Þ]۔

بعد ازاں کیس کی دوبارہ منظم انداز سے ہ وی نہ کی گئی۔ جناب اسرار احمد صاحب کی تنظیمِ اسلامی سے رکھنے والے کیس کے ایک رکن نے مصنف کو نجی ø میں بتایا کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس پورے عرصے میں اس کیس کے حامی بذاتِ خود رائج اسلامی بینکاری سے بددل ہو چکے تھے۔ انہیں اب اس بات میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی تھی کہ اتنی محنت کر کے سود کو حرام قرار دلوایا جائے، اور متبادل میں اسی سود کو ایک دوسرے رنگ یعنی اسلامی بینکاری کے طور پر قبول کر لیا جائے۔ یہ سب لوگ متبادل کے متلاشی تو تھے، مگر اس سے بے تھے کہ وہ کیا اور ہونا چاہیے اور یہی وہ خلا ہے جسے دینار و درہم پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حال ہی میں محترمہ حمیرا او اور جناب عمر ابرا a وڈلو نے پاکستان آ کر اس کیس کی دوبارہ ہ وی شروع کی ہے

براسٹیکس

پاکستان میں اسلامی دینار کا تعارف سب سے پہلے معروف ¢ یہ { ر جناب زید زمان حامد نے کروایا۔ ۲۰۰۸ء میں براسٹیکس (BrassTacks) نامی ان کا ایک پروگرام ٹی وی ون چینل پر نشر ہوا جس میں مختلف سیاسی، سماجی اور دفاعی موضوعات پر بات ہوتی، مگر اس کا سب سے زیادہ سراہا جانے والا حصہ اکنامک ٹیررزم (Economic Terrorism) کے نام سے ۷ اپروگراموں پر ایک 2 تھا۔ ادبی اور تحقیقی ß ں میں شاید اس سے پہلے بھی دینار و درہم کی بات کہیں آئی ہو، مگر میڈیا کے اندر قدرے وسیع پہنچ کے ساتھ اس پروگرام نے سب سے پہلے سونے اور

---

production and bring prosperity. But the illusion underlying this concept, is "…seldom unveiled by the champions of modern banking

It was a form of forgery and usurpation of the power of the …" 119 sovereign authority to issue money. But overtime, this fraudulent practice turned into the fashionable standard practice of the modern banks under the "fractional "…reserve" system

http://www.supremecourt.gov.pk/web/page.asp?id=254120

چاندی پر کرنسی اور ملائیشیا میں دینار ودرہم تحریک کو پاکستانی عوام سے رو س کروایا۔

زید حامد کے اس پروگرام کا مصنف کے ساتھ ایک انفرادی رشتہ اور بھی ہے کہ اسی پروگرام کو دیکھ کر ہم نے دینار ودرہم کو Pل کرنے کے معاملے میں عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

پروگرام کی نشریات کے بعد بہت سے لوگوں نے براسٹیکس کے ای میل پر رابطے کیے اور دینار ودرہم کے لیے کام کرنے کی پیشکش کی۔ زید صاحب سے پرانی رفاقت کی بنا پر میں بھی ان کے لیے رضاکارانہ طور پر کام کرتا تھا اور اس معاملے سے دلچسپی اور اقتصادیات سے واقفیت کی بنا پر ایسی ای میلز (Emails) کا جواب میرے ہی ہاتھوں % جاتا۔ رابطہ کرنے والوں میں کالج کے کوں اور بینکوں کے ملازمین سے لے کر کراچی کے میمن طبقے سے رکھنے والے منجھے ہوئے تاجران اور خلیج میں مقیم صاحبِ ثروت پاکستانی حضرات، سب شامل تھے۔ مگر محدود ذرائع اور ملکی دفاعی حکمت عملی پر توجہ مرکوز رکھنے کی اہمیت کے باعث براسٹیکس نے یہ فیصلہ کیا کہ فی الوقت معاملے کی آگاہی پھیلائی جائے تاکہ اسلامی نظام کی Pلی کے بعد ملک گیر سطح پر اسے نافذ کیا جا سکے۔

البتہ مصنف نے آزادانہ طور پر دینار ودرہم کے 5ذ کے لیے عملی کام کا آغاز 'دینار وکالہ' کی صورت میں کر دیا۔ پاکستان میں دینار ودرہم کو متعارف کروانے کے لیے میں نے ذاتی طور پر ان کو ملائیشیا سے درآمد کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم خیال لوگوں کا ایک تھنک Ú [121] بھی بنایا جہاں ہم بہت عرصے سے دینار ودرہم کے فروغ کے لیے منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے بین الاقوامی اسلامی یوEرسٹی سے پاکستان میں دینار پر ایک سیمینار کرنے کے لیے رجوع بھی کیا۔ البتہ محدود وسائل کی وجہ سے یہ خدمت ہمارے حصے میں آنے کی بجائے دینار ودرہم کے چند اور اہم کارکنان[122] اور جماعت التبلیغ کے چند سا « ں کے حصے میں آئی۔ ان کے اہتمام پر حال ہی میں جناب عمرابرا a وڈلو لاہور بھیÆ d لائے اور پاکستان میں دینار ودرہم کے فروغ کو ایک h توانائی Ò ۔

دینار اور پاکستان تحریک انصاف

دینار ودرہم کو عوامی سطح پر رو س کروانے سے اس کا / رتو بیدار ہو جائے گا اور 'دینار وکالہ' کی مدد سے اس کے فعال ہونے کا عملی nت بھی قائم ہو جائے گا مگر بحیثیت قوم ہمیں با؟ خراس کو حکو 0 سطح پر رائج کرنا ہو گا۔ اس مقصد کے لیے ہم نے قومی سیاسی جماعتوں کو بھی اس کی دعوت دی، جن میں تحریک انصاف اور جماعت اسلامی شامل تھیں۔

I am grateful to members of this think tank especially Dr Akbar Khan, 121 .Zohair Ahmed, Haris Mumtaz, Haris Bin Tariq and Muhammad Farooq

Journalist Orya Maqbool Jan and Member Provincial Assembly Ms. 122 Humera Awais

تحریک انصاف سے ہمیں اس لیے امید تھی کیونکہ عمران خان خود ایک صاحبِ نظر راہنما ہیں جو وکی لیکس(wikileaks)کے مطابق پاکستان کے ‡ دکے معاملے میں کسی Fونی طاقت کے دباؤ میں نہیں آتے[123]۔ مزید یہ کہ تحریکِ انصاف نے قابلیتی بنیادوں پر ملک کے ہنر ' افراد کو اکھٹا کر کے انصاف ریسرچ ونگ [12] کے نام سے ایک ایسا پلیٹ فارم بھی تخلیق کیا ہے، جہاں اہلِ علم ودانش مل کر ملکی مسائل کا حل تلاش کر رہے ہیں۔

دینار ودرہم کو سیاسی سطح پر رو س کروانے کے لیے مصنف نے ۲۰۱۰ء میں تحریکِ انصاف کی رکنیت اختیار کرلی اور اسی سال جماعت کی دت کے لیے دینار ودرہم پر ایک تجویزی مضمون بھی%۔ ہمارے علاوہ بھی جماعت میں دیگر افراد[12R] اس مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں۔

تحریکِ انصاف ایک جمہوری سوچ رکھتی ہے اور اب یہ عوام اور پارٹی کارکنان پر ' ہے کہ وہ اس معاملے کی اہمیت کو سمجھ کر اول تو اپنی دت سے اس پر عمل درآمد کا مطالبہ کریں اور دوم اس راہ میں مشکلات کی صورت میں اپنی دت کے ساتھ $ ے ہوں۔ کیونکہ ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ مستقبل میں دینار ودرہم کے فروغ کے خلاف ہماری اپنی ہی صفوں میں سے ایسے بہت سے لا / ری طور پر مغرب کے غلام اور شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار افراد اٹھیں گے جو مغربی سودی نظام کی شدید Qیت کریں گے۔ اس کی ایک مثال حال ہی میں ہمیں اس وقت ملی جب روزنامہ ایکسپر ٹریبیون [12] میں ایک لکھنے والے نے ہمارے تحریکِ انصاف کو دیے گئے مضمون [12] کی انتہائی غیر ذمہ دارانہ Æ تح کرتے ہوئے یہ کہا کہ تحریک انصاف کاغذی کرنسی کو Ûدیوں کی سازش(Conspiracy) کہہ کر رد کر دینا چاہتی ہے، حتٰی کہ جناب اسد عمر کو ہمارا مضمون تحریک انصاف کی ویب سائٹ سے ہٹانا پڑا۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ مضمون میں کاغذی کرنسی کے خلاف ٹھوس جواز پیش کیے گئے ہیں اور صیہونی سازش کے تصور پر مضمون کی بنیاد نہیں رکھی گئی، سوائے اس کے کہ تاریخی پس منظر کے تحت دو نامور Ûدی سرمایہ داروں کا اس مضمون میں ذکر آ گیا ہے۔ شاید ٹریبیون کو یہ سرسری ذکر بھی اس لیے ناگوار گزرا ہو کہ اس کا الحاق ا ٍ نیشنل اXٹریبیون کے ساتھ ہے جس کی ۹۰) غالب ملکیت Ûدی خاندانوں کے ہاتھ میں ہے۔ مگر قوی Gن یہی

---

123 "Wikileaks also reveals him as the only political leader able and willing to stand up to the Americans and tell them about their flawed policies in a manner that is far beyond the ability and guts of our supposedly successful politicians." Ashraf Jahangir Qazi in The News International. http://www.thenews.com.pk/TodaysPrintDetail.aspx?ID=18870&Cat=9

124 Insaf Research Wing. http://insaf.pk/Wings/InsafResearchWing/tabid/225/Default.aspx

125 Most notably Meinhaj Hussain and Dr. Akbar Khan etc.

126 http://tribune.com.pk

127 http://www.dinarwakala.com/Downloads/PTI_Gold_Dinar_Proposal.pdf

ہے کہ مضمون پر یہ اعتراضات، لکھنے والے کی دین سے لاعلمی، مغرب کی اندھی تقلید اورYellow Journalism کے تحت سستی , ت حاصل کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ بہر طور، یہ واقعہ [ن کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دینار تحریک کے کارکنان مستقبل میں بھی بہت سے بے بنیاد اعتراضات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیں اور ان کی وجہ سے اپنا یقین اور اJ دنہ کھو بیٹھیں۔

اسی لیے کتاب کے آئندہ ت میں ہم ایسے بہت سے اعتراضات کا جائزہ لیں گے اور ان کی جا تردید پیش کریں گے۔

حمیرااو شاہد

پاکستان میں ربا کے خلاف آواز بلند کرنے والی ایک اور بہادر [12] کارکن محترمہ حمیرااو شاہد ہیں۔ ۲۰۰۳ ءمیں انہوں نے غریب لوگوں کو بے شا شرحِ سود کے قرضوں میں جکڑ کرا ل کرنے والے نجی سود خوروں کے خلاف پنجاب اسمبلی میں ایک بل پیش کیا۔ یہ ایک ایسا بل تھا جسے فوراً قانون بن جانا چاہیے تھا، مگر اس کے باوجود اس کی منظوری کے لیے بھی چار سال لگ گئے۔ البتہ اسمبلی میں اپنی دوسری میعاد میں انہوں نے اس پر از خود عمل درآمد کروایا اور اب اس کی بدولت بہت سے لوگ سکھ کا سانس لے رہے ہیں۔

پنجاب میں "ِ , کے ذریعے کسانوں کو سود سے چھٹکارا دلانے پر بھی انہوں نے بہت کام کیا ہے، اور اب وہ ملک میں دینار ودرہم کو رو س کروانے کے لیے کمربستہ ہو گئی ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے دینار ودرہم کے ایک اور فعال کارکن معروف صحافی جناب اوریاO ل جان کے العلم ٹرسٹ کے ساتھ مل کر عمرابرا a وڈلو کو پاکستان مدعو کیا، جو اب 5 طور پر لاہور میں رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ اس سیمینار میں سٹیٹ بینک کے سابق ایڈوائزر جناب اشتیاق فاروق صاحب نے بھی شرکت کی۔ مس حمیرا پاکستان میں h نسل کی ترجمانی کرنے والی ایک روشن خیال سیاسی رہنما ہیں جو مستقبل میں دینار ودرہم کی راہ f ار کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

---

[128] http://www.nawaiwaqt.com.pk/columns/08-Nov-2012/142552

باب نہم

عمومی سوالات وشبہات

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

گوئٹے (Johann Wolfgang von Goethe) کی مشہور کہاوت ہے کہ سب سے مایوس کن اور لا علاج غلامی وہ ہے جس میں غلام کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ وہ غلام ہے، اور وہ اپنے آپ کو آزاد تصور کرتا ہے۔ مغرب نے جمہوریت اور آزادیِ نسواں کی آڑ میں لوگوں میں یہ احساس بٹھا دیا ہے کہ وہ پہلی قوموں کے مقابلے میں زیادہ آزاد اور خود / رہیں۔ مگر اس کے ساتھ ایک بہت اہم شعبے یعنی تجارت اور مال کی نسبت ان کی آزادی پہلی قوموں سے بھی زیادہ حد تک سلب کر لی گئی ہے اور سب کو روبوٹ کی طرح ایک عالمی سیاسی و اقتصادی نظام میں جکڑ دیا گیا ہے۔ امریکہ کے , لاس ویگاس (Las Vegas) میں I یہ آزادی تو ہے کہ میں ایک عورت سے fl ں کے بدلے محظوظ ہو سکوں، مگر یہ آزادی نہیں ہے کہ اس عورت کو ڈالر کی بجائے کسی اور چیز میں ادائیگی کروں۔ مغرب کی آزادی، انفرادی آزادی ہے جو صرف اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک حکمراں طبقے کا مالی ‡ د نیچ میں نہ آ جائے۔ اس کے برعکس اسلام نے انفرادی آزادی میں ی بند ۂ تو لگائیں تاکہ ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنے " پر ظلم نہ کریں مگر اس کے ساتھ اس سے بڑی بند ۂ معاشرتی اور اقتصادی سطح پر لگائیں تاکہ انسان بھی دوسرے انسانوں پر ظلم نہ کر سکیں۔ اسی اجتماعی آزادی کی ایک سب سے بڑی نشانی سود کے بغیر تجارت کی آزادی ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ تمام قسموں کے سرکاری ٹیکسوں سے آزادی ہے، سوائے اس کے جو عوام Œ جمہوری عمل کے تحت اپنی O سے اپنے اجتماعی فائدے کے لیے دینا چاہیں۔

مگر ہمیں بہت سے ایسے لوگ ملے جو اس Œ آزادی کے تصور اور í ِح عامہ میں اس کے کردار کو Ø بغیر، مغربی نظام کی چمک دمک سے اتنے متاثر ہیں کہ ہم انہیں لا / ری غلام کہتے ہیں۔ ایسے لوگ رائج معاشیاتی نظام کی مدد سے دینار و درہم پر بے p ر اعتراضات کرتے ہیں اور دشمن سے زیادہ یہ نادان دوست اس کے فروغ میں رکاوٹ ہیں۔ سو اب ہم ان عام اعتراضات کا باری باری جائزہ لیں گے اور ان کی تردید پیش کریں گے۔

۱۔ دینار کا استعمال فرض تو نہیں ہے۔

۲۔ کرنسی بنانے کے لیے دنیا میں سونا بہت کم ہے۔

۳۔ سونے کی قیمت اکانومی کی علمبرداری نہیں کر سکتی۔

۴۔ دینار کو اپنانے کے لیے سونے کی قدر بڑھانا پڑے گی۔

۵۔ سونے کی قیمت بڑ œ سے ڈیفلیشن (Deflation) ہو جائے گی جو معیشت کے لیے مضر ہے۔

۶۔ اسلامی دینار کرنسی میں اضافے کی اجازت نہیں دیتا۔

۷۔ اسلامی دینار کو روزمرہ استعمال کرنا } نہیں۔

۸۔ اسلامی دینار à می حالات میں حکومت کے ہاتھ باندھ دے گا۔

۹۔ اسلامی دینار سے بین الاقوامی تجارت کیسے ہو گی۔

۱۰۔ کمیونٹی کرنسی دینار و درہم سے بہتر متبادل ہے۔

۱۱۔ دینار و درہم میں ملاوٹ کے بہت امکانات ہیں۔

۱۲۔ کاغذی کرنسی کا استعمال حرام تو نہیں ہے۔

ا۔ دینار کا استعمال فرض تو نہیں ہے

اسلام نے عوام کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ کسی بھی چیز کو کرنسی کے طور پر اختیار کر لیں۔اسی وجہ سے علمائے کرام نے ثمنِ عرفی کے نام پر کاغذی کرنسی کو بھی جائز قرار دے دیا۔ ہم نے پہلے کاغذی اور حکیکرنسی میں فرق کیا، اور پھر دکھایا کہ ہم کاغذی کرنسی کو حرام اس لیے قرار دے رہے ہیں کیونکہ وہ , عمل سے نافذ ہوتی ہے اور اس کی تخلیق میں سود شامل ہے۔ لہٰذا کاغذی کرنسی کی تبدیلی اصل مقصد ہے اور دینار کو رائج کرنا اس مقصد کے حصول کا طریقہ۔

کیونکہ سونے اور چاندی کو زمین سے نکالنے میں محنت اور سرمایہ لگتا ہے سوایک نقطہِ نظر یہ بھی ہے کہ کسی زیادہ } طریقے سے حاصل ہونے والی چیز مثلاً کاغذ کو کرنسی بنا لیا جائے، اور صرف اس میں سے , اور سودی پہلو ختم کر دیا جائے۔ یعنی کوئی جماعت کسی H کے سودی قرض اور " الدین کے بغیر کاغذی کرنسی جاری کرے اور 6 کے بغیر باہمی رضا ' ی سے اس کو معاشرے میں رائج کر دے، جہاں ہر شخص کو اجازت ہو کہ اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔ تو کیا اس صورت میں دینار کی جگہ اس کاغذی کرنسی کا استعمال جائز ہو جائے گا؟

Ó f جائز ہوگا کیونکہ اسلام 6 نہیں کرتا۔ یہ نہ دینار کے استعمال پر مجبور کرتا ہے اور نہ ہی کاغذ کے ٹکڑوں کو کرنسی بننے سے روکتا ہے۔ جو بھی شے عوام میں معاملات طے کرنے کے لیے رائج ہو جائے وہ ثمنِ عرفی کے طور پر حلال ہے۔ o p کہ اس میں کوئی اور قابلِ اعتراض پہلو نہ ہو، مثلاً اس کا سود، 6 یا قرض پر ہونا۔ اس مناسبت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ پھر دینار ہی کیوں؟ ہم ایک غیر سودی جائز کاغذی کرنسی کیوں نہیں بنا لیتے؟

اول تو عملی طور پر ایسا ہونا ممکن ہی نہیں، اور اگر آپ اس باب تک پہنچ کر بھی اس کے ناممکن ہونے کو نہیں Ø تو پھر بھلے ایسی کرنسی بنانے کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ قانونی 6 کے بغیر کاغذ کے ٹکڑوں کو کوئی ردی کاغذ سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔

دوسری طرف دینار کو اپنانے کی وجہ محض یہ نہیں ہے کہ یہ سنت ہے یا اس کا ذکر قرآن میں آیا ہے بلکہ اس لیے بھی کیونکہ ہزاروں سال کی تاریخ نے سونے اور چاندی کو اس مقصد کے لیے موزوں ترین شے ثابت کیا ہے۔ اگر کسی کو I کو دینار پر اعتراض ہے تو وہ دینار و درہم کے علاوہ دیگر اشیا کی کرنسی بنا کر دیکھ لے۔ اگر وہ فعال طور پر رائج ہو گئی تو ہم بھی ثمنِ عرفی کی حیثیت سے اسے تسلیم کر لیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ بٹ کوائن (Bitcoin) کی طرح یہ مخصوص سطح پر کامیاب بھی ہو جائے۔ مگر کیونکہ ہماری سمجھ کے مطابق بین الاقوامی سطح پر دینار و درہم ہی سب سے

زیادہ موزوں کرنسی ہیں، اس لیے ہم اپنی کاوش کو ان ہی تک محدود رN گے اور قوم کو بھی یہی رہ دیں گے۔

دینار و درہم کے علاوہ جو دوسری چیز عملی طور پر سب سے زیادہ فعال ثابت ہو سکتی ہے، وہ شاید مخصوص تجارتی معاملات میں ٹھوس اثاثوں کے سکوک کا استعمال ہے۔ سو دینار و درہم کو اس سے ç یت پہنچانے کے لیے ہم اگلے ایک سوال میں اس کا ذکر کریں گے۔

۲۔ کرنسی بنانے کے لیے دنیا میں سونا بہت کم ہے

سودی نظام کے حامیوں کا O ل ترین اعتراض یہ ہے کہ دنیا میں سونا اتنا کم ہے کہ اسے کرنسی کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جواب تین مختلف سطحوں پر دیا جا سکتا ہے۔

اول یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سونا ہے کتنا۔ ورX گو X کونسل کے مطابق دنیا میں ہر سال تقریباً ۸۰ کروڑ ٹرائے اونس نیا سونا کانوں سے نکالا جاتا ہے[12¥]۔ سونے کی کان کنی ہزاروں سال سے جاری ہے، خصوصاً قدیم ایزٹیک (Aztec) اور مصری تہذæں میں۔ البتہ اس زمانے کے غیر سا دور میں کان کنی کی رفتار آج ¾ سے بہت کم تھی۔ اس عمل کے صدیوں سے جاری رہنے کی وجہ سے انسان نے زمین میں موجود ¾ سونے کا بہت سا حصہ نکال لیا ہے۔ اب جبکہ سونے کی مانگ بھی بڑھ گئی ہے اور کان کنی کے جدید سا آلات بھی میسر آ گئے ہیں تو سونا نکالنے کا عمل بہت تیز ہو گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا کی تاریخ میں ۱۹۵۰ء تک ¾ جتنا سونا نکالا جا چکا تھا، اتنی ہی مقدار کا سونا ۱۹۵۰ء سے لے کر آج تک بھی نکال لیا گیا ہے۔ یعنی زمانۂ قدیم سے ۱۹۵۰ء تک جتنا سونا موجود تھا، آج اس کا دوÈ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے وقت دنیا میں موجود ، سونے کی مقدار تقریباً ۱۷۰ ہزار ٹن pر کی جاتی ہے[13Þ]۔

دینار و درہم کے لفین اس مقدار کو بہت کم باور کروانے کے لیے ایسی مثالیں دیتے ہیں جس سے یہ واقعی بہت کم لگتی ہے۔ مثلاً اگر اس سارے سونے کو اکھٹا کیا جائے تو یہ امریکہ کی تاریخی یادگار واشنگٹن مانو þ (Washington Monument) سے بھی کم ہو گا۔ مگر ہم آپ کو اسی مقدار کو ایک دوسرے انداز سے دکھاتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم اسلامی دینار الذھبی کو کرنسی بنانے کا مقدمہ قائم کر رہے ہیں، اور کرنسی کا بنیادی کام تجارتی لین دین کو نا ہوتا ہے۔ پس ہمیں صرف اتنا سونا درکار ہے جتنا کہ تجارتی معاملات کو سلجھانے کے لیے اور ان میں روانی یا لکیوڈٹی (Liquidity) برقرار رکھنے کے لیے چاہیے ہو۔

.http://www.goldfacts.org/en/media/faqs as retrieved on Aug 2012129

Figure obtained by extrapolating World Gold Council's 2010 estimate130

ورXبینک اور سی جی اے پی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق کچھ سال قبل تک دنیا بھر میں تقریباً ۶۲۰ کروڑ بینک اکاؤنٹ تھے[131]۔ ترقی یا ممالک میں بہت سے لوگ متعدد اکاؤنٹ کھولے رکھتے ہیں اور ان میں کچھ زیر استعمال نہیں بھی ہوتے اور بہت سے اکاؤنٹ ایسے ہوتے ہیں جو روزانہ استعمال میں نہیں آتے مگر پھر بھی ہم مثال کو شک و f سے پاک کرنے کے لیے ان تمام کو فعال اکاؤنٹ تصور کر لیتے ہیں۔

اب فرض کریں کہ یہ سب اکاؤنٹ امریکی , یوں کے ہیں۔ یہاں بھی ہم اپنی مثال کو ضرورت سے زیادہ وسعت دے رہے ہیں کیونکہ دنیا میں ممالک کی فی کس آمدنی امریکہ سے کم ہے۔ مگر ہم بالائی حد کے طور پر امریکہ کو لے لیتے ہیں۔ ایک امریکی , ی کی فی کس آمدنی اوسطاً ۴۸۰۰۰ ڈالر سالانہ ہوتی ہے[132]۔ اگر یہ شخص اس تمام رقم کو ایک سال میں خرچ کر لے، تو اسے روزانہ تقریباً ۱۳۱ ڈالر خرچ کرنے ہوں گے۔

ہر شخص کے اس ۱۳۱ ڈالر کے روزانہ خرچ کو دنیا بھر میں موجود ۶۲۰ کروڑ بینک اکاؤنٹوں سے ملایا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ بینکاری نظام میں ہر روز ۱۳۱ ضرب ۶۲۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کا تبادلہ ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ کتنی اس مقدار میں موجود ہو کہ یہ تمام تبادلے ممکن ہو سکیں۔

اب دوبارہ دنیا میں سونے کی مقدار کو دیکھتے ہیں۔ دنیا بھر کا ۱۷۰ ہزار ٹن کا سونا گرام کی مقدار میں تقریباً ۱۷ کروڑ ارب گرام بنتا ہے۔ اس کے دینار بنائے جائیں تو ۴۰ ارب دینار تیار ہو f ہیں۔ اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ آج ۲۰۱۲ء میں دینار کی مالیت ۱۳۱ ڈالر سے بھی کہیں زیادہ ہے، اور ۴۰ ارب کی مقدار ۶۲۰ کروڑ سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ پس دنیا بھر میں ہر وہ شخص جو بینک اکاؤنٹ رکھتا ہے، اگر ایک درمیانے امریکی , ی جتنا امیر ہو جائے، اور ہر روز اپنی سالانہ آمدن کے مطابق خرچ کرے، تو دنیا میں اتنے دینار بن f ہیں کہ وہ اس پوری تجارت کو با آسانی ممکن بنا f ہیں۔

انہی اعداد و pر میں ایک اور د پہلو بھی ہے۔ چونکہ ہم نے دینار کے ذریعے سودی بینکاری نظام کو تبدیل کرنا ہے، اس لیے ہم نے دنیا بھر میں موجود بینک اکاؤنٹس سے موازنہ کیا۔ مگر اتفاق سے بینک اکاؤنٹس کی یہ مقدار دنیا بھر میں موجود افراد کی آبادی سے بھی بہت قریب ہے، جس کو ۶۸۰ کروڑ تصور کیا جاتا ہے[133] اور ان میں سے ۸۰ فی صد لوگوں کی آمدن ۱۰ ڈالر روزانہ سے کم ہے [13]۔ ظاہر ہے کہ جس کی آمدن ہی دس ڈالر ہو، وہ خرچ بھی اتنا ہی کر سکتا ہے، یعنی کہ ہر روز تقریباً دو چاندی کے درہم۔ مگر درہم کو تو آپ چھوڑیں، دنیا میں دینار بھی اتنے ہیں کہ زمین پر موجود ہر شخص کو پانچ پانچ دینار بانٹے جا f ہیں۔ یہ اتنی رقم ہے کہ دنیا کا ہر شخص دیناروں میں روزانہ ایک لاکھ

---

131 http://www.cgap.org/gm/document-1.9.43130/Measuring_Financial_Access_Around_World.pdf

132 http://www.imf.org/external/pubs/ft/weo/2012/01/weodata/index.aspx

133 www.google.com/publicdata

134 http://www.globalissues.org/article/26/poverty-facts-and-stats

پاکستانی روپے خرچ کر سکتا ہے۔

البتہ جو دنیا کا پانچ فی صد امیر ترین طبقہ ہے، جن کے معاملات پیسے کی بڑی بڑی رقوم پر مشتمل ہوتے ہیں، اس کو شاید یہ سونا براہِ راست پورا نہ کر سکے۔ مگر یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آج ¾ fl ں کے جو بڑے بڑے معاملات ہوتے ہیں، ان کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں خود ڈالر اور کاغذی نوٹ بھی موجود نہیں۔ ہم نے ایم زیرو، ایم ون اور ایم ٹو وغیرہ سرمائے کی مختلف قسمیں ابواب میں ائی تھیں۔ یہ کسی نہ کسی شکل کا متبادل سرمایہ (Money Substitutes & Derivatives) ہوتے ہیں۔ اس میں ایک جعلی اور غیر شرعی کھیل کے ذریعے پیسے کو کاغذوں اور کمپیوٹروں میں جتنا چاہے بڑھا لیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے تحت دنیا میں ڈیجیٹل اور ڈیریوٹو کرنسی اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان سب کے کرنسی نوٹ چھاپے جائیں اور ایک دوسرے کے اوپر رکھے جائیں تو یہ چاند تک پہنچ جائیں۔ اس فرضی اور تصوراتی مال کی علمبرداری کے لیے خود کرنسی نوٹ موجود نہیں، تو پھر کوئی کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ سونا اتنا ہونا چاہیے۔ اول تو اسلامی نظام میں یہ سب فرضی مال معرضِ وجود میں ہی نہیں آئے گا۔ اور جس حد تک جائز ہوا اس حد تک مال میں اضافہ سونا کم ہونے کے باوجود بھی کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک سونے کی قیمت میں تبدیلی کر کے، اور دوسرا سونے کے علاوہ دیگر اشیا کی معاونت حاصل کر کے، مثلاً چاندی۔ اس کی وضاحت اگلے حصوں میں کی گئی ہے۔

۳۔ سونے کی قیمت اکانومی کی علمبرداری نہیں کر سکتی

سونے کے کم ہونے کی دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر اتنے دینار موجود بھی ہوں کہ ہر آدمی کو دیے جا سکیں، تب بھی ڈیریویٹو اور ڈیجیٹل کرنسی کے علاوہ دنیا کی اکانومی ٹھوس حیثیت میں بھی اتنی بڑی ہے کہ سونا اس کی علمبرداری نہیں کر سکتا۔ یہاں اعتراض سونے کی جسمانی مقدار پر نہیں بلکہ قوتِ خرید پر ہے۔

فرض کریں کہ ایک معیشت میں دس افراد ہیں جو ہر روز ایک روپے کی ایک روٹی خریدتے ہیں۔ تو انہیں ہر روز ایک روپے کے دس نوٹ درکار ہوں گے تاکہ یہ تجارت جاری و ساری رہ سکے۔ اگر معیشت میں کرنسی کی مقدار دس روپے ہی رہے، اور ایک ایک روٹی خریدنے والے افراد کی ? اد بڑھ کر ایک ہزار ہو جائے، تو اب یہ دس روپے اس تجارت کو نہیں چلا سکیں گے۔ یوں کرنسی کی قلت معیشت میں انتشار کا باعث Ú گی اور روزمرہ کی زندگی مفلوج ہو جائے گی۔ کیونکہ معاشیات کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کرنسی کی فراہمی معاشرے میں تجارتی سرگرمی کے حساب سے ہونی چاہیے۔ اس کا اندازہ لگانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی معیشت کا جتنا ڈالروں میں جی ڈی پی ہے، اس حساب سے سونے کی مقدار کا تخمینہ لگایا جائے کہ آیا وہ اس معیشت کو " رسکے گا یا نہیں۔

اس کا ¢ یہ ہم امتِ مسلمہ کے حوالے سے کرتے ہیں کیونکہ دینار ودرہم کو کرنسی کے طور اپنانے کی تحریک × ن مماMہی میں چلائی جارہی ہے۔ورXبینک کے ۲۰۱۱ کے اعداد وpر کے مطابق او آئی سی (OIC) کے ممبران مماMکا , ِجی ڈی پی تقریباً ۵۷ کھرب ڈالر تھا۔

ورXبینک کے مطابق او-آئی-سی کے ممبران اسلامی مماMکا جی-ڈی-پی کروڑ امریکی ڈالر			
ترکی	۷۷۳۰۹	موزمبیق	۱۲۸۰
انڈونیشیا	۸۴۶۸۳	لبنان	۴۲۱۹
ایران	۳۳۱۰۱	افغانستان	۲۰۳۴
سعودی عرب	۵۷۶۸۲	Vینیگال	۱۴۲۹
مصر	۲۲۹۵۲	یمن	۳۳۷۶
پاکستان	۲۱۱۰۹	البانیہ	۱۲۹۶
بنگلہ دیش	۱۱۹۶۱	i	۵۱۲
ملائیشیا	۲۷۸۶۷	برکینافاسو	۱۰۱۹
الجیریا	۱۸۸۶۸	Uین	۲۲۹۵
نائیجیریا	۲۳۵۹۲	چاڈ	۹۵۰
ˆ ہ عرب امارات	۳۶۰۲۵	مالی	۱۰۶۰
مراکش	۱۰۰۲۲	نائیجر	۶۰۰
قازقستان	۱۸۶۲۰	کرغیز / ن	۵۹۲
کویت	۱۷۶۵۹	گیبون	۱۷۰۰
سوڈان	۵۵۱۰	ٹوگو	۳۵۹
تیونس	۴۵۸۰	تاجکستان	۶۵۲
قطر	۱۷۲۹۸	بینن	۷۲۹
لیبیا	۶۲۳۶	موریطانیہ	۴۰۰
عراق	۱۱۵۳۶	برونائی	۱۲۳۷
شام	۵۹۱۵	ł الیون	۲۲۴
ازبکستان	۴۵۳۶	صومالیہ	۹۱
آزربائیجان	۶۳۴۰	Ùنا	۲۲۶

یوگینڈا	۱۶۸۱		گیمبیا	۱۱۰
اومان	۷۱۷۸		سرینام	۴۲۰
کیمرون	۲۵۴۶		مالدیپ	۲۰۵
ترکمانستان	۲۴۱۱		i بساؤ	۹۷
آئیوری کوسٹ	۲۴۰۰		جبوتی	۱۰۰
اردن	۲۸۸۴		کوموروس	۶۱
تمام اسلامی مماMکا , جی ڈی پی تقریباً ۵۷ کھرب ڈالر[13R]				

یہ سطور لکھتے وقت ایک اونس سونے کی قیمت تقریباً ۱۶۴۰ ڈالر ہے [13]۔اگر دنیا کے دوسرے مماMاپنی کاغذی کرنسی پر ہی رہیں توآWدیکھیں کہ ð طلائی دینار اسلامی معیشت کو چلانے کے لیے کافی ہوں گے۔

پچھلی سطور میں ہم نے سونے کی مقدار کاXطاندازہ بھی ۱۷۰ ہزار ٹن لگایا تھا۔اس سونے کی قیمت ۱۶۴۰ ڈالر فی ٹرائے اونس کے حساب سے نکالی جائے تو یہ ۸۹ کھرب بنتی ہے، یعنی دنیا بھر کے × ن مماMکے جی ڈی پی سے زیادہ۔

یہاں ایک اعتراض یہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ یہ سب سونا × نوں کے قبضے میں تو نہیں ہے۔ مگر یہ ¢ یہ ہم اصولی نقطہ نظر سے کر رہے ہیں کیونکہ یہ سوال خود ایک خیالی سوال ہے جو محض تنقید برائے تنقید کیا جاتا ہے۔دنیا میں کبھی بھی سونا قلت کی وجہ سے منڈی سے ختم نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔پس، جب تک دینار و درہم منڈی میں فروخت ہو رہے ہیں، یہ سوال محض ایک فرضی سوال رہ جاتا ہے، جس کی تردید × ن مماMکے لیے اوپر دیے گئے حساب سے ہو جاتی ہے۔

اب ذرا × ن مماMسے ہٹ کر دنیا بھر کے جی ڈی پی کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں کہ با ï ض وہ سب بھی سونے کو اپنا لیں تو کیا صورت Ú گی۔بظاہر تو ایسا لگے گا کہ دنیا بھر کی معیشت، جس کا جی ڈی پی تقریباً ۷۰ ٹریلیئن ڈالر ہے، وہ سونے کی قیمت سے کئی Ŀ زیادہ ہے۔ مگر اس اعتراض ہی میں اس کی تردید i ہے اور وہ یہ کہ جب سونا کرنسی کے طور پر رائج ہو گا تو پھر اس کی کوئی قیمت نہیں ہو گی جیسے کہ آج¾اشیا صرف کے طور پر دھاتوں کی قیمت ہوتی ہے۔

ہم یہ کہہ f ہیں کہ ایک روٹی کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ مگر ایک روپے کی اپنی کیا قیمت ہے؟ دراصل کرنسی کے پیمانے میں دوسری چیزوں کی قیمت لگائی جاتی ہے اور ان کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوتی کیونکہ وہ خود ہی قیمت کے اندازے کا ایک پیمانہ ہوتے ہیں۔ کرنسی کی اپنی قیمت کی جگہ اس کی قوتِ خرید کا ایک تصور ہوتا ہے، یا پھر دوسری

---

trillion dollars 56.97135

From http://www.lbma.org.uk on 22 Aug 2012136

کرنسیوں کی نسبت اس کی شرحِ دلہ۔اور شرحِ دلہ بھی اسی لیے اہمیت رکھتی ہے کیونکہ وہ یہ بتاتی ہے کہ تبدیل کی جانے والی کرنسی سے آپ اس کرنسی کی معیشت سے کیا کچھ خرید f ہیں، سو بات یہاں بھی قوتِ خرید ہی کی ہو گئی۔

یہ معاشیات کا مسلمہ اصول ہے کہ معاشرہ اپنی اشیا کی قیمت ان کی طلب ورسد یا سپلائی اور ڈیمانڈ کے تحت رکھتا ہے۔ کرنسی کا کام صرف پیمائش کا ہے۔ روٹی بنانے والا اپنی روٹی کی قیمت اس لحاظ سے رکھے گا کہ معاشرے سے وہ ان رو=ں کے بدلے کیا لینا چاہتا ہے۔ اس روٹی کا روپے کے نوٹ سے یا ایک کے a سے سے بذاتِ خود کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ روٹی ہمیشہ ایک روپے ہی کی ہو۔ وہ ایک پیسے کی بھی ہو سکتی ہے، اور ایک ہزار روپے کی بھی، جو صرف اس بات پر ' ہے کہ معاشرے میں اس وقت ایک پیسے یا ایک ہزار روپے کی قوتِ خرید اتنی ہی ہے جتنی کہ روٹی والا معاشرے کو یہ روٹی فراہم کرنے کی اجرت چاہتا ہے۔

اوپر مثال میں ہم نے کہا تھا کہ اگر معاشرے میں دس روپے ہوں اور دس لوگ ہوں تو کام چل سکتا ہے، مگر جب ہزار لوگ آ جائیں گے تو تجارت مشکل ہو جائے گی۔ یہاں اب یہ وضاحت بھی کرتے چلیں کہ مشکل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دس روپے سے ہزار لوگ تجارت نہیں کر f ، کیونکہ اشیا کی قیمت کم کر کے یہ تجارت کی جا سکتی ہے۔ اصل مشکل یہ ہے کہ دس روپے، ایک ایک روپے کی شکل میں ہیں اور اس معاشرے میں ایک روپیہ پھر بہت بڑی قیمت کا نوٹ بن جائے گا جو روزمرہ تجارت کے لیے قابلِ استعمال نہیں رہے گا۔ اگر اسی دس روپے کو ایک پیسے کے چھوٹے چھوٹے نوٹوں میں تبدیل کر لیا جائے تو ایسے ہزار نوٹ بن f ہیں، اور پھر وہی دس روپے ان ہزار لوگوں پر مشتمل معیشت میں بھی فعال کرنسی کا کام دے سکیں گے۔

دنیا میں موجود سونے کی مقدار کا اس بات سے کوئی نہیں کہ دنیا کی اکانومی بڑی ہے۔ سونے کی قیمت کم یا زیادہ کر کے ہر حجم کی معیشت کی علمبرداری کی جا سکتی ہے۔ رہی بات سونے کو اتنے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنے کی کہ روزمرہ زندگی چل سکے، تو اس کے بہت سے طریقے ہیں۔ اول تو ہم نے یہ دکھا دیا کہ خود دینار ہی اتنے بنائے جا f ہیں کہ دنیا کے ہر آدمی کے ہاتھ میں تھما دیے جائیں۔ پھر چھوٹی تجارت کے لیے دینار، چاندی کے درہم، تا b کے فلوس، اور با؟ خر جدید سا ترقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موجود دیناروں کے کسری حصوں کے الیکٹرونک اور کاغذی سکوک بنانے بھی ممکن ہیں۔ یاد رہے کہ امانت کی بنیادوں پر موجود دینار و درہم کی ملکیتی د / ویزات کا اجرا، رائج کاغذی کرنسی نظام سے قطعاً مختلف عمل ہے اور شریعت سے ہم آہنگ ہے۔

سو یہ بات طے ہو گئی کہ موجودہ سونے اور چاندی کے ذخائر سے معیشت کی علمبرداری کی جا سکتی ہے۔ ایک آخری اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ممکن ہونے کے باوجود ایسا کرنے کے لیے سونے کی قیمت کو موجودہ قیمت سے کئی گنا بڑھانا پڑے گا۔ یہ اہم نکتہ ہے جس کو الگ سے دیکھتے ہیں۔

۴۔دینار کو اپنانے کے لیے سونے کی قدر بڑھانی پڑے گی

ہم نے کہا کہ دس روپے، دس رو=ں کی علمبرداری بھی کر f ہیں اور ہزار رو=ں کی بھی۔ مگر دوسری صورت میں ان دس روپوں کی قدر یا قوتِ خرید بہت بڑھ جائے گی۔ اگر دینار ودرہم کو ہم نے امتِ مسلمہ کی کرنسی بنادیا تو پھر ان دھاتوں کی قدر اپنی موجودہ قیمت سے بہت زیادہ بڑھانی پڑے گی۔ پس اگلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنے سے سونے کو حاصل کرنا بھی بہت مشکل ہو جائے گا، اور جن کے پاس یہ اس وقت موجود ہے، ان کو ناجائز فائدہ پہنچے گا۔

اس اعتراض کا آسان جواب یہ ہے کہ ایسا ہو نہیں جائے گا، بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔ یعنی سونے کی اصل قیمت ہمیشہ سے اپنی ظاہری قیمت سے بہت زیادہ ہے۔ کرنسی بنانے کے لیے اس کی قیمت بڑھانی نہیں پڑے گی بلکہ اس کی ظاہری قیمت کو اس کی اصل قیمت سے ہم آہنگ کرنا پڑے گا۔ اب ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

خالق نے انسان کو جس فطرت پر تخلیق کیا ہے اس کی وضاحت قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۴ ا¦ں موجود ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

لوگوں کے لیے مرغوبات " عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ 9 ڑے، مال مو اور زرعی زمینیں بڑی خوش آ: بنادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر نہ ہے، وہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

غور کیجیے کہ اللہ سبحا%ہ وتعالی نے عورتوں اور بچوں یعنی اپنے اہل وعیال کے بعد انسان کی سب سے محبوب چیز سونے اور چاندی کے ڈھیر ائے ہیں۔ یہ آیت پڑھ کر لامحالہ ذہن میں مین ہیٹن (Manhattan Borough, New York) کی گلیاں آجاتی ہیں جس کے نیچے رل ریزروبینک آف E یارک نے سونے کے ڈھیر لگا رکھے ہیں۔ شاید انہی کی نسبت دنیا کے تیسرے امیر ترین شخص وارن بوفے (Warren Buffet) نے کہا تھا کہ اگر مریخ سے کوئی مخلوق دنیا پر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جائے کہ دنیا کی مخلوق پہلے زمین کھود کر سونا نکا + ہے، اور پھر دوبارہ زمین کھود کر اسے دبا دیتی ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان ازل سے سونے اور چاندی کے سحر میں مبتلا ہے اور آج بھی وہ لوگ جو بظاہر سونے کی کرنسی کے لف ہیں، ان ہی کے مغربی آقاؤں کو سونا اتنا عزیز ہے کہ اس کے ڈھیر لگا کر اس کے اوپر بیٹھے ہیں۔ اس ضمنمیں سورۃ آل عمران کی ایک اور آیت ۹۱ ملاحظہ کیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ

بے شک جن لوگوں نے ¢ اختیار کیا اور ¢ ہی کی حالت میں جان دی، ان میں سے کوئی اگر اپنے آپ کو fi اسے بچانے کے لیے روئے زمین بھر کر بھی سونا / یہ میں دے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک fi اتیار ہے اور وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔

مصیبت سے جان چھڑانے کے لیے انسان اپنی قیمتی ترین چیز بھی د B کو تیار ہو جاتا ہے اور قرآن کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر جہنم کے عذاب سے É کے لیے بھی جبلی طور پر اپنا سونا ہی پیش کریں گے۔ کیونکہ یہی ان کی محبوب ترین شے ہے۔ یہ نتیجہ اسی سورۃ کی آیت ۹۲ سے مزید مضبوط ہو جاتا ہے جہاں قرآن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہاں O لیت حاصل کرنے کے لیے اپنی محبوب ترین چیزوں میں سے خرچ کرنے کو کہہ رہا ہے۔

یہ سوال بھی ا1 سکتا ہے کہ شاید قرآن نے اپنے عہدِ نزول میں رائج کرنسی کی وجہ سے سونے کا ذکر کر دیا، ورنہ اس کا مقصود محض پیسے یا مال کی کو اجاگر کرنا ہے، نہ کہ بالخصوص سونے اور چاندی کی۔

اس کی تردید دو سطحوں پر ہو سکتی ہے۔ اول تو قرآن کی اصطلاحات میں ایک اور لفظ مال کو اس — میں استعمال کیا گیا ہے، سو جہاں ذھب آئے گا، وہاں ذھب ہی — ہے، اور جہاں مال آئے گا، وہاں دیگر H کا مال مقصود ہے۔ پھر عملی طور پر بھی اس بات کی تصدیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دنیا بھر میں بظاہر سونے کے ما ی کردار (Monetary Role) کے ختم ہو جانے کے باوجود درحقیقت سونا آج بھی ہر H کی کرنسی کی بنیاد ہے۔ مثلاً ایک ذاتی تجربے میں جب میں نے اپنے ایک امریکی رفیق ٹریوس لیتھم سے پوچھا کہ تمہاری حکومت بے جا اتنے ڈالر کیوں چھاپ رہی ہے، تو اس نے عام امریکی , ی کی سوچ کے مطابق فوراً یہی جواب دیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے جبکہ ہمارے پاس فورٹ ناکس (Fort Knox) میں اتنا سونا موجود ہے۔ جی ڈی پی کے لحاظ سے دنیا کے آ1 امیر ترین مماM میں سے پانچ ایسے ہیں جن کے مرکزی بینکوں کے فارن ایکس ریزروز میں سونے کی شرح ۷۰) سے بھی زیادہ ہے [13]۔ خود امریکہ دنیا کے سب سے بڑے سونے کے ذخیرے کا ماM ہے، اور آئی ایم ا d ، جس کے ممبر بننے کے معاہدے میں سونے کو اپنی کرنسی بنانے کی ممانعت ہے، اسی آئی ایم ا d نے خود دنیا کے چوتھے سب سے بڑے سونے کے ذخیرے اکٹھے کر رکھے ہیں۔ پس، Z رکی طرف سے سونے کو دی جانے والی اہمیت نہ صرف قرآن سے عیاں ہے بلکہ ان کی اپنی ذخیرہ اندوزی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اب اس پس منظر میں دیکھتے ہیں کہ عالمی منڈی میں سونے کی قیمت کس طرح طے ہوتی ہے۔ تاریخی طور پر دنیا میں سب سے بڑی سونے کی منڈی

United States, UK, France, Germany, Italy137

ایل بی ایم اے (LBMA) ہے، یعنی لنڈن بلیئن مارکیٹ ایسوسی ایشن (London Bullion Market Assocation)۔اس کے ممبران میں اول تو وہ تمام فریق شامل ہیں جن کا سونے اور چاندی کی منڈی سے کوئی بنتا ہے مثلاً سونے کے ریفائیز (Refiner)، صراف اور جیولرز کی ایسوسی ا ۔ منڈی میں ان فریقین کی موجودگی اصولی سطح پر درست ہے کیونکہ سونے کی قیمت اس کی کان کنی اور صفائی کرنے والے سپلائرز اور اس کو استعمال کرنے والے جیولرز وغیرہ کے باہمی عمل سے طے ہونی چاہیے۔ البتہ عملی طور پر اس منڈی میں دو اور H کے فریق بھی شامل ہیں، جو قیمتوں کو مصنوعی طور پر تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایک بڑے بڑے بینک اور دوسرے س آرائی سے منافع کمانے والے سرمایہ کار (Speculators)۔ یہ دونوں ایل بی ایم اے اور مختلف کموڈٹی ایکس چینجز (Commodity Exchanges) میں سونے کو خریدتے بیچتے ہیں اور اس میں مصنوعی اتار چڑھاؤ پیدا کرتے ہیں۔ سونے کی قیمت کے منڈی میں قدرتی تعین کی راہ میں پہلی خرابی تو یہیں پیدا ہو جاتی ہے جب بدلے (Margin) کے سودی طریقہِ عمل سے مستقبل کی قیمت کی س آراäں کی جاتی ہیں۔ ان سب کے علاوہ عملی طور پر قیمتوں کے تعین میں ایک اور نازیبا عنصر بھی شامل ہے اور وہ ہے بڑے بینکوں اور حکومتوں کا کردار۔

سب سے پہلے تو یہ حیران کن بات نوٹ کیجیے کہ ایل بی ایم اے کے وہ ممبران جن کا سونے کی منڈی سے براہِ راست ہے ان میں سے کوئی ایک بھی اس کا مارکیٹ میکر ممبر (Market Maker Member) نہیں۔ مارکیٹ میکر وہ ممبر ہوتے ہیں جو قیمت کے تعین میں شامل ہوتے ہیں۔ تمام مارکیٹ میکر بڑے بینکوں اور چند مالیاتی اداروں پر مشتمل ہیں جن میں جے پی مارگن (JP Morgan) ، میرل لنچ (Merrill Lynch) ، ایچ ا بی سی (HSBC) اور گوXمین سیکس (Goldman Sachs) شامل ہیں۔ دنیا کو یہ باور کروایا جاتا ہے کہ سونا اب کرنسی نہیں رہا بلکہ محض ایک عام کماڈٹی بن گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کی قیمتوں کا تعین کلی طور پر مالیاتی ادارے کرتے ہیں، جن کی اس عمل میں دلچسپی آج بھی سونے کی مالیاتی حیثیت کی گواہی دیتی ہے۔ انہی بڑے بڑے بینکوں کے نمائندے مل بیٹھ کر اپنے بینک، اس کے مو3/4 اور اس کے حلیف اداروں کی جانب سے سونے کے خریدنے اور بیچنے کے ا م ناموں کو جمع کر کے اس دن کے لیے اس کی قیمت کا تعین کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل انہیں قیمتوں پر اثر انداز ہونے کے بہت مواقع فراہم کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انہیں قیمتوں پر اثر انداز ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس کا جواب تلاش کرتے ہوئے ہم معاملے میں حکو 0 کردار تک پہنچ جاتے ہیں۔

دراصل سونے کی قیمت کرنسی کی قیمت جانچنے کا بہترین آلہ ہے۔ اگر سونے کی قیمت چڑھتی جائے، اور انفلیشن کی وجہ سے کرنسی کی قوتِ خرید گرتی جائے، تو پھر عوام کرنسی کی بجائے سونے کو اپنانا شروع کر دیں گے [13]۔ اول تو اس ثمنِ خلقی کے تاریخی مالیاتی کردار کو کوئی حکومت پروپیگنڈا مہم اور منفی Æ سے ختم نہیں کر سکتی۔ اور دوم کسی

---

[13] http://www.gata.org/node/10613

کی ذاتی ملکیت نہیں سو عوام جب چاہیں اسے منڈی سے خرید f ہیں۔ یہ دونوں باتیں حکومتوں پر بہت گراں گزرتی ہیں کیونکہ جب بھی عوام کا بھروâ کرنسی اور بانڈ مارکیٹ سے اٹھنے لگے گا تو وہ سونا خریدنے لگیں گے۔ عوام کے اس طرح حکو0 کرنسی کو ترک کرنے سے اس کرنسی میں مزید Kوری واقع ہو سکتی ہے۔ یوں حکومت کے لیے نقصان دہ چکر شروع ہو سکتا ہے جس میں کرنسی پر بھروâ بالکل ناپید ہو سکتا ہے، بانڈ مارکیٹ تباہ ہو سکتی ہے اور پورا کرنسی نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔

اس لیے حکومتوں کی دلچسپی اس بات میں رہتی ہے کہ عوام کو سونا خریدنے سے روکا جائے۔ پرانے زمانے میں جب حکو > زیادہ 6 ی طاقت رکھتی تھیں اور عوام میں آج کی ا5رمیشن ا?(Information Age) ! ا / ر نہیں تھا، تو حکو > یہ کام براہِ راست قانونی طور پر بھی کر لیتی تھیں۔ ! کہ امریکہ کے صدر روزولٹ (Roosevelt) نے ۱۹۳۳ء میں عوام سے سونا زبردستی چھین لیا تھا[13¥]۔ البتہ آج ¾ یہ شاید کچھ مشکل ہو، لہٰذا اب انہوں نے اس کا دوسرا طریقہ یہ نکالا ہے کہ عوام سے سونا لینے کی بجائے، عوام میں خود ہی اس کے بے و0 ہونے کا احساس پیدا کر دیا جائے۔ اور اسی لیے حکو > سونے کی قیمت گرانے یا کم رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر حکو0 کرنسی سونے کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کا پورا نظام دGے کا دGارہ جائے۔ پس سونے کی قیمتیں گرانا مرکزی بینکوں اور حکومتوں کی ایک 5 غیر سرکاری پا رہی ہے۔

یہ کام حکومت، مرکزی بینک، اور بڑے بینکوں کے گٹھ جوڑ سے کیا جاتا ہے اور یہاں ان بینکوں کا ایل بی ایم اے کے مارکیٹ میکر ہونے کا بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ لوگ قیمتوں کے تعین کے دوران خود ہی قیمت کا رخ دیکھ کر مزید خریدنے یا بیچنے کے حکم نا باضابطہ طور پر جاری کر f ہیں۔ اجتماعی سطح پر حکو > اور بینک سونے اور چاندی کی قیمتیں گرانے کے لیے تین طریقے استعمال کرتے ہیں۔

اول اہم تاریخی موقعوں پر کچھ سونا دکھاوے کے لیے بیچ دیتے ہیں، تاکہ اس سے سونے کے بے و0 ہونے کا احساس پیدا ہو جائے اور بعد میں بیشک وہی سونا دوبارہ خرید لیا جائے۔ یہ بالکل وہی حکمت عملی ہے جس کے تحت بڑے بڑے ہیج فنڈ (Hedge Fund) مصنوعی خرید و فروخت کے ذریعے تجارتی منڈیوں میں قیمتیں گراتے اور چڑھاتے ہیں[þ1]۔

دوسرا طریقہ سونے کو کرائے پر دB، یا لیز (Lease) کرنے کا ہے۔ اس طریقے سے آپ اپنا سونا کسی دوسرے کو کرائے پر دے دیتے ہیں، اور دوسرا اس کو کسی تیسرے کو کرائے پر دے دیتا ہے۔ یوں منڈی میں دراصل جتنا سونا موجود ہے، اس سے زیادہ Øس ہوتا ہے، اور رسد و طلب کے قاعدے کے تحت جب سپلائی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے تو قیمت گر جاتی ہے۔ ضرورت کے وقت مرکزی بینک بھی ایک دوسرے کو سونا کرائے پر دے دیتے

---

http://www.presidency.ucsb.edu/ws/index.php?pid=14611139
http://seekingalpha.com/article/30257-jim-cramer-admits-to-stock-140
manipulation-when-at-hedge-fund

ہیں۔اس سے وقتی طور پر کسی اقتصادی Uان کو حل کر لیا جاتا ہے، اور بعد میں یہ سونا یا تو واپس کر دیا جاتا ہے، یا آزاد منڈی سے مزید خرید لیا جاتا ہے، یا پھر لیز کی تجدید کر کے اسے کاغذوں ہی میں رہنے دیا جاتا ہے۔

تیسرے طریقے کو ا یزی میں نیکڈ شارٹ (Naked Short) کہتے ہیں۔اس کا با محاورہ ترجمہ کیا جائے تو اسے برہنہ دھوکا یا i ٹ کہیں گے۔اس کے تحت بینک یا مالیاتی ادارے کاغذوں میں سونا کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں، حالانکہ جو سونا وہ فروخت کرتے ہیں وہ اصل میں کہیں موجود ہی نہیں ہوتا۔نہ مادی طور پر نہ لیز پر، کہیں بھی نہیں۔مگر گاہک سمجھتا ہے کہ سونا موجود ہے اور اتنی کم قیمت پر بک رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اصل سونے کی قیمت کے اندازے کو غلط سمجھنے لگتا ہے۔یوں بہت سے گاہک مزید سونا خریدنے کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں اور قیمتیں مصنوعی طور پر گھٹی رہتی ہیں۔ان تمام مثالوں کے بہت سے عملی nت گوXاینٹی ٹرسٹ ایکشن کمیٹی[1] [1]نے اکٹھے کر رکھے ہیں جو کوئی بھی ان کی ویب سائٹ پر جا کر دیکھ سکتا ہے۔

اب تک کی بحث سے ہم نے تین اہم xئج نکالے۔اول یہ کہ قرآن کے علم و دانش کی روشنی میں Zر سونے کو بہت زیادہ قیمتی اور اہم سمجھتے ہیں۔دوم یہ کہ سونے کی موجودہ قیمت جو Zر کی سونے سے کے بر عکس بہت کم لگتی ہے، وہ منڈی میں قدرتی طور پر قائم ہونے والی قیمت نہیں، بلکہ مصنوعی طور پر گرائی جانے والی قیمت ہے۔اور تیسرا یہ کہ قیمتیں گرانے کا یہ عمل حکومتوں کے کرنسی نظام کے لیے بہت اہم ہے، جسے وسیع پیمانے پر منظم انداز سے بڑے بڑے بینکوں کی ملی بھگت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اب ہم آپ کو سونے کی اصل قیمت کا اندازہ لگانے کا ایک بہت آسان طریقہ بتاتے ہیں۔آج اگست ۲۰۱۳ء میں یہ مضمون لکھتے وقت سونا ۱۶۵۰ء ڈالر کا ہے۔آپ یہ ۱۶۵۰ء ڈالر لیں اور امریکہ میں فورٹ ناکس کے قریب واقع یونائیٹڈ سٹیٹس بلیئن ڈیپازیٹری (United States Bullion Depository) چلے جائیں۔ان سے کہیں کہ وہ ۱۶۵۰ ڈالر کے بدلے آپ کو اپنے ذخیرے میں سے ایک اونس سونا نکال کر دے دیں۔ظاہر ہے وہ ایسا تو نہیں کریں گے مگر پھر آپ ان کو ۱۶۵۰ ڈالر کی بجائے ۱۸۰۰، یا ۲۰۰۰، یہاں تک کہ ۲۰،۰۰۰ ڈالر دے کر دیکھ لیں۔یاد رہے کہ یہ سونا امریکہ کے رل ریزرو کی ملکیت ہے، اور رل ریزرو خود ڈالر چھاپتا ہے۔یعنی وہ کاغذ کے ٹکڑے لے کر ان کو ڈالر میں بدل دیتا ہے۔وہ چاہے تو ۱۶۵۰ ڈالر خود چھاپ لے۔بلکہ اس سے بڑی کوئی بھی رقم خود چھاپ لے۔بھلا وہ آپ کو ایک ایسی چیز کے بدلے اپنا سونا کیوں دے گا، جس چیز کی اس کے ہاں کوئی نہیں؟ اب سوال یہ ہے کہ اگر رل ریزور کے پاس ڈالروں کی نہیں اور ڈالر دنیا بھر کی ریزرو کرنسی (Reserve Currency) مانی جاتی ہے، تو پھر اس کرنسی کی لامتناہی مقدار ہونے کے باوجود وہ سونا کیوں ذخیرہ کیے ہوئے ہے؟ اگر ڈالر کی قیمت Œ طور پر امریکی اکانومی پر ' ہے تو پھر اس ذخیرے کا مقصد؟ پس ڈالروں میں سونے کی اصل قیمت وہی ہے جس مقدار میں وہ

---

[141] Gold Anti-Trust Action Committee. http://www.gata.org

آپ سے ڈالر لے لیں اور سونا دے دیں۔ باقی عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے ایل بی ایم اے والی قیمت کافی ہے۔

سونا آج بھی رل ریزور بینک کے لیے اتنا اہم ہے کہ اس نے اس کے ذخیرے لگا رکھے ہیں۔ اگر یہ سونا آج رل ریزرو کو " رادے رہا ہے اور رل ریزرو پوری امریکی معیشت کو " رادے رہا ہے، تو پھر یہی سونا اپنی اصل فطری قیمت پر لوٹ کر × ن دنیا کی معیشت کو بھی " رادے سکتا ہے اور اس کی علمبرداری کر سکتا ہے۔

۵۔ سونے کی قیمت بڑoe سے ڈیﷲیشن ہو جائے گی جو معیشت کے لیے مضر ہے

ہم نے یہ طے کر لیا کہ اشیا کا قیمتوں کے ساتھ کوئی اندرونی نہیں بلکہ محض رسمی ہوتا ہے جسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اور مزید یہ کہ سونا اپنی اصل فطری قیمت پر لوٹ کر اشیا کے ساتھ اس h قیمت کا قائم کر سکتا ہے۔ اب اس کی روشنی میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اول تو سونے کو کرنسی بنانے سے یکدم بہت ڈیﷲیشن (Deflation) ہو جائے گی، یعنی اشیا کی قیمتیں سونے کی نسبت گر جائیں گی۔ اور دوم یہ کہ یہ ڈیﷲیشن 5 بنیادوں پر معیشت کا حصہ بن جائے گی جو کہ ایک بہت بری چیز ہے۔

اس کے جواب میں سب سے پہلے تو اس بات میں فرق کیجیے کہ منزل اور اس تک پہنچنے کا راستہ، دو مختلف چیزیں ہیں۔ مدB میں اسلامی ریاست کے م کے لیے 4 کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ مگر اس مقصد کو اس لیے ترک نہیں کر دیا گیا کہ اس کا حصول مشکل تھا۔ بلکہ مقصد کی طرف — جاری رہا کیونکہ مقصد بذاتِ خود قابلِ قدر تھا۔

سونے کی کرنسی کے مکمل پر فوائد اجتماعی طور پر اس وقت حاصل ہوں گے جب معاشرے میں یہ کرنسی رائج ہو جائے گی۔ اس سے پہلے کاغذی کرنسی کو حذف کرنے میں جو مشکلات آئیں گی، وہ مقصد کی اہمیت کا تعین نہیں کر سکتیں۔ ان میں سے ایک مشکل یہ ہے کہ کاغذی کرنسی اپنے قدم جما ہے اور اس میں بے جا اور مصنوعی پھیلاؤ کی وجہ سے معاشرہ افراطِ زر اور مہنگائی میں جکڑا گیا ہے۔ جب عوام سونے کو اختیار کریں گے تو سونے کی قیمت اپنی اصل کی طرف واپس جانے کی وجہ مہنگائی کم ہو گی اور قیمتیں گریں گی۔ یہ کوئی اتنی بری چیز نہیں، کیونکہ ایک تو اس سے عوام کو فائدہ پہنچے گا، اور دوسرا یہ کوئی فوری عمل نہیں ہو گا۔ معاشرہ آہستہ آہستہ اس h منزل کی طرف بڑ گا اور یہ تبدیلی قدم بہ قدم ہو گی۔ اقتصادی لحاظ سے ایک اور سوال زیادہ اہم ہے کہ سونے اور چاندی یا کسی بھی متناہی شے کو کرنسی کی بنیاد رکھنے سے معاشرہ 5 بنیادوں پر ایک ¤ سے ڈیﷲیشن کا شکار رہے گا۔ کیونکہ کرنسی کی مقدار اتنی ہی رہے گی اور معیشت میں موجود خدمات اور مصنوعات بڑھتی 6 جائیں گی۔

دراصل ہمیں کینز شیئن (Keynesian) معاشیات کے اس بنیادی å وضے ہی پر اعتراض ہے کہ ایسی ¤ سی ڈیفلیشن معیشت کے لیے مضر ہے۔ آسٹرNŃ سکول آف اکنامکس کے مایہ ناز ماہرین بھی اسی نقطہِ نظر کے حامی ہیں کہ ڈیفلیشن صرف اپنی کچھ مخصوص انواع میں مضر ہے، اوراس کے علاوہ ہمیشہ ایک مفید شے ہے۔ آW اس کے خوشگوار اور مضر پہلوؤں کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

ڈیفلیشن کی پہلی صورت ہے، پیسے کا کسی علاقے سے کوچ کر جانا اور یہ واقعی معیشت کے لیے مضر ہے۔ مگر اس کی وجہ ہمیشہ F ونی ہوتی ہے مثلاً کوئی قدرتی آفت یا پھر جنگی یا خانہ جنگی حالات جو کہ سرمایہ کاروں کو q ت کرنے پر مجبور کر دیں۔ یہ عمل فوری ہوتا ہے اور معاشرہ اپنے آپ کو ایک دم کیپیٹل (Capital) اور کرنسی سے محروم پاتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ایسا کبھی بھی کرنسی کی نوعیت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ غیر اقتصادی عوامل مثلاً سیاسی یا قدرتی حالات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہونے کی کوئی 1 نت نہیں دے سکتا، اور اگر ایسا ہو تو دینار اور روپے دونوں کے نظام میں ہو سکتا ہے۔ لوگوں میں یہ تاثر ہے کہ اگر ایسے حالات پیش آجائیں تو روپیہ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ لچک رکھتا ہے، مگر ایسا نہیں ہے اور اس کی وضاحت آئندہ کی جائے گی کہ ایسے حالات میں دینار اور روپیہ دونوں ü ل بے بس ہوں گے۔

بسا اوقات فوری طور پر پیسے کی واقع ہونے کی صورت میں معاشرے از خود اس کا کوئی حل نکال لیتے ہیں، کیونکہ تجارت ایک فطری ضرورت ہے اور پانی کی طرح اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے۔ اور سونا یا روپیہ خصوصی طور پر اس عمل کو } یا مشکل بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر جب ۱۹۳۳ء میں امریکہ کے بینک ناکام ہو گئے اور حکومت نے تمام بینک کچھ عرصے کے لیے بند کر دیے، تو عوام میں فوراً تجارت کرنے کے لیے پیسے کا فقدان ہو گیا۔ اس فوری اور انجانی صورت سے É کے لیے بہت سے علاقوں میں تجارت بارٹر پر منتقل ہو گئی اور ایک امریکی اخبار ڈیلی پر نسٹونیئن نے تو خود ہی مرکزی بینک کا کردار نے ل لیا اور اخباری کاغذ پر کرنسی چھاپ دی[2] [1]۔

سو اس نوعیت کی ڈیفلیشن مضر ہونے کے باوجود سونے کو اپنانے سے پیدا نہیں ہو گی لہذا یہ نکتہ دینار کو اپنانے کی سفارشات کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

ڈیفلیشن کی دوسری صورت وہ ہے جو دینار کو اپنانے سے واقعی پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارا دعویٰ ہے کہ مضر ہونے کے برعکس یہ ایک خوشگوار اور سود ' عمل ہے۔ اگر میرے پاس ایک درہم ہے اور میں اس سے درجن انڈے خرید سکتا ہوں، تو جب انڈوں کی قیمت گرے گی اور میں دو درجن انڈے خرید سکوں گا تو یہ صورت خوشگوار ہی ہے، نہ کہ مضر۔

انڈوں کی قیمت کم ہونے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ منفی وجہ جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا یعنی معاشرے سے

Liaquat Ahmed. Lords of Finance: The Bankers who Broke the World. 142
.Penguin 2009

پیسہ ختم ہو جائے، گاہک کم ہو جائیں اور کوئی انڈے خریدنے والا ہی نہ رہے۔ اور بیچنے والے اپنی آمدن جاری رکھنے کے لیے انڈوں کی قیمت کم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ منفی صورت ہے اور ہم نے بتایا کہ اس کی وجہ ہمیشہ F ونی اثرات ہوتے ہیں۔

قیمتیں کم ہونے کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ معاشرے میں سا ترقی اور ا ! نظم و نسق کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ پولٹری فارم کھلیں اور ذرائع پیداوار میں اضافے سے خوشحالی کا دور آ جائے۔ ایسا ہونے سے مصنوعات اور خدمات کی فراہمی میں اضافہ ہوتا ہے اور اشیا کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ یعنی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ لوگ ان چیزوں کو خریدنے کی ا 7 عت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی اکنامکس کا اصل مقصد ہے، یعنی معاشرے میں خوشحالی پیدا کرنا۔ اور خوشحالی تب ہی آتی ہے جب ہر شخص کی قوتِ خرید بڑھ جائے اور وہ اچھی سے اچھی اشیا حاصل کر سکے۔ اس کی ایک مثال ہمیں کمپیوٹر یا موبائل فون کی منڈی میں ملتی ہے۔ شروع میں کمپیوٹر بہت C تھے مگر سا ترقی کی وجہ سے اب ہر کوئی کمپیوٹر خرید سکتا ہے۔ اس کو زیادہ X طانداز میں یوں کہیں گے کہ ا ڈیفلیشن اڈ. ٹڈ کمپیوٹنگ پاور (Inflation Adjusted Computing Power) کی قیمتوں میں شدید واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح کوئی نیا موبائل فون بھی جب جدید خصوصیات کے ساتھ متعارف کروایا جاتا ہے تو مہنگا ہوتا ہے مگر بعد میں دیگر کمپنیاں بھی مقابلے کی چیزیں بنا کر قیمتیں گھٹا دیتی ہیں۔ سا ترقی اور آزاد منڈی میں مقابلہ اشیا کو قابلِ رسائی بنا دیتا ہے اور ان کے معیار میں بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ ایسی ڈیفلیشن یا قیمتوں میں ہر لحاظ سے ایک مثبت عمل ہے۔

تو پھر ماہرینِ معاشیات کیوں اس کے اتنے خلاف ہیں؟ اس کی وجہ ان کا یہ Gن ہے کہ ڈیفلیشن سے معیشت تباہ ہو جاتی ہے اور کاروبار دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ ایک حد تک یہ درست ہے، مگر اہم بات یہ ہے کہ اس کا اطلاق صرف ان کے سودی نظام میں ہوتا ہے۔ ڈیفلیشن کا یہ ڈراوا، دینار پر اعتراض کرنے والوں کا اہم ترین نکتہ ہے اور اگر آپ اس نکتے کو سمجھ گئے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

فرض کریں کہ میں نے بینک سے لاکھ روپے قرض لے کر فر a کے کاروبار میں لگایا۔ بینک نے شرط رکھی کہ تم ا ۳۰۰۰ ہزار روپے ماہانہ لوٹاؤ گے، جس میں سے ۲۰۰۰ قرض کی رقم ہو گی اور ۱۰۰۰ سود ہو گا۔ میری آمدن بھی ۳۰۰۰ ہزار ہی ہے، مثلاً میں ہر روز ایک کرسی ۱۰۰ روپے کی بیچ دیتا ہوں۔ پس میرا کاروبار ہنسی خوشی چل رہا ہے اور بینک کو رقم واپس مل رہی ہے۔

میرا خیال ہے کہ میں بریک ایون (Break Even) یعنی بینک کو قرض لوٹا د B کے بعد ۳۰۰۰ روپے ماہانہ پر اچھی طرح زندگی گزار سکتا ہوں۔ اب اگر معاشرے میں ڈیفلیشن کا دباؤ پڑے اور میں یہ دیکھوں کہ لوگ کرسی نہیں خرید رہے تو ا قیمت کم کر کے ۵۰ روپے کرنی پڑ جائے گی۔ یوں کہنے کو تو ا نقصان ہوا یعنی میری آمدن صرف ۱۵۰۰ روپے رہ گئی۔ مگر کیونکہ یہ ڈیفلیشن پورے معاشرے پر لاگو ہوتی ہے سو باقی چیزیں بھی سستی ہو گئیں اور میں اب بھی اتنی ہی اچھی زندگی گزار سکتا ہوں۔ میرا کاروبار کاغذوں میں تو کم آمدن دے رہا ہو گا مگر حقیقت میں شاید میں اور زیادہ خوشحال ہو جاؤں کیونکہ میں اس کم آمدن سے بھی زیادہ اشیا خرید سکوں گا۔

مگر بینک کو قرض لوٹانے کے لحاظ سے یہ صورت مضر ہے۔ اگر میری آمدن ۱۵۰۰ رہ جائے گی تو میں اپنے بینک کو سود ادا کرنے سے قاصر رہوں گا، اور بینک میرا کاروبار دیوالیہ کروادے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سودی نظام خصوصی طور پر ڈیفلیشن کو اتنا مضر گردانتا ہے، کیونکہ اُس کا تمام تر نقطۂ نظر اپنے قرض اور اس کے سود کی واپسی ہوتا ہے۔

اگر یہی معاہدہ سودی نہ ہوتا بلکہ شرکت یا مضاربت پر ہوتا تو I بینک کو مقرر کردہ ۳۰۰۰ کی بجائے اپنی آمدن کا ایک حصہ دینا پڑتا، جو کہ میں بخوشی ۱۵۰۰ کی آمدن سے بھی ادا کر سکتا تھا۔ Œ طور پر کسی کو نقصان بھی نہ ہوتا کیونکہ جہاں پیسہ لگانے والے کی آمدن کم ہوئی تو اس کے ساتھ ہی اجتماعی ڈیفلیشن کی بنا پر قوتِ خرید بھی بڑھی۔ یوں مشارکت میں بینک بھی Œ ó ں میں نقصان میں نہ جاتا۔

بینک کے قرض کے علاوہ اس کو کاروباری سطح پر بھی دیکھ لیں۔ اگر میں لکڑی ۶۰ روپے کی خریدتا ہوں اور کرسی ۱۰۰ روپے کی " ہوں تو میرا کاروبار چل سکتا ہے۔ مگر جب کرسی کی قیمت گر کر ۵۰ روپے ہو جائے گی تو پھر I نقصان ہی نقصان ہے اور I کاروبار بند کرنا پڑے گا۔ مگر اس دلیل میں یہ خرابی ہے کہ جب کرسی J س کی ہوئی تو لکڑی بھی تو ¤ کی ہو جائے گی۔ سو نقصان صرف ایک بار ہوگا اور کاروبار میں ایسے یکبار گی نفع نقصان کی صورت ڈیفلیشن اور انفلیشن دونوں میں ü ں طور پر پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر معاملہ ہمیشہ ہی ایسا رہا یعنی کرسی بنانے کے عمل کے دوران کرسیوں کی قیمت ہمیشہ گرتی 6 گئی تو پھر یہ صورت صرف خارجی عوامل کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے، کیونکہ سا اور تنظیمی ترقی سے پیدا ہونے والی ڈیفلیشن اتنی شدید اور فوری نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی ایک شعبے میں ایسا ہو بھی گیا تو معاشیات کے اصول اس کا ازالہ کر لیں گے، مثلاً اگر کوئی کرسیاں بنانے والا دیوالیہ ہو جائے گا تو کرسیاں بنانے والوں کے فقدان مگر کرسیوں کی مانگ میں تسلسل کی وجہ سے ان کی قیمتیں دوبارہ چڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ یہ کاروبار دوبارہ سود ' ہو جائے گا۔

ڈیفلیشن کی اس دوسری صورت میں معاشرہ سا ترقی، بہتر نظم و نسق اور آبادی میں اضافے کی وجہ سے زیادہ مصنوعات اور خدمات تخلیق کر لیتا ہے، مگر کرنسی کی مقدار قدرتی یا نی وسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اتنی ہی رہتی ہے۔ اس وجہ سے معاشرہ ر ڈیفلیشن کی طرف بڑ o ہے اور کرنسی کی قوتِ خرید زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہ ایک سست رفتار عمل ہے جو سوائے سودی بینکاری کے، بذاتِ خود معاشرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ قوتِ خرید میں اضافے کی وجہ سے عام آدمی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

البتہ یہ بھی سچ ہے کہ طویل المیعاد نقطۂ نظر سے کرنسی میں اضافہ کرنے کی بھی کوئی صورت ہونی چاہیے تاکہ قیمتوں میں کچھ توازن کی کیفیت بھی پیدا ہو اور معیشت میں اضافے کے ساتھ ساتھ کرنسی میں اضافے کی گنجائش بھی نکلے۔ آW اب اس موضوع کا جائزہ لیتے ہیں۔

٦۔اسلامی دینار کرنسی میں اضافے کی اجازت نہیں دیتا

بعض حالات میں کرنسی میں اضافہ مفید بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً جب آبادی یا معیشت تیزی سے بڑھیں اور روان > ی (Liquidity) کو اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنا پڑے۔

اس ضمن میں کرنسی کی مقدار بڑھانے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ اول تو زمین سے مزید سونا نکلتا رہتا ہے اور موجود سونا بھی جیولری کے استعمال سے نکل کر دینار و درہم کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

دوسری طرف سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جن میں تانبہ آج 3/4 تیزی سے کرنسی کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ یاد رہے کہ کوئی بھی چیز جو وقت کے ساتھ فنا نہ ہو جائے اور جو آسانی سے تقسیم ہو سکے، وہ کرنسی کا کام دے سکتی ہے۔ یہاں مختلف دھاتوں کو کرنسی کے طور جاری کرنا کرنسی کی مقدار میں بے پناہ وسعت کی اجازت دیتا ہے۔ دھاتوں کے علاوہ اور اشیا بھی استعمال ہو سکتی ہیں البتہ ان کا کردار ہمیشہ سونے اور چاندی کے ساتھ ایک معاون کا سا رہے گا۔

کرنسی میں وسعت لانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دھاتوں کے علاوہ ان اشیا کو کرنسی بنا لیا جائے جو نقل پذیری کے علاوہ کرنسی کی باقی تمام خصوصیات رکھتی ہوں۔ مثلاً تقسیم ہو سکتی ہوں اور ہم جنس ہوتی ہوں وغیرہ۔ یوں مادی نقل پذیری کی بجائے ان کے سکوک جاری کیے جا f ہیں، جو کاغذی یا الیکٹرانک شکل اختیار کر f ہیں۔ یہاں کاغذ کا لفظ دیکھ کر کاغذی کرنسی کا دھوکہ نہ کھاW، کیونکہ روایتی کاغذی کرنسی میں کاغذ بذات خود کرنسی ہوتا ہے اور سکوک کے معاملے میں سک کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، وہ محض اپنے پیچھے موجود کسی ٹھوس اثاثے کی کلی طور پر علمبرداری کر رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ بینک بھی پیچھے اثاثے رکھ کر آگے نوٹ جاری کرتے ہیں لہٰذا اس فرق کو آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر بینک کے پاس گندم ہے، تو کاغذی کرنسی اس گندم کی مالیت کی روپے میں نمائندہ ہوگی۔ سکوک اس گندم کی قیمت کی روپے یا دینار میں نمائندگی نہیں کریں گے بلکہ محض اس گندم میں سے ایک مخصوص حصے پر آپ کی ملکیت ظاہر کریں گے۔ اس کے لیے گندم کی موجودگی بھی ضروری ہے، اور سک کو قبول کرنے والے کی رضا ' ی بھی کہ وہ تجارتی معاملہ طے کرنے کے لیے آپ سے گندم قبول کر رہا ہے۔ یوں کرنسی گندم ہی رہی۔ سک نے محض اس کی منتقلی کو آسان کر دیا۔ سو سکوک کے ذریعے بھی جائز طریقے سے کرنسی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی تصور میں ایک اور اعتراض کا جواب بھی موجود ہے جسے اب دیکھتے ہیں۔

۷۔اسلامی دینار کو روزمرہ استعمال کرنا } نہیں

انسان کسی بھی چیز کا عادی ہو جائے تو اسے وہ آسان لگتی ہے۔ کچھ لوگ بڑے تعجب سے پوچھتے ہیں کہ سکے استعمال کرنا کیسے ممکن ہو گا حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہزاروں سال سے لاکھوں کروڑوں لوگ انہی کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں اور انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

سکوں کے استعمال کو دو مخصوص صورتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک چھوٹے پیمانے پر، جیسے ہم اپنی جیب سے پیسے نکال کر دکاندار کو دیتے ہیں۔ اور دوسرا بڑی بڑی رÑں کے تبادلے جو عموماً بینکوں کے ذریعے ہوتے ہیں۔

پہلے چھوٹے پیمانے پر موازنہ کرتے ہیں۔ سب سے چھوٹا اسلامی سکہ ایک دا ' ہے جو تقریباً ایک ڈالر کی قیمت کا ہے۔ جبکہ ڈالر کے نوٹ کا وزن ایک گرام ہے اور دا ' کا وزن آدھا گرام ہوتا ہے۔ اسی طرح درہم کا وزن بھی چھے ڈالر سے کم ہے۔ پاکستانی روپیہ جو ڈالر سے کم قیمت رکھتا ہے، ان کا سکوں کی نسبت وزن مزید بڑھ جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ سکے پائیدار بھی ہیں، جب کہ نوٹ اکثر پھٹ جاتے ہیں اور دوبارہ جاری کرنے پڑتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے والٹ اور بٹوں کی اشکال بھی سکوں کے استعمال کو مزید } بنانے کے لیے تبدیل کی جاسکتی ہیں، جن میں سکوں کو ترتیب سے رکھا جاسکے اور نکالنا اور ڈالنا آسان ہو جائے۔

جہاں تک بڑی رÑں کا ہے تو وہاں بھی سکے زیادہ } ہیں۔ ہم نے باب اول میں گاڑی خریدنے کی مثال دی تھی کہ اگر ایک گاڑی ۱۰ لاکھ روپے کی ہے تو آپ کو سب سے بڑے نوٹ کے حساب سے ۲۰۰ پانچ ہزار کے نوٹ چاہییں، جن کو ضرور کسی بیگ ہی میں رکھنا پڑے گا۔ اور یہی تبادلہ ۴۰ دیناروں میں بھی ہو سکتا ہے، جن کا مجموعی وزن ۱۷۰ گرام یا چھے اونس Ù گا۔ اور ان کا استعمال بھی ۲۰۰ نوٹوں کی نسبت کوئی زیادہ دشوار نہیں ہو گا۔

رہی بات رہی کریڈٹ کارڈ، چیک اور بینکوں کے ذریعے تبادلے کی۔ تو ہم اس پر بھی بات کر چکے ہیں کہ یہ تمام سہولیات اسلامی دینار کے نظام میں بھی مہیا ہو سکتی ہیں، بلکہ ضرور ہوں گی۔ بینکاری نظام کا خاتمہ اس نظام کے سودی عنصر کا خاتمہ ہے۔ سا ترقی کے باعث جو جائز اور فائدہ ' سہولیات ہمیں بینکوں سے میسر ہیں، شریعت ان کی ممانعت نہیں کرتی۔ اسلامی نظام میں وکالہ کی طرز کے مالیاتی ادارے بینکوں کی جگہ لے لیں گے، یا بینک اس شکل میں تبدیل ہو جائیں گے۔ یہاں حوالہ، وکالہ اور وعدیہ کی اسلامی صورتوں پر صار * کو رقوم کے تبادلے کی الیکٹرانک سہولیات بھی مہیا کی جاسکتی ہیں۔ بلکہ ہمارا ادارہ، دینار وکالہ بذاتِ خود آج 3/4 اسلامی دینار و درہم کے ڈیبٹ کارڈ تخلیق کرنے پر کر رہا ہے۔

۸۔اسلامی دینار àمی حالات میں حکومت کے ہاتھ باندھ دے گا

کاغذی کرنسی کیونکہ آسانی سے تخلیق کی جاسکتی ہے اس لیے حکومتوں کو اس کا ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ àمی حالات میں وہ جتنی چاہیں کرنسی چھاپ کر مشکل وقت گزار لیتی ہیں۔ دینار و درہم پر یہ اعتراض بھی ہے کہ اگر ملک حالتِ جنگ میں آجائے، یا کوئی ز لہ یا سیلاب آجائے اور حکومت کو زیادہ روپوں کی ضرورت ہو تو دینار و درہم کے نظام میں اس کے ہاتھ بند رہیں گے، جب کہ کاغذی کرنسی نظام میں وہ فوراً نوٹ چھاپ کر حالات کا مقابلہ کرسکتی ہے۔

یہ اعتراض بھی محض غلط فہمی پر ہے۔اول تو دینار کا نظام بھی حکومت کو ردعمل کے نہایت مثبت ذرائع فراہم کرتا ہے اور دوسرے جن امور میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں وہ دراصل شریعت کی بھرپور حکمت کی وجہ سے ہیں۔سب سے پہلے ہم اس معاملے کو نظریاتی انداز سے دیکھتے ہیں۔

جنگِ اول میں تقریباً چار کروڑ لوگ 3⁄4 ہوئے اور جنگِ دوم میں مرنے والوں کی ,ٍ ? اد تقریباً چھ کروڑ بتائی جاتی ہے۔ معیشت کا نقصان اور باقی آبادی پر اس کے اثرات الگ۔اس زمانے میں اس ? اد کا اندازہ یوں لگائیں کہ دنیا کے ڈھائی) لوگ اس جنگ کی وجہ سے 3⁄4 ہو گئے۔اجتماعی دیوانگی کے اس شاہکار کو قائم رکھنے کے لیے حکومتوں کو پیسے کی ضرورت تھی۔ جس کے لیے انہوں نے بے دریغ نوٹ چھاپے۔ معاشیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ اگر نوٹ چھاپنے کی یہ قوت موجود نہ ہوتی، تو حکو > بہت پہلے تصفیہ کرکے اس جنونی معرکے سے دستبردار ہو جاتیں۔اسی کی ایک اور مثال موجودہ دور میں امریکہ کی اسرائیل کو امداد یا عراق کی جنگ ہے۔اگر ان جنگوں کے جاری رکھنے کے لیے امریکی , یوں کو براہِ راست G ادا کرنا پڑ رہا ہوتا اور ان کے معیار زندگی میں واضح فرق پڑ رہا ہوتا، تو یہ جنگیں کب کی ختم ہو گئی ہوتیں۔ مگر کیونکہ حکمران اپنی طاقت کی ہوس اور انفرادی ایجنڈوں پر کام کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے وہ عوام کو بے رکھ کر نوٹ چھاپ چھاپ کر اپنا کام چلا لیتے ہیں، اور عوام اس ا Ò G کے ذریعے اپنی حکومتوں کی Qیت اس طرح کرتے ہیں کہ انہیں اس کے محرکات کی تک نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس دنیا کے سب سے مقصد، یعنی مد B کے دفاع کے لیے جب کریم کو سامانِ جنگ کی ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنے اصحاب سے رضاکارانہ تعاون ما { ۔کوئی پروانہ اپنے گھر کا آدھا سامان لے آیا اور کوئی اللہ اور رسول کو گھر والوں کے لیے چھوڑ کر سب کچھ لے آیا۔ مگر اہم بات یہ کہ رسول اللہ نے کبھی بھی بغیر اجازت، زبردستی کسی مقصد کے لیے دوسروں کا مال حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، چاہے مال کے اس حصول

کا مقصد à می طور پر کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔

تو حکومتوں کے اŒل کو بھی شریعت کے قوانین کا پابند کرنے میں دین کی ایک بہت اہم حکمت ہے، جس کی وجہ سے حکمرانوں کے ہاتھ بجا طور پر ان معاملات میں بندھ جاتے ہیں جن میں تاریخی طور پر وہ ہمیشہ زمین میں فساد برپا کرتے آئے ہیں اور جن کی زندہ مثالیں ہمیں مغربی حکومتوں کے طریقہِ عمل میں ملتی ہیں، جو جمہوریت کے باوجود اپنی عوام کی O کے خلاف دوسرے ں پر ڈرون حملے کرتے چلے جا رہے ہیں، کیونکہ نوٹ چھاپنے کی قوت کی وجہ سے وہ ان ڈرونوں کی قیمت اپنی عوام سے براہ راست G کے ذریعے حاصل کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ سو نظریاتی طور پر یہ اعتراض دراصل دینار کے بہت مثبت پہلوؤں میں سے ایک ہے، کہ وہ حکمرانوں کو صحیح ó ں میں عوام کے سا g جواب دہ بنا دیتا ہے۔

اب عملی سطح پر دیکھیں تو یہ بھی سچ ہے کہ بہت سے ایسے حالات ہوتے ہیں جہاں عوام اور حکومت دونوں کی O سے کسی کام کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً جب پاکستان میں سیلاب آیا تو پوری قوم نے حکومت سے فوری رد عمل کا مطالبہ کیا۔ اب ہم یہ ثابت کریں گے کہ ایسے حالات میں دینار کوئی دشواری پیدا نہیں کرتا، بلکہ محض معاملات کو زیادہ شفافیت اور دیانت سے سلجھانے کی شرط لگاتا ہے۔

فرض کریں کہ سیلاب آ گیا اور حکومت کو فوراً ایک لاکھ خیمے خریدنے ہیں۔ اگر خزانے میں پیسے ہیں تو چاہے وہ روپے ہوں یا دینار، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس صورت میں دونوں کرنسیاں ü ں کار آمد ہیں۔

دینار کے مقابلے میں نوٹ کا فائدہ صرف اس وقت Ø س ہوتا ہے جب خزانے میں پیسے نہیں۔ اب دینار تو تخلیق نہیں ہو f ، مگر نوٹ چھپ f ہیں۔ اس ظاہری فائدے کو دیکھتے ہوئے لوگ اس کے پس منظر میں ہونے والے عمل کو بھول جاتے ہیں۔

نوٹ دو طرح سے چھپ f ہیں۔ ایک خود ہی Ñ چلا کر چھاپ لیں۔ دوسرا اقتصادی منڈی میں بانڈ کی نوعیت کی کوئی د / ویز جاری کر کے۔ دونوں کے آخر میں آپ خیمے خرید سکیں گے۔

پہلی صورت میں اگر آپ نے نوٹ خود ہی چھاپ لینے ہیں، تو یہ ایک چوری ہے جو عوام سے اجتماعی طور پر کی جا رہی ہے۔ دینار کا نقصان یہ ہے کہ اس نظام میں حکومت کو چوری کی بجائے ڈاکہ ڈالنا پڑے گا، اور سرکاری اہلکار بھیج کر خیمے ضبط کر لینے پڑیں گے۔ چوری یا ڈاکہ دونوں ü ں طور پر غیر شرعی اور عوام کے لیے نقصان دہ ہیں۔

نوٹ چھاپنے کی دوسری بانڈز والی صورت میں حکومت چوری کرنے کی بجائے اقتصادی منڈی سے قرض لے رہی ہوتی ہے، جسے لوٹانا بھی پڑتا ہے۔ روپے اور دینار کے نظام میں فرق صرف اتنا ہو گا کہ روپے کا قرض بانڈ مارکیٹ سے سودی قرض پر لیا جائے گا جبکہ دینار کا قرض Óسود، قرض د B والے کی رضا ' ی سے حاصل کیا جائے گا۔ یہ قرض د B والے عوام بھی ہو f ہیں اور مالیاتی ادارے بھی، یہاں تک کہ خیموں کے تاجر سے بھی قرض پر خیمے خریدے جا f ہیں، اور اسے جائز طور پر اس کا منافع دیا جا سکتا ہے۔ مغربی دنیا میں بھی تاجر خود گاہک کو اشیا خریدنے کی ترغیب د B کے لیے Óسود فنا ٔ نگ مہیا کرتے ہیں۔

آخر میں بات صرف اس پورے عمل میں درکار وقت کی رہ گئی۔ یہ سچ ہے کہ نوٹ چھاپنے کا عمل بہت } اور تیز رفتار ہے۔ مگر اقتصادی منڈیوں کی فطرت ہے کہ وہ اپنے نظام کو وقت کے ساتھ زیادہ } اور موثر بناتی جاتی ہیں۔ اگر حکو O تائید شامل ہو تو دینار و درہم میں قرض حاصل کرنا، یا بڑے تاجروں سے اشیا موجل ادائیگی پر حاصل کرنا بھی } اور فوری بنایا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف حکو > اپنے خزانے میں بھی کچھ مال à می حالات کے لیے رکھ سکتی ہیں، اور ایسے حالات میں اپنے دیگر اخراجات سے بھی ہاتھ روک سکتی ہیں۔

à می حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس حکو O کردار سے بڑھ کر سب سے اہم عنصر اسلامی معاشرے میں موجود ا5ق فی سبیل اللہ کی وہ روح ہے جو اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو دوسروں کی مدد کرتے ہوئے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ابھارتی ہے۔ اس کے T میں اسلامی معاشرہ کسی بھی à می صورت حال میں سرمائے کی کا شکار نہیں ہوتا، خواہ حکو O خزانے خالی ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

۹۔ اسلامی دینار سے بین الاقوامی تجارت کیسے ہو گی

اگر ہم پاکستان میں اسلامی دینار کو اپنا بھی لیں تو دوسرے ملک جو کاغذی کرنسی استعمال کرتے ہیں ان کے ساتھ تجارت کیسے کریں گے ؟ یہ انتہائی آسان سوال ہے۔ آج بھی ہماری کرنسی مختلف ہے۔ ہم روپیہ استعمال کرتے ہیں، چین یوان (Yuan) استعمال کرتا ہے، مگر ہماری تجارت چل رہی ہے۔ دنیا بھر میں ملک ایک دوسرے سے تجارت کرتے ہیں اور مختلف کرنسیاں استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ سونا اور چاندی کاغذی کرنسیوں کی نسبت زیادہ گراں قدر ہیں اس لیے بحیثیت قوم ہمیں صرف اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ کوئی دوسرا ملک ہمیں اپنی کاغذی کرنسی پکڑا کر ہمارا سونا نہ لے جائے۔ اسی امکان کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر وہ واقعی اس ملک کی جائز کرنسی ہے تو ہم وہاں جا کر اس پیسے سے دوبارہ سونا اور دیگر مصنوعات بھی خرید f ہیں۔ دراصل سونا تمام قوموں کو اپنے بیلنس آف ٹریڈ (Balance of Trade) میں توازن پیدا کرنے کی ترغیب بھی دے گا جو کہ ایک مثبت عمل ہے۔ یوں ہم اسراف سے بھی بچیں گے کیونکہ بسا اوقات لوگ نوٹوں کے بدلے ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں جو سونے کے بدلے کبھی نہ خریدیں۔ یوں سونا اشیا کی قدر و قیمت کے بابت بھی ہماری اجتماعی و انفرادی سوچ پر ایک مثبت اثر ڈالے گا، یہاں تک کہ غیر مما M میں بھی اس بہتر نظام کو اپنانے کی خواہش پیدا کر کے دعوت و میں بھی معاون ثابت ہو گا۔

۱۰۔ کمیونٹی کرنسی دینار ودرہم سے بہتر متبادل ہے

مغربی دنیااپنے معاملات کووحی کی روشنی کی بجائے مشاہدے اور تجربے سے حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ انہوں نے بھی جب رائج نظامِ زر کی خامیوں کو Ø س کیا تو اس کے مختلف متبادل سوچے جن میں سے ایک کمیونٹی کرنسی (Community Currency) یالو¾ کرنسی کا تصور ہے۔اس کی سب سے معروف مثال ریاست E یارک کے ایک , 'اتھاکہ' میں جاری ہونے والی نجی کرنسی اتھاکہ ہاورز(Ithaca Hours) ہیں۔ حقیقت میں یہ بھی کاغذی کرنسی ہی کی ایک نجی اور محدود شکل ہے۔اول تواس کے پیچھے بھی کوئی ٹھوس اثاثے نہیں ہوتے اور دوم یہ بھی کرنسی کے جدید تصور کی طرح پورے معاشرے کی مجموعی پیداوار کے اوپر آپ کے حق کی علمبردار ہوتی ہے، جس لحاظ سے اسے بھی ایک کریڈٹ یاقرض پر کرنسی کہہ f ہیں۔

ان کابنیادی مقصد مقامی صنعتوں کی حوصلہ افزائی اور مقامی مصنوعات کی فروخت ہوتا ہے۔وہ اس طرح کہ اگرایک علاقے کے لوگ اپنی کرنسی جاری کرلیں، تواس کرنسی کے ماM کو یہ حق ہے کہ معاشرے سے اس کے عوض کچھ خریدلے۔ مگر کیونکہ یہ کرنسی صرف اسی معاشرے اور علاقے میں قبول ہوتی ہے،اس لیے اس کاماM مجبور ہوجائے گا کہ اسی علاقے کی بنی ہوئی مصنوعات خریدے۔پس، یہ کمیونٹی کرنسی عموماً قومی کرنسی میں قرضوں کی فراہمی کے فقدان کی وجہ سے، یامقامی معیشت کواستحکام د B کی غرض سے وجود میں آتی ہے۔کیونکہ تاحال یہ محدود پیمانوں پر مخلص منتظمین کے ہاتھوں چل رہی ہیں،اس لیے ان میں قومی کرنسیوں کی طرح افراطِ زر پیدا نہیں ہوئی جس وجہ سے پہلی نظر میں یہ تجربہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس جیسے اقدامات کے ذریعے مقامی معیشت کو ç یت دی جاسکتی ہے اوراس کی بنیادوں پر کرنسی کے عمل دخل کے بغیر باہمی بنیادوں پر کریڈٹ یاادھار پر تجارت بھی کی جاسکتی ہے۔ان دونوں خوبیوں کی وجہ سے کمیونٹی کرنسی دینار ودرہم کے ساتھ ایک معاون کردار ادا کرسکتی ہے،البتہ بڑے پیمانے پر خود دینار ودرہم کی جگہ نہیں لے سکتی، کیونکہ اس میں عالمگیر قبولیت کے اوصاف نہیں ہیں۔یہ ایک علاقے کی مصنوعات کی قوتِ خرید کی علمبردار ہے اوراس علاقے سے باہر اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔دوم اس علاقے میں بھی کاغذی کرنسی کی طرح اس کی قدر اس کے اجراپر ہوگی۔اس کی قیمت اور قوتِ خرید ان لوگوں اور اس ادارے پر ' ہوگی جو اسے جاری کرتے ہیں۔اس کے برعکس دینار ودرہم کی قدر خارجی نہیں بلکہ اندرونی ہوتی ہے،یعنی ان کے اندر موجود سونے اور چاندی کے اوپر۔اس لیے کمیونٹی کرنسی طویل المیعاد وسیع پیمانے پر کبھی بھی دینار ودرہم کی جگہ نہیں لے سکتی۔

کمیونٹی کرنسی کے حامی دوسری بڑی یہ کرتے ہیں کہ کرنسی کو اپنے بنیادی مقصد یعنی تجارت میں معاونت سے ہٹا کر معاشرے کی دیگر خامیوں کو دور کرنے کی ذمہ داری دے دیتے ہیں۔ مثلاً اگرایک علاقے کی پیداوار کم ہے تو ظاہر ہے وہاں کے لوگ دوسرے علاقوں سے مصنوعات خریدیں گے اور اس عمل میں کرنسی ایک

جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گی۔اس کا حل یہ ہے کہ اس علاقے کا کاروباری ماحول بہتر بنایا جائے،وہاں صنعتکاروں اور تاجروں کو مراعات دی جائیں اور عوام میں ´ اُمقامی مصنوعات خریدنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ان اقدامات کا اصولی طور پر کرنسی سے کوئی نہیں بنتا۔مگر کمیونٹی کرنسی کے ذریعے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس کرنسی کو کہیں اور استعمال نہ کر سکیں اور اپنے علاقے کی مصنوعات لینے پر مجبور ہو جائیں۔اس Kور بنیاد پر کمیونٹی کرنسی کو علاقائی سطح پر رو س کروایا تو جاسکتا ہے،اور اگر قرض میں لین دین کے شرعی لوازمات پورے کیے جائیں تو یہ جائز بھی ہو سکتی ہے، مگر کبھی بھی عالمگیر سطح پر دینار و درہم کا متبادل نہیں بن سکتی۔

۱۱۔دینار و درہم میں ملاوٹ کے بہت امکانات ہیں

سکوں کے استعمال کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کا ہر فرد باآسانی ان کے کھرا ہونے کی تصدیق کر سکے۔ یہی مقصد کاغذی کرنسی میں بہت جا حفاظتی خصوصیات ڈال کر حاصل کیا جاتا ہے مثلاً پوشیدہ a سے، واٹر مارک(Watermark)، حفاظتی دھاگہ، آپٹیکل ویری ایبل سیاہی(Optically Variable Ink) اور اینٹی سکین(Anti-scan) طباعت۔دھاتوں کے اندر کیونکہ آسانی سے ملاوٹ کی جاسکتی ہے اس لیے لوگوں کا ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ اس نظام میں کرنسی کے معیاری ہونے کی 1 نت کیسے ہو گی۔

پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ کسی بھی H کے حفاظتی اقدامات جرائم کو حتمی طور پر روکنے کی 1 نت نہیں دے f ،بلکہ محض جرائم کو درجہ بدرجہ مشکل بنانے میں مدد دیتے ہیں۔اگر منظم انداز سے چوری کا ارادہ کیا جائے تو ہر H کے کرنسی نوٹ،ہولوگرام(Hologram)اور دیگر حفاظتی آلات کی انہی سا ت کے ذریعے جعلسازی کی جاسکتی ہے جن سے وہ اصل میں بنتے ہیں۔کرنسی نوٹ بھی جعلی بنتے ہیں اور انہیں سکوں کی نسبت کوئی مخصوص برتری حاصل نہیں۔دونوں میں جعلسازی کو قانونی سطح پر روکنا پڑے گا۔البتہ ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا سکے عام آدمی کے نقطہِ نظر سے روزمرہ تجارت کے لیے مناسب حفاظت فراہم کرتے ہیں یا نہیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ سکے کو مزید حفاظتی صفات کی ضرورت بہت کم ہے کیونکہ یہ بذاتِ خود سونے اور چاندی کی دیگر خام اشکال کے مقابلے میں ایک محفوظ شکل ہے۔جدید دور کے سکے p میں بنتے ہیں اور ان کو p کی مشینوں کے بغیر بڑے پیمانے پر تخلیق کرنا کسی صراف کے بس کی بات نہیں۔آپ تجربے کے طور پر کسی بھی جیولر کو ہمارے دینار و کالہ کے درہم دکھا کر ویسے ہی ایک سو جعلی سکے بنوانے کی کوشش کر لیں۔اگر صراف نے اتنے ہو بہو سکے بنا لیے کہ ہم بتا نہ پائیں کہ یہ جعلی ہیں تو ہم ان کو اصلی سکوں سے تبدیل کر دیں گے۔

پس ان میں جعلسازی کا واحد طریقہ یہ رہ جاتا ہے کہ p کا سامان حاصل کیا جائے۔جعلی نوٹ بنانے کے

لیے بھی خصوصی مہارت رکھنے والی پرنٹ مشینیں درکار ہوتی ہیں۔اس طرح p کے سامان پر بھی جعلساز کو بہت سرمایہ لگاناپڑے گا۔ مگر پھر بھی جعلی نوٹوں کے مقابلے میں اس کام کا منافع بہت کم ہوگا کیونکہ نوٹ میں صرف کاغذ لگتاہے، مگر جعلی سکہ بنانے کے لیے کسی حد تک اصلی سونا اور چاندی استعمال کرنی پڑے گی۔ علمِ سے واقف حضرات جا Õ ہوں گے کہ ہر دھات کا ایک مخصوص وزن ہوتا ہے۔اگر جعلی دینار میں نمایاں حد تک سونے کے علاوہ کوئی اور دھات ملائی گئی تو یا تو دینار کا وزن بدل جائے گا یا پھر پیمائش۔اور سونے کے معاملے میں یہ وزن یا پیمائش اتنی نمایاں حد تک بدل جائے گی کہ اس کہ کو باآسانی مشاہدے سے پرکھا جاسکے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا نرم ہونے کے باوجود ایک غیر معمولی طور پر بھاری دھات ہے، فولاد سے بھی ڈھائی گنا زیادہ بھاری۔ مزید یہ کہ اب ایسے آلات بھی ملتے ہیں جو کسی H کے الیکٹرانک ساز و سامان کے بغیر سکے کے وزن اور پیمائش کا تعین کر لیتے ہیں۔ان میں سے ایک فش[3] [1] نامی آلہ ہے جس میں معروف سکوں کا وزن کرنے کے لیے ایک فلکرم (Fulcrum) لگا ہوتا ہے اور پیمائش کرنے کے لیے ایک سوراخ۔

fl سونے کا سکہ بنانے کا واحد حل یہ رہ جاتا ہے کہ ایسی دھات لی جائے جو بالکل سونے ہی کی کثافت رکھتی ہو۔ اور ایسی تمام دھاتیں سونے ہی جتنی نایاب اور گراں قدر ہیں سو ان سے جعلسازی کا کوئی فائدہ نہیں۔ واحد امکان ٹنگسٹن (Tungsten) دھات کا رہ جاتا ہے جو وزن میں بالکل سونے کے قریب ترین ہے۔البتہ ٹنگسٹن کی ایک اور خصوصیت ہے جسے ہم تو دینار و درہم کے ثمنِ خلقی ہونے کی طرف قدرت کا ایک اور اشارہ سمجھتے ہیں۔وہ یہ کہ ٹنگسٹن اتنی مضبوط دھات ہے کہ اسے پر Ñ سے سکے کی شکل دینا تقریباًنا ممکن ہے۔ سونے کی ڈلیاں کیونکہ سونا ڈھلا کر بنائی جاتی ہیں، اس لیے یہ ممکن ہے کہ ٹنگسٹن کو ڈھلا کر اس کی ایک پلیٹ بنالی جائے اور اوپر سونے کی ایک تہہ لگادی جائے۔ سکے ڈھلا کر سا a ں میں ڈال کر نہیں بنتے بلکہ انہیں پر Ñ میں رکھ کر دباؤ ڈال کر شکل دینی پڑتی ہے۔اور ٹنگسٹن دھات اتنی مضبوط ہے کہ وہ ایسا دباؤ قبول نہیں کرتی۔دوسری طرف دینار اتنا پتلا ہے کہ اس کے اندر ٹنگسٹن کے پلیٹ ڈال کر اوپر سونے کی تہہ لگا کر اسے شکل دینا اتنا مشکل عمل ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور یورپ میں امریکن ایگل (American Eagle)، میپل لیف (Maple Leaf) اور کروگر# (Krugerand) جیسے سونے کے سکوں کی بڑی منڈی ہونے کے باوجود تاریخ میں ایک بار بھی ٹنگسٹن ملے سکے کی اطلاع نہیں آئی۔

---

www.fisch.co.za 143

۱۲۔ کاغذی کرنسی کا استعمال حرام نہیں تو پھر ہم دینار ودرہم کو کیوں اپنائیں

کاغذی کرنسی کو قطعی طور پر حرام قرارد B میں ایک مسئلہ جو ہمیں خود بھی پیش آیا اور جسے لوگ بھی بجا طور پر اٹھاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس کا استعمال ہر خاص وعام کے ہاں برسوں سے رائج رہا ہے۔ اس میں عام لوگوں کے استعمال کو تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے، مگر خواص کے زیرِ استعمال رہنے کی وجہ سے یہ احتمال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ قطعی طور پر حرام ہوتا تو وہ لوگ جن کے جذبہ ایمانی پر ہمیں کوئی شک نہیں، وہ اسے زیرِ استعمال نہ رکھتے۔ اس بنا پر عام آدمی کے لیے دینار تحریک کے اس دعویٰ کو قبول کرنا کچھ مشکل ہو جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی حرام ہے۔

اس ~ کو سمجھنے کے لیے ہمیں الفاظ کا درست [ؤ کرنا ہے۔ مثلاً عام طور پر آپ نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہو گا کہ خنزیر حرام ہے۔ اس سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے، حالانکہ زیادہ X ط انداز سے یہ جملہ ہی غلط ہے، کیونکہ خنزیر اللہ سبحانہ وتعالی کی بنائی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور حلال یا حرام ہونے کا اطلاق اسم کے اوپر نہیں بلکہ کے اوپر ہوتا ہے۔ پس صحیح جملہ یہ ہو گا کہ خنزیر کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اسی طرح جب ہم دینار تحریک میں کاغذی کرنسی کو حرام کہتے ہیں تو اس x کے صحیح — کو « ضروری ہے، جس سے معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔

موجودہ کاغذی کرنسی کو 6 اًرائج کرنا، اور اس کو سودی عمل سے تخلیق کرنا، یہ دونوں اس کے کرنے والوں، یعنی حکومتوں اور بینکوں پر حرام ہیں۔ اور اس کی براہِ راست ذمہ داری کمرشل بینکوں، مرکزی بینک اور وزارتِ مال کے اوپر آتی ہے۔ البتہ جب یہ کرنسی جاری ہو جاتی ہے، تو عوام اس کو محض ثمنِ عرفی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی نیت میں نہ ہی اس کے ذریعے سودی معاملہ کرنا ہوتا ہے، اور نہ ہی " الدین یا قرض کا معاملہ۔ پس، کاغذی وحکیکرنسی کی تخلیق اور اجرا دونوں قطعی طور پر حرام ہیں، مگر ثمن ا فی کے طور اس کا استعمال حرام نہیں، بلکہ اس بنا پر ~ وہ ہے کہ یہ اس حرام نظام کو قائم رکھنے میں معاون ہے۔

اس لیے ہم عام آدمی پر فرض نہیں کر f کہ وہ کاغذی کرنسی کا استعمال قطعاً اور فوراً ترک کر دے۔ یہاں تک کہ دینار ودرہم کو فروغ د B کے لیے ہماری اپنی حکمتِ عملی کا ایک جزیہ ہے کہ لوگ اپنی کاغذی کرنسی کے اثاثوں کو دینار ودرہم اور سونے اور چاندی میں تبدیل کر لیں۔ اور چونکہ سونا منڈی میں کاغذی کرنسی کے عوض ملتا ہے، اس لیے ہم خود مجبور ہیں کہ یہ عمل ہمیں فی الحال کاغذی کرنسی میں کرنا پڑتا ہے۔ پس ایک طرح سے ہم خود ضرورت کے تحت کاغذی کرنسی میں تجارت کی رخصت حاصل کر رہے ہیں۔ اور جب کرنسی کو دینار سے بدلا یا جا سکتا ہے تو آٹے اور نمک اور سودے سلف کی خریداری کے لیے کیوں نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے جب اپنے آپ کو اس نظام کے حصار میں پایا، تو مجبور ہو کر کاغذی کرنسی ہی استعمال کرتے رہے، اور اب بھی کر رہے ہیں۔ مگر اس کتاب کو پڑھ کر آپ یہ ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ اسے حرام قرارد B سے دینار تحریک کی کیا مراد ہے۔ جب تک لوگ اس رخصت کو گلے سے لگائے ر N گے اور کرنسی استعمال

کرتے رہیں گے، یہ سودی نظام ختم نہیں ہو گا۔ پس، ہمیں یہ کہنے کی اجازت د Ì کہ دینار ودرہم کے بحیثیت متبادل سا g آجانے کے بعد، مقربین پر فرض ہے کہ وہ کاغذی کرنسی کو ترک کر کے دینار ودرہم کے فروغ کے لیے عملی یا نظریاتی جد وجہد کریں اور اصحاب ا 7 کے لیے اس کاغذی کرنسی کے استعمال کی صرف اس وقت تک رخصت ہے جب تک کہ مقربین ایسا متبادل نظام $ انہ کر دیں کہ اس رخصت کی ضرورت باقی نہ رہے۔

باب دہم

مستقبل کا لائحہ عمل

کھول کر آنکھیں میرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی د« لی سی اک تصویر دیکھ

تمام ابواب میں ہم نے اسلامی دینار کو اپنانے کی نظریاتی بنیاد رکھی۔ اب ہم اس کی عملی منصوبہ بندی سے متعلق اپنی حکمتِ عملی پیش کرتے ہیں، جس میں کچھ نکات ملائیشیا اور انڈونیشیا کے تجربے سے حاصل کیے گئے ہیں، اور کچھ گزشتہ پانچ سال پر محیط اپنی کاوشوں کے تجربے سے۔

دینار و درہم دورِ جدید میں ہر خاص و عام کے لیے ایک نیا تصور ہے۔ غیر مانوس چیز سے انسان طبعی طور پر خوف کھاتا ہے اور شک کی { ہ سے د ¶ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے تکذیب کرنے والوں کی ایک نشانی یہ بتائی کہ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب سے منحرف نہیں ہونا چاہتے کیونکہ اس پر انہیں بچپن سے مانوسیت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر h چیز کو جس منفی ماحول کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی طرف قرآن کی ایک آیت تو اشارہ کرتی ہی ہے [1]، مگر سا اور تحقیقی دنیا میں اس کا سب سے بے باک اور خوبصورت اعتراف کوانٹم طبیعات کے بانی میکس پلینک (Max Planck) نے کیا۔ لکھتے ہیں کہ ایک h سا حقیقت کبھی اس طرح O لِ عام نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لفین کو روشنی دکھا کر ان کو قائل کر لے۔ بلکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے لفین با؟ خر ناپید ہو جاتے ہیں، اور ایک h نسل پیدا ہوتی ہے جو اس حقیقت کو قبول کر لیتی ہے[R 1]۔

اس ابتدائی منفی رویے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے حوصلہ ' افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو اس مقصد کو نظریاتی بنیادوں پر قائم کرتے ہیں۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ عام ہو جاتا ہے اور اس کا محور نظریات سے ہٹ کر اقتصادیات کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ کوئی برا عمل نہیں اور نہ ہی اسے برا « چاہیے۔ دینار و درہم کو اپنانا فی الواقع ایک مشکل کام ہے، جس کے لیے نظریاتی لگن چاہیے۔ مگر یہ قدرتی اور ضروری عمل ہے کہ اس کی اپنا Ü اس مشکل مرحلے سے نکل کر عوام کے لیے کوئی خوبی اور آسانی پیش کرے، یہاں تک کہ اس کی اپنا Ü نظریاتی جہاد کی بجائے اقتصادی ترجیح بن جائے۔ یہی اسلامی اصولوں کا ایک خوبصورت پہلو ہے کہ قربانی د B والے جب بدر و حنین کے مقام سے گزر کر اسے رائج کر جاتے ہیں، تو پھر ان کی نسلیں اس کا ثمر کھاتی ہیں۔ دینار و درہم کے نظام میں Öں عوام کے لیے اقتصادی آسانیاں اور فوائد خود اس کی ç یت کا باعث بنیں گے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ کچھ اہلِ نظر افراد مل کر ایک بار اسے $ اکر دیں۔ یہی ہمارا مقصد ہے، اور اب ہم ایسے افراد کے لیے کچھ عملی نکات پیش کرتے ہیں۔

Al-Quran 2:170144

Scientific Autobiography and Other Papers, trans. F. Gaynor (New 145 York, 1949), pp.33-34

دینار ودرہم کیفراہمی

سب سے بنیادی کام دینار ودرہم کو معاشرے میں ہر شخص کے لیے قابلِ رسائی بنانا ہے۔اس کا ایک پہلو ان کا مادی طور پر د ب ہونا ہے اور دوسرا ان کی قیمتوں کا قابلِ خرید ہونا۔ معاشرے میں ان کی سستے داموں فراہمی کے تین طریقے ہیں۔ایک حکو 0 سرپرستی کے ساتھ دوسرا وقف بنیادوں پر اور تیسرا نجی سطح پر۔

حکومت کا کام عوام کے اجتماعی معاملات میں سہولت پیدا کرنا ہے، جس میں منڈی میں نظم ونسق کا خیال رکھنا، یعنی اس کو ریگولیٹ (Regulate) کرنا، بھی شامل ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کو ایک قابلِ J دکرنسی کی فراہمی بنائے، جس کا ایک بالوا Ò نتیجہ ہے کہ وہ دینار ودرہم کو خود تخلیق کرے۔اس کو ہم بالوا Ò اس لیے کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ بذاتِ خود مقصد نہیں، بلکہ عوام کو تجارتی سہولت مہیا کرنے اور دینی لحاظ سے ل کو قائم رکھنے کے مقصد کے تحت ہے۔اس کے برعکس، غیر اسلامی حکومتوں میں سکہ اکثر بادشاہ کے جاہO ل اور خزانے پر اجارہ داری برقرار رکھنے کے لیے جاری کیا جاتا تھا، اور بسا اوقات بادشاہ خود سکوں میں ملاوٹ بھی کردیا کرتے تھے۔

اسلامی حکومتوں میں ہمیں سب سے پہلے عہدِ فاروقی میں دینار ودرہم کے معیار کو حکو 0 سطح پر قائم کرنے کی مثال ملتی ہے۔ان کے دور میں جو @ نسوی درہم اسلامی درہم کے وزن سے زائد کے ہوتے، آپ ان میں سے کچھ دھات کٹوا کر ان کا وزن صحیح کرواتے اور پھر ان کے اوپر لفظ جید C ادیتے، جس سے اچھے اور برے سکے کی تمیز ہو جاتی۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سکوں کو ایک اسلامی رنگ د B کے لیے ان کے اوپر Z اللہ بھی C ائی۔

اسی طرح اسلامی تاریخ کے سب سے پہلے دینار کی تاریخ درج کرتے ہوئے ابنِ < ون اپنی کتاب مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اس کی ایک بنیادی وجہ منڈی میں تاجروں کو سہولت مہیا کرنا تھی، کیونکہ بہت سے نا سکے بھی سا g آنے لگے تھے جن کی وجہ سے حکومت نے خود سکے جاری کرنے کا ارادہ کیا [1]۔چونکہ اس دور میں سکوں کے معیار کو بنانے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ انہیں خود جاری کیا جائے، اس لیے ابنِ < ون نے دینار ودرہم کی تخلیق کو اسلامی حکومت کے سات اہم ترین فرائض میں بھی شامل کیا اور بعد میں آنے والی حکومتوں کی یہ ایک 5 روایت بن گئی کہ حکومت اپنے نام سے قابلِ اعتبار سکے جاری کرتی۔

آج جب ہم دینار ودرہم کو P ل کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، تو ہمارا بھی سب سے پہلا قدم یہی ہونا چاہیے کہ ہم ان کو حکو 0 سطح پر P ل کریں۔

Ibn Khaldun. Trans: Franc Rosenthal. The Muqaddimah: An 146 Introduction to History. Princeton. pp 217. "… the frauds practiced with Dinar and Dirham eventually became very serious. According to reports, Abd-al-Malik ordered Al-Hajjaj to coin Dirhams, and bad coins to be distinguished from good ".ones

عملی قدم نمبر ا: حکو O عہدوں پر فائز یا سیاست سے رکھنے والے افراد اپنے حلقہِ اثر میں حکومت کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اسلامی معیار کے مطابق دینار و درہم جاری کریں۔

یہاں ایک اہم بات یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ حکومت کا سکوں کی تخلیق کا اصل مقصد ہمیشہ عوام کی خوشحالی اور تجارتی معاملات میں آسانی لانا ہے۔ ورنہ حکو O منافع کی خاطر تو امریکہ میں بھی امریکن ایگل سکے جاری کیے جاتے ہیں۔ تجارتی معاونت کا مقصد › عمہ کے جید اور غیر جید سکوں کو الگ کرنے سے بھی ثابت ہے۔ بلکہ ان کے اس اقدام کا موازنہ جدید دورِ میں سرٹیفکیشن (Certification) کے عمل سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح حکو › مالیاتی اداروں کو لائسنس دیتی ہیں اور ان کے طرزِ عمل پر نظر رکھتی ہیں، اسی طرح آج¾ حکو › یا تو دینار و درہم کو خود تخلیق کر سکتی ہیں، یا پھر ان کے وزن اور معیار کو بنانے کے لیے قوانین اور قواعد وضوا بنا سکتی ہیں۔ پرانے زمانے میں اس اعتبار کو قائم کرنے کا واحد طریقہ اس کام کو خود کرنے میں تھا، جس وجہ سے ابنِ ‹ ون نے اسے حکومت کے فرائض میں شامل کر دیا اور یہ اسلامی حکومتوں کی ایک روایت بن گئی۔ مگر در حقیقت یہ حکومت کی ایک بالوا Ò ذمہ داری ہے جو تجارت کو } بنانے اور عوام کو دھوکہ دہی سے بچانے کے اصل مقصد کے تابع ہے۔ ہماری آج¾ کی جمہوری طرز کی حکو › نہ صرف اس فرض سے منحرف ہیں، بلکہ اس کے بر عکس سودی نظام کا پرچار اور 5ذ کر رہی ہیں۔ اس لیے دینار و درہم کو Pل کرنے کا فرض کسی حد تک عوام کے اوپر آ جاتا ہے کہ وہ غیر سرکاری اور نجی سطح پر اسے استوار کریں۔

حکو O سرپرستی کے علاوہ دینار و درہم کی Pلی کا دوسرا اہم طریقہ نان پرا — فاؤنڈ (Non-Profit Foundations) کے ذریعے ہے۔ تاریخی طور پر یہ شعبہ سکوں کی سستی فراہمی میں بہت معاون رہا ہے۔ وقف کے ماڈل میں ایک بنیادی اثاثہ جیسے زمین یا کوئی بڑی رقم ہمیشہ کے لیے کسی مقصد کے لیے مختص کر دی جاتی ہے۔ عوام میں سے کچھ مخیر حضرات یا حکومت مل کر ایک بار ایسا ادارہ $ اکر کے اس کے لیے زمین ، مشینیں اور ایک ا#و þ فنڈ (Endowment Fund) مختص کر f ہیں۔ پھر یہ ادارہ ہمیشہ کے لیے سستے داموں اور Ó منافع سکوں کی بنوائی کی خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ میں بھی یہی ماڈل نمایاں نظر آتا ہے جہاں استنبول کی دربان امیر þ کے اخراجات حرمین وقف سے پورے کیے جاتے تھے۔

عملی قدم نمبر ۲: عوام کو صدقہِ جاریہ کے طور پر ایک وقف فاؤنڈیشن کے ذریعے þ کرنے میں معاونت کرنی چاہیے۔ حکومت کی دینار و درہم میں عدم دلچسپی کا ازالہ کرتے ہوئے یہ ادارہ عوامی Qیت سے سستے داموں قابلِ اJ دسکے مہیا کرنے پر مامور ہو گا۔

حکومت اور وقف کے علاوہ سکے د ب کرنے کا تیسرا طریقہ نجی سطح پر پرائیویٹ $ ں کے ذریعے ہے۔ حکومتوں کے حرکت میں آنے اور وقف اداروں کے لیے عوام کی Qیت حاصل کرنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے۔ اس کے بر عکس کاروباری دنیا جہاں کسی مفید خدمت کی منڈی میں مانگ دیکھتی ہے تو فوراً متحرک ہو کر اس مانگ کو

پورا کرنے میں لگ جاتی ہے۔ ہم ذاتی طور پر سمجھتے ہیں کہ سکوں کی فراہمی کے لیے کسی ایک طبقے کو مختص کرنے کی بجائے، حکو O ، عوامی اور نجی تینوں سطحوں پر اسے r لنے دینا چاہیے، تاکہ ان کا تقابل عوام کو بہترین X ئج پہنچا سکے۔ یاد رہے کہ اسلامی بینکاری کا پورا تجربہ بھی نجی سطح پر قائم ہوا اور دینار ودرہم کو بھی اسی طرح نجی سطح پر فروغ مل سکتا ہے۔ اس ضمن میں ہم اپنے ادارے دینار وکالہ کا تعارف باب میں کروا چکے ہیں جو امریکہ میں سکے تخلیق کر کے پاکستان اور پوری دنیا میں مہیا کر رہا ہے۔ مستقبل میں ہم ان کی تخلیق کا مرکز پاکستان میں بھی قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ ہمارے علاوہ بھی لوگ اس میں دلچسپی لیں، اور آزاد منڈی میں مقابلے کی ایک M میں دینار ودرہم سستے ترین داموں عوام تک پہنچ سکیں۔

عملی قدم نمبر ۳: صاحبِ ثروت افراد اور صنعت کاروں کو دینار ودرہم کی تخلیق کے لیے سرمایہ کاری کرنی چاہیے۔ دھاتوں کی صنعت سے منسلک افراد خصوصی طور پر اس میں دلچسپی لے f ہیں اور اسلامی معیار کے مطابق سکے بنا کر کچھ منافع پر عوام کو مہیا کر f ہیں۔

یہاں منافع بجا طور پر جائز ہے کیونکہ سکے تخلیق کرنا ایک محنت طلب کام ہے اور ہر مزدور کو پورا حق ہے کہ اپنی محنت اور ہنر کی اجرت لے۔ سکوں کے دام نہ صرف ان کی بنوائی کی قیمت ہیں بلکہ اس سہولت کی بھی قیمت ہیں جو یہ سکے صارف کو پہنچا رہے ہیں یعنی تجارت میں آسانی اور اپنے مال کی قوتِ خرید کا افراط زر سے بچاؤ۔

اشتراکیت سے متاثر کچھ افراد اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ کرنسی کی د بی کسی H کے مارک اپ (Markup) یا منافع کے بغیر ہونی چاہیے۔ یہ تاثر اس لیے غلط ہے کیونکہ بظاہر جو سہولیات ہمیں منافع کے بغیر لگ رہی ہوتی ہیں، وہ بھی اپنی ایک ڈھکی i قیمت رکھتی ہیں جو کہ بالوا Ò ہونے کی وجہ سے نظرانداز کر دی جاتی ہے۔ مثلاً جب حکومت سکے تخلیق کرے گی تو اسے بھی اس کام کے لیے خرW کرنا پڑے گا، اور یہ خرچ وہ ہمارے G کے پیسے سے نکالے گی، یعنی وہ پیسہ جو کسی اور صورت میں Ø d اور سکول بنانے میں صرف ہوتا۔ پس اس بالوا Ò اور غیر Ø س انداز میں بھی معاشرے نے ان سکوں کی قیمت ضرور ادا کی ہو گی۔ یہ ایک d ہ بحث ہے کہ کوئی بھی خدمت جو نجی طور پر فراہم کی جائے وہ حکو O اداروں سے اکثر زیادہ موثر رہتی ہے۔ البتہ یہ بات ہم صرف دینار ودرہم کی فوری فراہمی کو ممکن بنانے کے لیے اس میں دلچسپی رکھنے والے نجی اداروں کی حوصلہ افزائی کے لیے کر رہے ہیں۔ طویل المدت پا کے تحت یہ کام حکومت ہی کو کرنا چاہیے، کیونکہ کرنسی ایک حساس چیز ہے جسے ہم آہنگ طور پر پوری قوم کو فراہم کرنے کا کام حکومت بہتر طریقے سے کر سکتی ہے۔

اب سکوں کی تخلیق میں ایک اور دشواری یہ دیکھیے کہ ایک p یا سکوں کی @ ی کا مکمل ساز و سامان بہت مہنگا ہوتا ہے۔ اس لیے اگر یہ نجی سطح پر بھی کیا جائے تو بہت سے افراد کو مل کر کرنا پڑے گا۔

عملی قدم نمبر ۴: چند بڑے سرمایہ کاروں کی بجائے بہت سے چھوٹے چھوٹے سرمایہ کار اسلامی مشارکت کے اصول پر اپنا سرمایہ جمع کر کے اس مقصد کو حاصل کر f ہیں۔ اس ضمن میں یا تو ایک پبلک لمیٹڈ کھولی جا سکتی

ہے، یا پھر بہت سے لوگ مل کر وقف قائم کر f ہیں۔

عملی قدم نمبر۵: دینار و درہم کی تخلیق کے بعد ایک اور اہم کام ان کی معاشی منڈی میں فراہمی ہے۔ اس کے لیے سب سے موزوں شعبہ جیولرز کا ہے جو پہلے ہی سونے اور چاندی کے کام سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ تمام جیولرز کو چاہیے کہ وہ اپنے پاس دینار و درہم کی خرید و فروخت بھی شروع کر دیں، اور اپنی دکانوں کی وساطت سے اس کا / ربیدار کریں۔ منی چینجرز (Money Changers) اور سپر مارکٹ سٹور بھی دینار و درہم کی فروخت کے لیے موزوں ترین جگہیں ہیں۔ وہ دکاندار ان جو اپنی دکانوں میں دینار و درہم فروخت کرنا چاہیں، وہ کسی بھی دینار و درہم کے بنانے والے سے رابطہ کر کے انہیں تھوک پر حاصل کر f ہیں، اور منافع پر فروخت کر f ہیں۔ دکانوں کے علاوہ کوئی بھی شخص اپنے دفتر، گھر یا ہاسٹل میں ان کی فروخت کا انتظام کر سکتا ہے اور ان کی فراہمی کی مقامی سطح پر Æ کر سکتا ہے۔

دینار و درہم کی آگاہی

عملی قدم نمبر٦: دینار و درہم کے بارے میں / ربیدار کرنے کے لیے جس شخص کے پاس جو بھی ذرائع ہوں وہ انہیں استعمال کر سکتا ہے جس میں پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا شامل ہیں۔ اس کام میں معاونت کے لیے ہماری اور اسلامک p کی ویب سائٹوں پر مختلف پوسٹر، پمفلٹ اور تصاویر موجود ہیں۔ | اداروں میں اس پر سیمینار کیے جا f ہیں، مسجدوں میں پروگرام کیے جا f ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ اگر ہر شخص صرف اپنے حلقۂ ا ب ہی میں انہیں رو س کروادے تو یہ بھی ملٹی لیول مارکیٹنگ کی طرح بہت موثر ثابت ہو سکتا ہے۔ ہماری یہ کتاب بھی اسی ضمن میں ایک کوشش ہے تاکہ جس جس تک دینار و درہم کی آگاہی پہنچے وہ اس کتاب کی وساطت سے مزید معلومات حاصل کر سکے اور اپنے شکوک و شبہات دور کر سکے۔ یہ کتاب اس موضوع پر مزید لٹریچر کی حوصلہ افزائی کرے گی اور اہلِ علم میں اس = موضوع پر ایک اجتماعی مکالمے کو جنم دے گی۔

یہاں علما و مشائخ، جدید اور روایتی | اداروں کے اساتذہ اور ملک بھر میں مساجد کے امام بہت اہم کردار ادا کر f ہیں۔ دینار و درہم کی سنت کو قائم کرنے میں رہنمائی کرنا ان کا فرض بھی ہے اور یہ ان پر ہمارا حق بھی۔ اور اگر کسی مسجد سے اس اذان کے گونجنے میں تاخیر ہو جائے تو یہ مقتدین کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے علاقے میں اس پیغام کو پہنچائیں۔

تجارت میں استعمال

عملی قدم نمبرے: ہر شخص کو نجی طور پر اپنے مالی معاملات اور تجارت میں دینار اور درہم کو قبول کرنا شروع کر دینا چاہیے۔ دکاندار اپنی اشیا ان میں فروخت کرنا شروع کر دیں۔ کاروباری معاہدوں کو روپے کی جگہ دینار و درہم میں تحریر کریں۔ اپنے ملازمین کو تنخواہ کا کچھ حصہ دینار و درہم میں ادا کریں اور کاروبار اپنی وصولیوں میں دینار و درہم کے استعمال کی باضابطہ اجازت دے دیں۔ دکاندار خصوصی طور پر یہاں روپے کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کر f ہیں کہ اگر وہ صرف اپنے نرخ کی Æ دینار و درہم میں کرنا شروع کر دیں اور اپنی دکانوں پر کریڈٹ کارڈز کی وصولی کے سٹیکر کی طرح دینار کے سٹیکر بھی لگالیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خریداروں کو چاہیے کہ ہمیشہ دکانداروں کو دینار و درہم میں سودا طے کرنے کی پیشکش ضرور کریں چاہے انہیں علم ہو کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔

دینار و درہم کا تجارت میں استعمال ہونا ہی ان کے وجود کا اصل مقصد ہے۔ ہم نے دینار کو محض سونا جمع کرنے کا ایک نیا طریقہ نہیں بنانا بلکہ اسے کرنسی کے طور رائج کرنا ہے۔ دشواری یہ ہے کہ عام آدمی کی آمدن کا بہت بڑا حصہ ماہانہ اخراجات میں چلا جاتا ہے۔ مثلاً اگر میری تنخواہ ۱۰۰ روپے ہے، تو شاید میں بمشکل ۲۰) بچت میں ڈالوں، ۸۰) سے گھر چلاؤں۔ اپنی بچت کو سونے میں ڈالنا بہت آسان ہے مگر روزمرہ استعمال کی رقم سونے چاندی میں نہیں ڈالی جا سکتی جبکہ اسے ایک ,, بعد ہی استعمال کرنا پڑے تو کون درہم بیچ کر واپس روپوں میں تبدیل کرے۔ کیش فلو (Cash Flow) قائم رکھنے کا یہ مسئلہ فرد کو بھی پیش آئے گا اور کاروبار کو بھی۔ اسے ضروری طور پر حل کرنے کی ایک معقول وجہ تو صرف یہی ہے کہ اگر دینار و درہم نے ہمیں مہنگائی اور افراطِ زر سے بچانا ہے تو ہمارے تمام مال کو اس میں تبدیل ہونا چاہیے۔ جب سونے کی قدر بڑ گی تو صرف بچت کو سونے میں تبدیل کرنے سے معاشرے کو ۲۰) کے حساب سے فائدہ ہو گا۔ اس کے برعکس اگر سب لوگ دینار و درہم کو قبول کرنا شروع کر دیں گے تو معاشرے کے باقی ۸۰) اثاثے بھی اپنی قدر میں بڑھ جائیں گے اور مہنگائی اور افراطِ زر کا مجموعی طور پر خاتمہ ہو سکے گا۔ اس کی لازمی شرط ہے کہ انہیں آگے خرچ کیا جا سکے، یعنی منڈی میں ہر شخص انہیں قبول کرے تاکہ واپس روپوں میں تبدیل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

آW اب دینار و درہم کی عام قبولیت میں دو بڑے مسائل کا جائزہ لیتے ہیں جن میں سے ایک محض ˇ تی ہے اور دوسرا ˆ ہے۔

قبولیت میں پہل کون کرے؟

عوام اپنی اکثر عادات و معمولات معاشرے سے اثر انداز ہو کر اپناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امر با { وف کو

عام کرنے کے لیے محض اس کی تعلیم د B کی بجائے اس کو تر 6 میں لانا پڑتا ہے اور اس کے گرد ایک ن وضع کرنا پڑتا ہے۔ پس جب ہم پہلے ۲۰) لوگوں کو دینار و درہم کے استعمال پر لے آئیں گے تو اس تجربے کی کامیابی اور سہولت کو دیکھ کر باقی ۸۰) لوگ خود بخود اس پر منتقل ہو جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ان کے استعمال کو جاری کیسے کیا جائے۔

اس کے لیے دو بنیادی شرائط ہیں۔ اول یہ کہ دینار و درہم لوگوں کی ملکیت میں ہونے چاہییں، کیونکہ تب ہی وہ ان کو خرچ کر سکیں گے۔ دوم یہ کہ منڈی ان کو تجارت میں قبول کرے۔ اور ان دونوں میں سے پہلے کیا چیز قائم ہو، یہ انڈے اور مرغی کی معروف مثال ! سوال ہے۔ کیا پہلے لوگ دینار و درہم خریدیں گے، اور ہر شخص کے پاس ان کی ملکیت عام ہو جانے کی وجہ سے ان میں تجارتی معاملات طے ہونا شروع ہو جائیں گے؟ یا پہلے ایک ایسا نظام قائم ہو گا جس میں دینار و درہم میں تجارتی معاملات طے ہو سکیں تو پھر اس نظام کی وجہ سے لوگ انہیں خریدیں گے اور ان کی ملکیت عام ہو گی؟

شروع میں جب کریڈٹ کارڈ (Credit Card) جاری ہوئے تو بالکل ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ پہلے پہل کریڈٹ کارڈ بنوانے والوں میں یہی تامل تھا کہ جب سب دکاندار اسے قبول کرنے پر راضی ہو جائیں تب کارڈ بنوائیں۔ دوسری طرف دکانداروں میں بھی یہی تامل تھا کہ جب تک متعدد لوگ کارڈ نہ بنوالیں اور ان سے خریداری نہ کرنا چاہیں، تب تک کارڈ کو قبول کرنے کی Ñ لگانے کا خرچ روک لیا جائے۔

اس معاملے کا کوئی حتمی جواب نہیں۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا میں پہلے سکوں کو عام کرنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس ہم ذاتی طور پر پہلے ان میں تجارتی معاملات طے کرنے کی سہولت مہیا کرنے کے حامی ہیں۔ بہر طور یہ دونوں کام ساتھ ساتھ چلنے چاہییں تاکہ ایک دوسرے کو فروغ دے سکیں۔ یہی وہ صور ل ہے جہاں ابتدا میں ہمیشہ ایسے مخلص اور صاحب نظر افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو باقی عوام کی عملی رہنمائی کر سکیں، اور رواج سے ہٹ کر ایک = عمل، = راستے کی بنیاد ڈالیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دینار کو خرچ کرنے کے امکان کے بغیر اسے خریدیں گے، اور اس میں ادائیگی کرنے والوں کی موجودگی کے بغیر اسے قبول کرنے کا دعوی کریں گے۔ دینار و درہم کو یوں اولین اپنانے والے ہی انشاءاللہ اس گروہ میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں پیغمبر نے بشارت دی ہے کہ وہ میری سنت کو اس زمانے میں Pل کریں گے جب وہ ترک ہو ہو گی، اور ان کو ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جو بعد میں اس سنت پر عمل ، اہوں گے [1]۔ ہر علاقے میں جب کچھ لوگ اس معاملے میں پیش قدمی کریں گے تو باقی معاشرے کا بھی اس پر اJ د قائم ہو گا اور یوں سی پی آر (CPR) کے عمل کی طرح اس ابتدائی " رے کے بعد یہ نظام خود سانس پکڑ لے گا اور پھلتا r _ چلا جائے گا۔

---

1 Sunan ibn Maajah, 209147

دینار و درہم کی قیمت کیا ہو؟

دینار و درہم کی تجارت میں اپنا Ü کا دوسرا بنیادی مسئلہ ان کی قیمتوں کا تعین ہے۔ اگر میں درہم کو J س روپے کا سمجھتا ہوں اور آپ سا 1 روپے کا، تو ہم تجارت نہیں کر f ۔ جس طرح J س روپے میرے اور آپ دونوں کے لیے J س روپے ہی ہیں، اسی طرح اشیا کی دینار و درہم میں قیمتوں اور دینار و درہم کی روپے میں قیمتوں کے ہم آہنگ تصور کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔

خام سونے اور چاندی کی قیمتوں پر تو معاشرہ پہلے ہی سے Ô ہے جس کے نرخ اخبار اور ٹی وی پر شائع بھی ہوتے ہیں۔ یہ قیمتیں بینکوں ہی کی اجارہ بند عالمی منڈی میں طے ہوتی ہیں مگر جس حد تک عوام میں O ل ہیں اس حد تک دینار و درہم کے فروغ میں معاون ہو سکتی ہیں۔ دینار و درہم کی قیمت کے تعین میں اب مسئلہ صرف ان کی بنوائی کی اضافی قیمت کا رہ جاتا ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیا کہ ہر اجتماعی نظام کو چلانے کے لیے معاشرے کو کچھ وسائل اس کے لیے مختص کرنا پڑتے ہیں۔ کاغذی کرنسی نظام میں بھی سٹیٹ بینک کے اہلکار تنخواہیں لیتے ہیں اور پرنٹنگ کی مشینوں پر خرW کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں کو سونا اور چاندی کی کان کنی کرنی پڑے گی اور وقت، سرمایہ اور ہنر صرف کر کے سکے þ (Mint) کرنے ہوں گے۔ معاشرے کی طرف سے ان کو اس خدمت کی اجرت سکوں کی اضافی قیمت کی شکل میں ادا کی جائے گی۔ اور یہ   ہونی چاہیے اس کا فیصلہ بھی خود عوام کریں گے۔

منڈی میں ہر چیز کی قیمت اس کی رسد و طلب کے تقابل سے متعین ہوتی ہے۔ اگر کسی نے دینار پر زائد منافع لینے کی کوشش کی تو عوام اس کی بجائے کسی دوسرے صنعتکار سے دینار لینا شروع کر دیں گے اور اگر دوسرے صنعتکار بھی C ہوئے تو عوام حکومت پر زور دے کر یا وقف اور پبلک $ ں کی مدد سے اپنے لیے خود دینار تخلیق کرنا شروع کر دیں گے۔ اس کے برعکس اگر دینار پر منافع اتنا کم ہوا کہ صنعتکار اس کام میں داخل ہی نہ ہوئے، تو پھر رسد کے طلب سے کم ہونے کی وجہ سے عوام کو مجبوراً دینار کی بنوائی کی قیمت بڑھانی پڑے گی۔

پس دینار کی بنوائی کی قیمت کا کوئی جامد تعین نہیں کیا جا سکتا۔ آسان الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ جس قیمت میں آپ کو کہیں اور سے ویسے ہی دینار و درہم مل f ہوں، وہی ان کی صحیح قیمت ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عملی طور پر چند معروف H کے سکے منڈی میں زیادہ مشہور ہو جاتے ہیں اور بڑے پیمانے پر استعمال ہونے کی وجہ سے ان کی قیمت کا ایک ہم آہنگ تصور معاشرے میں قائم ہو جاتا ہے، جیسے عالمی منڈی میں میپل لیف (Maple Leaf) اور امریکن ایگل (American Eagle) کی قیمت کچھ مخصوص حدود سے کبھی تجاوز یا تخفیف نہیں کرتی۔ البتہ منڈی میں قیمت دریافت کرنے کے عمل کے دوران یہ ہم آہنگی پیدا ہونے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے، خصوصاً اگر حکومت کی سرپرستی شامل نہ ہو۔ مگر ! کہ ایک چینی کہاوت ہے کہ لمبے سے — بھی پہلے قدم سے شروع ہوتا ہے۔ سو

ہم پاکستان میں دینار ودرہم کی فراہمی کا بندوبست کرتے ہیں اور پھر عوام خود ہی ان کی جائز قیمت کا تعین کر کے ان کو تجارت میں استعمال کرنا شروع کر دیں گے۔

عملی قدم نمبر ۸: اپنے اثاثوں کو دینار ودرہم میں تبدیل کرتے وقت یہ ضرور دیکھیے کہ کوئی آپ سے ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھا رہا، مگر دینار ودرہم کی منڈی کے چھوٹے اور ابتدائی مراحل میں ہونے کی وجہ سے اس کی حوصلہ افزائی کیجیے اور ان کو بنوائی کی قیمت کے ساتھ قبول کیجیے، تا کہ پورے معاشرے میں ان کی قیمت کا ایک ہم آہنگ تصور قائم ہو سکے۔

اشیا کی دینار ودرہم میں قیمت کیا ہو؟

بنوائی کے علاوہ دینار کی قیمت کا دوسرا حصہ سونے کے نرخ پر ' ہے۔ یہاں ایک بہتری تو یہ ہے کہ عالمی منڈی میں سونے کی قیمت پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ان کے نرخ ہر روز تبدیل ہوتے ہیں۔

اگر منڈی میں درہم ۱۰۰ روپے بنوائی کے ساتھ بک رہا ہو، اور چاندی اس دن ۱۰۰ روپے گرام ہو، تو درہم کی قیمت ۴۰۰ بن جائے گی اور دا ' کی ۶۶ روپے۔ یہاں دکاندار ہر چیز کی قیمت کو ۴۰۰ یا ۶۶ روپے سے تقسیم کر کے درہم یا دا ' میں متعین کر سکتا ہے۔ دوسرے دن اگر چاندی کی قیمت میں ۲۰ روپے کا اضافہ ہوا تو کیا اسے دوبارہ ہر چیز کی قیمت تبدیل کرنا پڑے گی؟ ظاہر ہے کہ ہر روز قیمتیں تبدیل کرنا کسی بھی تاجر کے لیے ممکن نہیں۔

اس معاملے کا ایک آسان حل موجود ہے۔ بلکہ یوں 8 کہ اس کے حل کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس کا ہمارے رویوں کے ساتھ ہے، نہ کہ کسی عملی حقیقت کے ساتھ۔ یہ سمجھنے کے لیے ہم پاکستانی روپے کی مثال دیکھتے ہیں۔

عالمی فاریکس مارکیٹ (Forex Market) میں ہر کرنسی دوسری کرنسیوں کے متبادل بکتی ہے، یہاں تک کہ فاریکس مارکیٹ سٹاک مارکیٹوں سے بھی بڑی منڈی ہے۔ یہاں بھی بالکل سونے اور چاندی کی طرح روپے، یورو اور ڈالر کی قیمتیں ہر روز، ہر لمحے تبدیل ہوتی جاتی ہیں۔ پس، سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ سونے کی قیمت کا تبدیل ہونا کوئی سونے کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ فاریکس اور کموڈٹی مارکیٹ میں ہر چیز کی قیمت تبدیل ہوتی ہے بشمول ہمارے روپے کے۔ مگر اس کے باوجود روپیہ موثر طور پر کرنسی کا کام دے رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جب عالمی منڈی میں روپیہ یورو یا یوآن کے بدلے گرتا ہے تو ہمارے خانگی تاجر اپنے نرخ تبدیل نہیں کرتے؟

وہ اس لیے کیونکہ اس تبدیلی کے اثرات سے وہ بہت حد تک محفوظ رہتے ہیں۔ سورج جب اپنی جگہ سے ہے تو زمین، مریخ اور ی بھی اس کے ساتھ چلتے ہیں، اور سورج کے اپنے مدار میں تبدیلی کو ∅ س نہیں کرتے۔ اگر ا انڈے بیچ کر آم خریدنے ہیں، تو ا روپے کی قیمت سے صرف یہی سروکار ہے کہ وہ ان انڈوں اور آموں کی نسبت Ü ں رہے۔ جب روپیہ ڈالر کے بدلے عالمی منڈی میں گرے گا تو ا اس سے کوئی سروکار نہیں ہو

گا کیونکہ میری تجارت کسی نقصان کے بغیر ^ رہے گی۔

آج ہم دینار و درہم کو عالمی منڈی میں سونے کی قیمتوں کے ساتھ اس لیے ملاتے ہیں کیونکہ ہمارے ذہن میں ان کی افادیت ایک کرنسی کی بجائے ایک جنس کی سی ہے، جسے بیچ کر¾ کو روپے حاصل کیے جا f ہیں۔ قیمت دراصل اس بات کی علمبر دار ہے کہ ہمیں تجارت سے کیا افادیت حاصل ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ افادیت روپوں میں تصور کی جاتی ہے، اس لیے دینار کو ایک جنس کے طور اس طرح پر کھا جاتا ہے کہ اسے بیچ کر ð روپے حاصل ہوں گے، اور یہ کہ ان روپوں سے ہم اور کیا خرید سکیں گے۔ اگر اسی دینار میں وہ تمام چیزیں Óوا Ò خریدی جاسکیں اور روپوں میں تبدیلی کی ضرورت نہ پڑے، تو پھر دینار کی قیمت تبدیل ہونا بھی ختم ہو جائے گی۔ تب آج¾ کے روپے کی طرح اس کی قیمت نسبتی نہیں بلکہ ہو جائے گی، اور پھر کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

یہ عمل کسی حکو O فرمان کے تحت نہیں ہو سکتا۔ اسے قدرتی طور پر آہستہ آہستہ عمل ، اہونا ہے۔ ہم جب شروع میں امریکہ آئے تو یہاں ہر چیز کی قیمت سمجھنے کے لیے ۹۰ سے ضرب دیتے تاکہ روپے میں اندازہ ہو سکے۔ مگر آہستہ آہستہ لا / رمیں ڈالر کی قیمت بیٹھ گئی اور اب روپوں کو بھی ڈالر میں تبدیل کر کے قیمت کا اندازہ کرتے ہیں۔ اسی طرح جب لوگ دینار و درہم کے عادی ہو جائیں گے اور نفع نقصان کو روپوں یا ڈالروں میں سوچنے کی بجائے خود دینار و درہم میں سوچیں گے تو پھر دینار عالمی منڈی کے اتار چڑھاؤ سے قدرے آزاد ہو جائے گا اور صحیحہ انوں میں کرنسی کی جگہ لے لے گا۔

عملی قدم نمبر ۹: دینار و درہم میں اپنی اشیا کی قیمتیں لگاتے وقت ان میں ایک ٹھہراؤ اور استحکام کا تاثر پیدا کرنے کے لیے حتی الوسع عالمی منڈی میں ان کے روزانہ کے اتار چڑھاؤ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کیجیے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اپنا نقصان کر لیا جائے، مگر صرف یہ کہ قیمتوں کی چھوٹی چھوٹی تبد " ں کو اپنے کاروباری منافع کی میں ضمکر لینے کی کوشش کی جائے۔ اس ضمن میں پہلا قدم ہم نے خود بھی لیا ہے جہاں چھ مہینے سے ہمارااللہ دار دینار و کالہ امریکہ میں درہم کو ایک جامد قیمت پر بیچ رہا ہے۔

قانونی ، وی

کرنسی وہ بنیادی اکائی ہے جس پر تجارت اور مالیاتی خدمات کا ڈھا \ قائم ہوتا ہے۔ پاکستان میں جہاں ہمیں عوامی سطح پر دینار کو رو س کروانا ہے، وہاں ایسے قوانین اور اداروں کو بھی ; دینا ہے جو جدید دور کے تقاضوں کی مناسبت سے تمام خدمات اور سہولیات فراہم کر سکیں۔ یہ ایک بہت وسیع موضوع ہے جس کے ساتھ اس کتاب میں انصاف نہیں کیا جا سکتا، البتہ چند بنیادی اقدامات پیش ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں دینار و درہم کو استعمال کرنے کی قانونی M قائم کرنی ہے۔ لیگل ٹینڈر قوانین کی وجہ سے

انہیں کرنسی کے طور پر تو استعمال نہیں کیا جا سکتا، البتہ بارٹر ٹریڈنگ کے تحت ان میں تجارت کی جا سکتی ہے۔ اس میں بھی ایک بڑی رکاوٹ G ہے۔

عملی قدم نمبر ۱۰: æ وحضرات علمائے کرام سے مل کر شریعت کورٹ میں اپیل دائر کریں کہ دینار و درہم کو ثمن نبوی ہونے کی وجہ سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کرنسی کے طور استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ مزید یہ کہ سونے اور چاندی کی تمام مصنوعات اور اشکال پر امپورٹ ڈیوٹی اور G ختم کیا جائے اور ان کی بین الاقوامی نقل مکانی پر سٹیٹ بینک کی پابندیاں ختم کی جائیں۔

عملی قدم نمبر ۱۱: مالیاتی خدمات میں تجربہ رکھنے والے افراد نجی سطح پر ایسے ادارے قائم کریں جو دینار و درہم کے امانت یا وعدیہ بنیادوں پر حفاظتی اکاؤنٹ کھولیں اور ان کی ترسیل اور تبادلے کی خدمات انجام دیں۔ موجودہ اسلامی بینک بھی اپنے آپ کو Œ ó ں میں شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اپنے معاملات کی اصلاح کر f ہیں، اور دینار و درہم کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر f ہیں، البتہ ایسا کرنے کے لیے انہیں اپنی ساخت میں بنیادی تبدیلیاں لانا پڑیں گی جن کی وضاحت ابواب میں آ ہے۔

زکوۃ و صدقات

کاروباری دنیا میں جب اکاؤنٹنگ کے کھاتے تخلیق کیے جاتے ہیں تو کاروبار مستقبل میں وصول ہونے والی رقم کو بھی اپنی ملکیت میں اتے ہیں۔ یعنی اگر کسی نے سامان خرید لیا اور ادائیگی قسطوں میں طے ہوئی، تو کاروبار سامان کی پوری قیمت جو ادا نہیں ہوئی، اسے بھی اپنے منافع میں ظاہر کرے گا [1]۔ کاغذوں میں یہ مال آپ کا ہے اور کاروباری دنیا میں ایسی مالیاتی د / ویزات مثلاً ریسیویبل نو کو آگے تجارت میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ مگر شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ زکوۃ کے عاملین کو اصل مال یا رقم یعنی ''عین'' کی بجائے مستقبل میں وصول ہونی والی رقم یعنی ''دین'' میں ادائیگی کریں۔ دینار و درہم تحریک کے آغاز کی ایک بنیادی وجہ یہی ادراک تھا کہ ہمیں مجموعی طور پر اسلام کے دوسرے ستون یعنی زکوۃ کو صحیح طور پر قائم کرنے کے لیے دو شرائط کو پورا کرنا پڑے گا۔ اول یہ کہ اسے انفرادی صدقات کی طرح ادا کرنے کی بجائے معاشرتی سطح پر ایک امیر کی دت میں جمع اور تقسیم کیا جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی ادائیگی کاغذی کرنسی یعنی ''دین'' کے بجائے ٹھوس اجزا یعنی ''عین'' میں کی جائے¥ [1]۔

پس دینار و درہم کے احیا کا سب سے اہم اور فطری طریقہ اس کو زکوۃ میں دوبارہ استعمال کرنا ہے۔ اول تو شرعی

Accrual basis accounting instead of cash basis accounting 148
/http://zakatpages.com/the-book-zakat-raising-a-falln-pillar149

طور پر لازم ہونے کی وجہ سے ہر صاحبِ ایمان کو اسے زکوٰۃ میں اپنانا چاہیے۔ زکوٰۃ کے لیے دینار و درہم اپنانے میں ایک آسانی یہ بھی ہے کہ یہاں قیمتوں کی غیر اور نفع نقصان کے اندیشے لاگو نہیں ہوتے۔ جب زکوٰۃ کی رقم آپ کی جیب سے نکلنی ہی ہے، تو کیا فرق پڑتا ہے کہ کاغذ کی شکل میں نکلے یا درہم کی شکل میں۔ اس صورت میں لوگ دینار و درہم کے قابلِ استعمال ہونے کی شرط کے بغیر بھی اسے زکوٰۃ میں استعمال کر f ہیں۔ اور دوسری طرف اسے وصول کرنے والے ااور غربا کا طبقہ اس کے استعمال کا رواج ڈالنے میں بہت معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ٗ اَدر ہم استعمال نہ بھی کرنا چاہیں تو جب زکوٰۃ کی شکل میں یہ ان کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا تو وہ مجبور ہو کر ضرور اس میں خرید و فروخت کے راستے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یوں وہ کام جو امیر لوگ شاید نہ کر سکیں، غریب مسکین اس کے پیشوا بن جائیں گے۔

عملی قدم نمبر ۱۲: تمام لوگ یہ کوشش کریں کہ ہر ایسی صورت میں جہاں نفع نقصان کا اندیشہ یا تجارتی معاملات شامل نہ ہوں، وہاں ہمیشہ اپنا مال دینار و درہم کی شکل میں استعمال کریں۔ نہ صرف زکوٰۃ و صدقات دینار و درہم میں دیں، بلکہ تحفے، ہدیے، نذرانے، عطیے، بخشش اور فرد یا اداروں کو ہر H کی مالی امداد میں ہمیشہ دینار و درہم استعمال کریں۔ ہو سکتا ہے کہ مال کی وصولی کرنے والے کو اسے دوبارہ روپوں میں تبدیل کرنا پڑے، اور شاید وہ کچھ وقتی مشکل میں بھی مبتلا ہو جائے، پر انشاء اللہ اس سے جو بہتری پیدا ہو گی وہ اس وقتی مشکل سے کئی ؈ زیادہ بہتر ہو گی۔

اوپر دیے گئے تمام نکات کے علاوہ اگر کسی قاری کے ذہن میں کوئی اور تجویز ہو، یا انہی تجاویز کی ، وی میں مشاورت اور تبادلۂ خیال کی خواہش ہو تو وہ مصنف سے کتاب کے آغاز میں دیے گئے ای میل ایڈرس پر رابطہ کر f ہیں۔

اختتامیہ

ہمیں شروع سے صا نِ نظر و دانش کی رفاقت کا بہت شوق رہا ہے۔اتفاق سے جناب ممتاز مفتی مرحوم اسلام آباد میں ہمارے سکول فروبلزا نیشنل کے قریب ہی رہتے تھے، سو ان سے بھی کچھ ملاقات رہی۔ان کے ہاں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں ایک مخصوص سوچ پائی جاتی تھی جس میں ان کے رفقا جناب اشفاق احمد اور قدرت اللہ شہاب بھی ان کے ہم خیال تھے۔ہم نے جب اس کے بارے میں پڑھا تو یہ تصور کچھ اتنا غیر Œ حد تک شاندار Ø س ہوا کہ ہم فوراًاُس کی انفرادی تصدیق کروانے کے لیے ان کے گھر پہنچ گئے۔دیگر موضوعات کے ساتھ جب ہم نے ان سے اس نشاۃِ ثانیہ کی بابت پوچھا تو انہوں نے سا g میز پر رکھے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہایت پراJ د لہجے میں کہا کہ I اس وعدے کے سچ ہونے پر ایسے یقین ہے جیسے اس بات پر یقین ہے کہ یہ پانی کا گلاس یہاں موجود ہے۔

ہم نہیں جاÕ کہ اس ملک کے مستقبل میں کیا مصائب اور آزمائشیں لکھی ہیں۔مگر ہمارا ابھی یہی ایمان ہے کہ ہم ایک دن ضرور اس نشاۃِ ثانیہ کی تعبیر دیکھیں گے، جو ہمارے بزرگوں کے عشق اور قربانEں کے طفیل اس ó کے لیے مقدر کر دی گئی ہے۔یہاں جب بھی Œ اسلامی نظام قائم ہوا، تو وہ اپنے اقتصادی اور معاشی معاملات کی تسہیل کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کی جس نہج پر بھی پہنچے،اس کی بنیادی مالیاتی اکائی ہمیشہ دینار و درہم پر ہی مشتمل ہو گی۔

دینار و درہم پیغمبر کے زیرِ استعمال رہنے والی کرنسی ہے۔عہدِ خلافتِ راشدہ کی کرنسی ہے۔اپنی کسی نہ کسی شکل میں چودہ سو سال سے × ن دنیا میں رائج رہنے والی کرنسی ہے۔اور ان شاءاللہ یہی کرنسی پاک سرزمین کی مستقبل کی کرنسی بھی ہے۔اور ہمیں کہنے کی اجازت دÌ کہ خلافت !: منہاج امنبوہ کی Pلی کے بعد بھی یہی کرنسی رائج ہو گی۔

اب یہ ہمارے اوپر ' ہے کہ ہم جلدی سود و ربا کو ترک کر کے دینار و درہم کو اپناتے ہیں۔کیونکہ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو پروردگار ہمیں ایسے لوگوں سے بدل دے گا جو اس سے کرتے ہوں گے اور اس کے ا م ہم سے بہتر طور پر بجالائیں گے۔

القرآن ۵:۵۴

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دلO کے سرِعام رکھ دیا

محمد آصف شیرازاسلامی دینار تحریک کے ایک

ریکہ کے
رنے کے
ں۔وہ پیشے
ں کی
دینار وکالہ،دینار ودرھم کی تخلیق کے علاوہ اس کے الیکٹرانک ترسیلی نظام کے اوپر بھی ... اور آجکل
یں ہے۔

“You (Asif) are one of us”
rahim Vadillo, Founder, World Islamic Mint

“Asif is a pioneer of Gold Dinar in Pakistan”
Humaira Awais Shahid, Former MP Punjab Assembly

“Asif, I am proud of you”
Fauzia Kasuri, President, Women’s Wing, Tehreek-e-Insaf

“Asif, my soulmate”
Zaid Zaman Hamid, Defense Analyst

ISBN 978-969-9820-00-7
9 789699 820007

Dinar Wakala LLC
1313 Clary Sage Loop
Round Rock, TX 78665

www.dinarwakala.com
info@dinarwakala.com